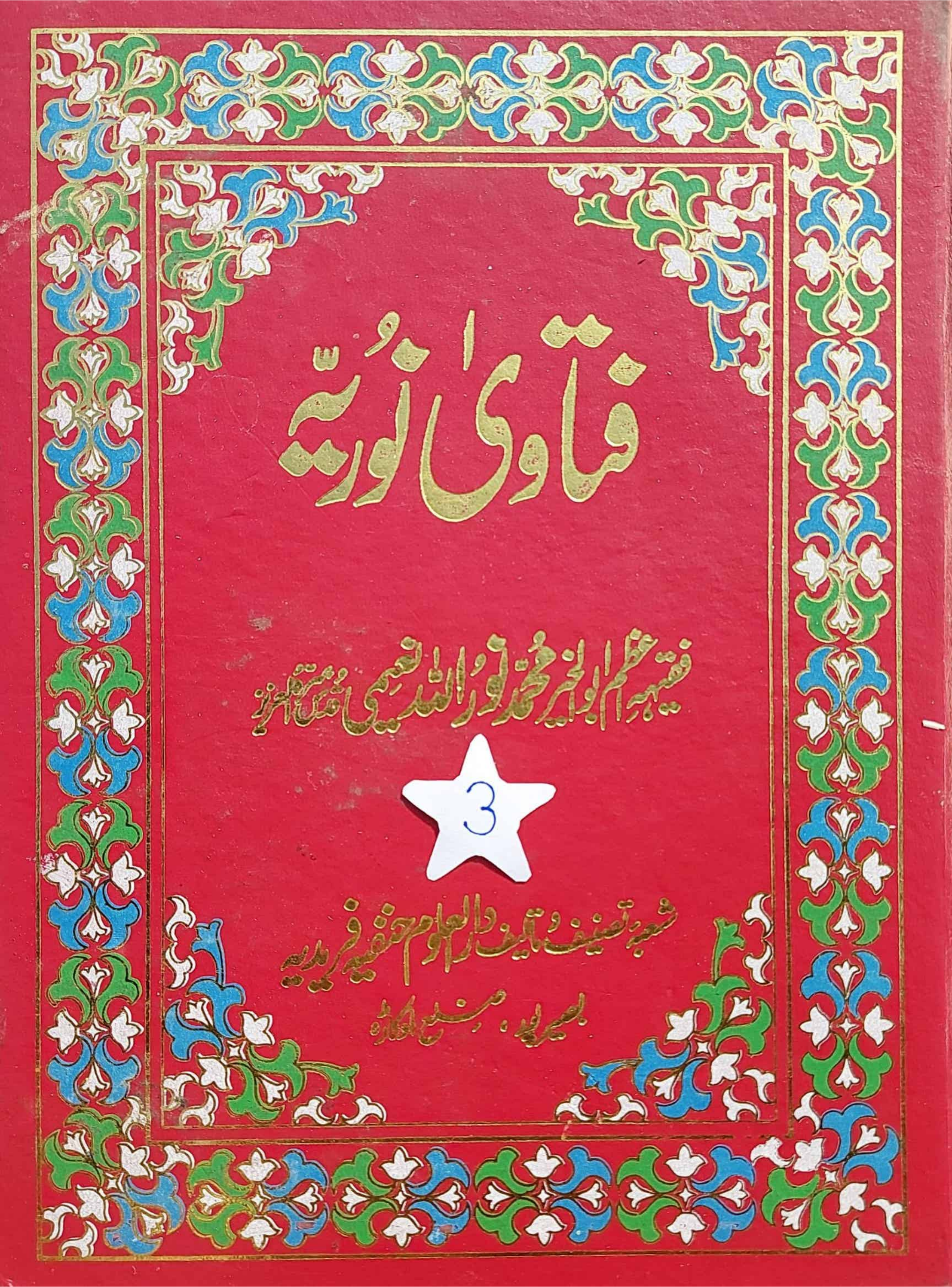

فتاویٰ نوریہ
فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز
3
شعبہ تصنیف و تالیف دار العلوم حنفیہ فریدیہ
بصیر پور، ضلع اوکاڑہ


فتاوی نوریہ


بسم الله الرحمن الرحيم

بلغ العلى بكماله

كشف الدجى بجماله

حسنت جميع خصاله

صلوا عليه وآله





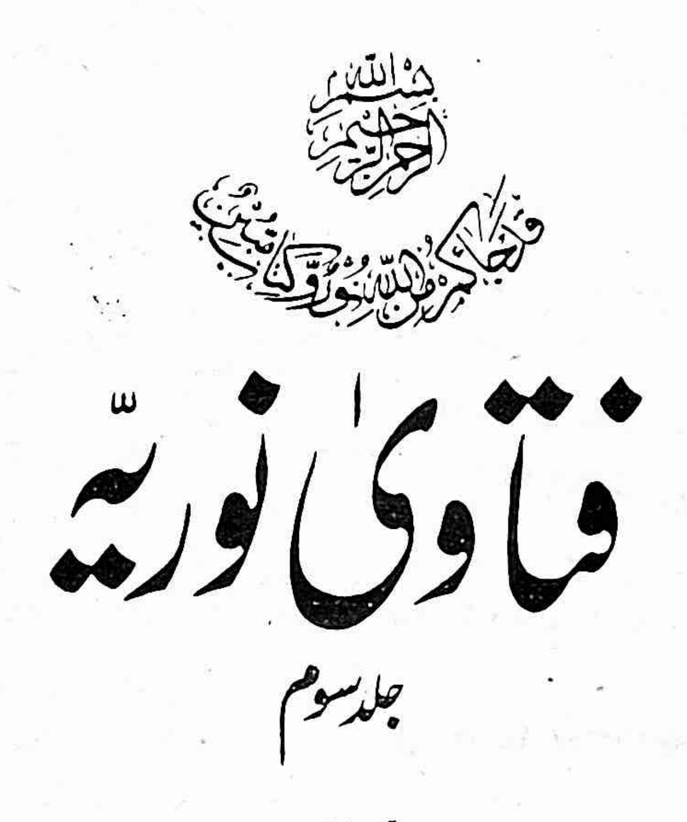
الله نور السموات والارض
مثل نوره كمشكوة فيها مصباح المصباح في زجاجة الزجاجة كأنها كوكب دري
يوقد من شجرة مباركة زيتونة لا شرقية ولا غربية يكاد زيتها يضيء ولو لم تمسسه نار نور على نور
يهدي الله لنوره من يشاء ويضرب الله الأمثال للناس والله بكل شيء عليم

يَسْتَفْتُونَكَ ط

قُلِ اللَّهُ

يُفْتِيكُمْ





تصنیف

شیخ الحدیث فقیہِ اعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب النعیمی القادری علیہ الرحمۃ
بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

ترتیب وتدوین

استاذ الفقہ والحدیث حضرت مولانا علامہ الحاج محمد محب اللہ صاحب نوری مدظلہ
مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

ناشر

شعبہ تصنیف وتالیف دارالعلوم حنفیہ فریدیہ
بصیر پور، ضلع اوکاڑہ

کتاب ---------------------- فتاویٰ نوریہ

جلد ---------------------- سوم

تصنیف ---------------------- حجۃ الاسلام حضرت فقیہ اعظم مفتی
ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز

ترتیب ---------------------- جانشین فقیہ اعظم حضرت
صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری

اشاعت اول---------------------- ستمبر ۱۹۸۳ء /ذوالحجۃ المبارکہ ۱۴۰۳ھ

اشاعت دوم---------------------- جنوری ۱۹۹۴ء / شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ

اشاعت سوم ---------------------- محرم الحرام ۱۴۲۰ھ / اپریل ۱۹۹۹ء

صفحات ---------------------- ۶۷۲

مطبع ---------------------- شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

ناشر ---------------------- شعبہ تصنیف و تالیف دارالعلوم حنفیہ فریدیہ
بصیر پور شریف ضلع اوکاڑہ

قیمت ---------------------- ۳۰۰روپے







جلد سوم کا نیا ایڈیشن اللہ رب العزت (جل جلالہ و عم نوالہ) کے لطف و کرم اور اس کی توفیق خاص سے پیش خدمت ہے۔

فتاویٰ نوریہ کی پہلی دو جلدوں کے اب تک پانچ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ یہ جلدیں طہارت، نماز، مساجد، زکوٰۃ، عشر، رویت ہلال، روزہ، اعتکاف، حج، رضاعت اور نکاح وغیرہ عبادات و احکامات پر مشتمل ہیں جبکہ اس میں طلاق، ظہار، ذبح، حلال و حرام جانور، قربانی، عقیقہ، تعزیر اور حظر و اباحت سے متعلق ۲۰۳ فتوے ہیں جن میں سینکڑوں احکامات و جزئیات کی تفصیل موجود ہے۔

کتاب الحظر والاباحہ کی داخلی ترتیب بدل کر جدید مسائل کو ان کی اہمیت کے پیش نظر ابتدا میں جگہ دی گئی ہے۔ نیز عورتوں کے لئے تعلیم کتابت کے جواز پر تحقیقی رسالے "الافتاء فی جواز تعلیم الکتابۃ للنساء" اور انتقال خون کے بارے میں فتوے کی عربی عبارات کے ترجمے کے ساتھ از سر نو کتابت کرائی گئی ہے۔ جس سے ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

قارئین کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے ابتدا میں مسائل کی ایک جامع فہرست



اور آخر میں آیات کریمہ' احادیث مبارکہ اور مآخذ و مراجع کی فہرستیں لگا دی گئی ہیں۔ مآخذ و مراجع کی فہرست میں کتب حوالہ' مطبع' مقام و سن طباعت' مصنفین اور ان کے سن وصال کی تفصیل درج ہے۔

قرآنی آیات کی فہرست مولانا حافظ محمد عرفان اللہ اشرفی فاضل دارالعلوم حنفیہ فریدیہ نے مرتب کی ہے جب کہ باقی تمام فہرستیں اور حوالہ جات کی اصل مراجع سے مطابقت اور تصحیح کا کام عزیزی مفتی محمد لطف اللہ نوری اشرفی مدرس دارالعلوم ہذا نے بڑی جانفشانی سے انجام دیا ہے--- مولانا حافظ محمد اسد اللہ نوری ناظم تعلیمات دارالعلوم ہذا نے پروف ریڈنگ میں حصہ لیا۔ مولانا صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری' مولانا محمد یوسف نوری نے جملہ طباعتی امور بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیئے جبکہ علامہ احمد علی قصوری' مولانا تابش قصوری' پروفیسر خلیل احمد نوری (لاہور) اور مولانا عزیز احمد نوری (قصور) نے اپنی اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا۔ قائد اعظم لائبریری لاہور کے ریسرچ آفیسر محترم سید عبدالرحمٰن بخاری نے "فتاوی نوریہ کا علمی مقام" کے عنوان سے اپنے تاثرات قلمبند کئے۔

اللہ تعالیٰ (جل وعلا) ان تمام حضرات کو اجر عظیم سے نوازے اور فتاوی نوریہ کے علمی و فقہی نور سے اہل ایمان کے قلوب و اذہان کو مستنیر فرمائے۔



محمد محب اللہ نوری

۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ

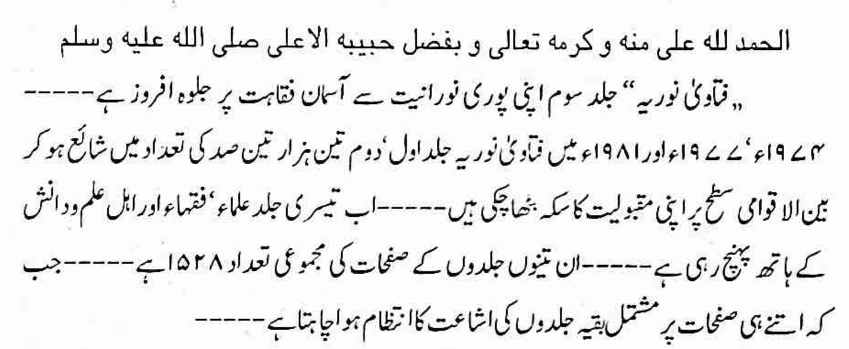
۱۰ جنوری ۱۹۹۴ء



ابتدائیہ اشاعت اول

فَوقَ کُلِّ ذِی علمٍ علیم





الحمد لله علی منه و کرمه تعالی و بفضل حبیبه الاعلی صلی الله علیه وسلم

"فتاویٰ نوریہ" جلد سوم اپنی پوری نورانیت سے آسمان فقاہت پر جلوہ افروز ہے-----
۱۹۷۴ء، ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۱ء میں فتاویٰ نوریہ جلد اول، دوم تین ہزار تین صد کی تعداد میں شائع ہو کر بین الاقوامی سطح پر اپنی مقبولیت کا سکہ بٹھا چکی ہیں-----اب تیسری جلد علماء، فقہاء اور اہل علم و دانش کے ہاتھ پہنچ رہی ہے-----ان تینوں جلدوں کے صفحات کی مجموعی تعداد ۱۵۲۸ ہے-----جب کہ اتنے ہی صفحات پر مشتمل بقیہ جلدوں کی اشاعت کا انتظام ہوا چاہتا ہے-----

فتاویٰ نوریہ جلد اول، دوم کی ترتیب و تدوین کا اہم ترین فریضہ نہایت سلیقہ سے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کے عظیم المرتبت صاحبزادے حضرت العلام مولانا الحاج ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمہ نے انجام دیا، نظر ثانی حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے خود فرمائی-----مگر کیا خبر تھی کہ زمانہ ان جلیل القدر شخصیتوں سے ظاہری طور پر محروم ہو جائے گا، جن کے علم و فضل کی شہادتیں اکابر نے دیں، جن کے قصائد علماء و فضلاء، غائبانہ پڑھتے، جن کا شہرہ عالم اسلام میں ہے، جن کے تذکرے دیار حبیب میں ہیں، جن کے محامد مولد مصطفیٰ میں سنے جاتے ہیں، جن کی یاد آج بھی تازہ ہے اور جن کی زیارت کو آنکھیں ترستی ہیں-----جن پر اساتذہ خوش رہے اور مکتوبات گراں مایہ سے نوازا،



القابات عظیمہ سے مفتخر کیا-----

آہ!وہی فقیہ اعظم علیہ الرحمہ والرضوان جن کے فتاویٰ کو دیکھ کر مفتی اعظم پاکستان سیدی ابوالبرکات سید احمد صاحب قادری علیہ الرحمہ محدث لاہوری نے جب علماء کرام میں مسئلہ لاؤڈ سپیکر پر قلمی گفتگو جاری تھی' بے ساختہ فرمایا:

"بمصداق "فوق کل ذی علم علیم" ہو سکتا ہے' ایک مسئلہ کا انکشاف زید پر ہو اور بکر پر نہ ہو"-----(مکتوب محررہ'۸نومبر۱۹۵۶ء)

چنانچہ جدید مسائل کے انکشاف کا جو ملکہ فقیہ اعظم کو نصیب ہوا'اس کی نظیر حال تو حال' مستقبل قریب میں بھی نظر نہیں آتی----- مستقبل کے فقہاء "فتاویٰ نوریہ" سے استفادہ کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے----- میرا وجدان کہتا ہے کہ اگر آپ کے دور کو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ پاتے تو فتاویٰ نوریہ کو بنظر استحسان دیکھتے'کیونکہ علماء حق خصوصاً فقہاء اہل سنت کی قدر و منزلت جو امام اہل سنت فرماتے'باید و شاید-----



فتاویٰ نوریہ جلد سوم کی ترتیب و تدوین کا نہایت صبر آزما مرحلہ آیا تو کس کے سر پر؟ فتاویٰ نوریہ کی پہلی دو جلدیں اس حال میں شائع ہوئیں کہ صاحب فتاویٰ نوریہ' حضرت الرتب الاول کی نگرانی و حوصلہ افزائی فرمارہے تھے' حضرت ابو الفضل علیہ الرحمہ کے معاون خود فقیہ اعظم علیہ الرحمہ تھے-----کام مشکل ہونے کے باوجود آسان تھا مگر جب زیر نظر تیسری جلد کی ترتیب و تدوین کا کٹھن مرحلہ آیا تو حضرت الفاضل الکامل مولانا علامہ الحاج صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کو اپنے والد ماجد اور برادر مکرم علیہما الرحمہ کی ظاہری مفارقت کا عظیم صدمہ برداشت کرنا پڑ رہا تھا-----

قدم قدم امتحان' لمحہ لمحہ ابتلاء' ساعت ساعت پریشانی اور اتنا مہتم بالشان کام-----اللہ اکبر! مگر عظیم فقیہ کے عظیم فرزند' جلیل القدر بھائی کے باہمت برادر نے مصائب و آلام کو صبر کی ڈھال سے روکا اور ملت اسلامیہ کو عموماً اور اہل سنت کو خصوصاً فتاویٰ نوریہ ایسی بے مثال فقہی کتاب عطا فرمارہے ہیں'جس کی بڑی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی-----

مولانا علامہ الحاج صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری بیک وقت دارالعلوم کے اندرونی وبیرونی' داخلی وخارجی امور کو انجام دینے کے ساتھ ساتھ تدریسی فرائض بھی انجام دے رہے ہیں نیز انجمن حزب الرحمٰن کی تحریری وتقریری سرگرمیوں میں برابر دلچسپی رکھتے ہیں' تحریر وتقریر میں ملکہ حاصل ہے' انسان حیران ہوتا ہے کہ اتنی مختصر سی عمر میں ان گنت ذمہ داریوں سے عہدہ براہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے----بس پھر یوں سمجھ لیجئے کہ آپ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کی زندہ کرامت ہیں----اختصار دامن گیر ہے ورنہ آپ کا تفصیلی تعارف پیش کرتا' تاہم چند اہم تواریخ پر نظر دوڑائیے اور آپ کی محنت' لگن' کارکردگی' فرائض کی ادائیگی اور مومنانہ فراست کی داد دیجئے-----



۱۰ مئی ۱۹۵۸ء / ۲۰ شوال ۱۳۷۷ھ بروز ہفتہ مولانا صاحبزادہ محمد محبّ اللہ صاحب نوری مدظلہ پیدا ہوئے' تقریباً انیس سال کی عمر میں جملہ علوم وفنون اسلامیہ کی تکمیل پر ۱۹۷۷ء میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف اور تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کی طرف سے فراغت کی سندیں حاصل کیں----بیس سال کی عمر میں نائب مہتمم کے فرائض سنبھالے----دارالعلوم کے انتظام وانصرام کے لئے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ اور آپ کے برادر اکبر حضرت ابو الفضل علیہ الرحمہ نے عملی تربیت شروع فرمادی تھی-----فارغ التحصیل ہونے سے ایک سال قبل ۱۹۷۶ء میں پہلی مرتبہ حج کعبہ کی سعادت اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضری کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے----جب کہ ۱۹۸۲ء میں دوبارہ گنبد خضراء اور بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے-----

۱۴ فروری ۱۹۸۱ء / ۸ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ کو فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے فضلائے دارالعلوم کے کثیر اجتماع میں دارالعلوم کے مہتمم کے عہدۂ جلیلہ کی تحریری سند دی' نیز ۱۵ جون ۱۹۸۱ء کو دستار خلافت سے نوازا-----

الحمدللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری دامت برکاتہم العالیہ اپنے والد ماجد کا حقیقی وروحانی عکس نورانی بن کر جملہ امور کو حسن وخوبی انجام دے رہے ہیں----



فتاویٰ نوریہ جلد ثالث میں آپ بعض نئی باتیں پائیں گے' جو دیگر کتب فتاویٰ میں مفقود ہیں----- مثلاً جو باب دیا جا رہا ہے' اس کا اجمالی تعارف پائیں گے' یہ جدت آپ کو یہیں نظر آئے گی----- اس طرح مرتب کی دلچسپی نے باب کی اہمیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں----- ابتدائی صفحات (۱) میں غزالی زماں' محدث دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی مد ظلہ اور استاذ العلماء مولانا علامہ عطا محمد صاحب چشتی بندیالوی (۲) کی تقاریظ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں گے----- نیز حیات مبارکہ کے عنوان سے فقیہ اعظم قدس سرہ کی بلند پایہ شخصیت کی مقدس زندگی کے پاکیزہ پہلو' جن روح پرور الفاظ میں حضرت صاحبزادہ صاحب مد ظلہ نے قلم بند فرمائے ہیں' ان پر مزید کچھ کہے بغیر یہی عرض کروں گا ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ کرے' انجمن کا یہ اشاعتی نذرانہ بارگاہ فقیہ اعظم میں شرف پذیرائی پائے اور عالم اسلام اس کی نورانیت سے سدا مستنیر ہوتا رہے-----

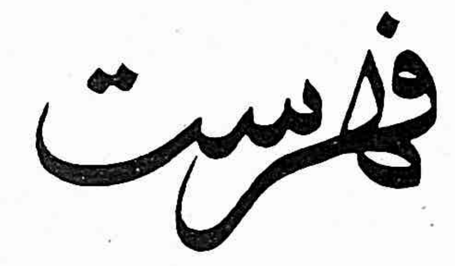


محتاج دعا----- محمد منشا تابش قصوری
ناظم اعلیٰ انجمن حزب الرحمٰن بصیر پور' اوکاڑہ
یکم ذوالحجۃ المبارکہ ۱۴۰۳ھ / ۹ ستمبر ۱۹۸۳ء' جمعۃ المبارکہ

---

(۱) یہ مضامین اب فتاویٰ نوریہ کی دیگر جلدوں میں شامل کر دیئے گئے ہیں-----
(۲) یہ دونوں حضرات وصال فرما چکے ہیں----- رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ




فهرست



مشمولات





فہرست

کتب وابوابِ فتاویٰ نوریہ جلد سوم





جلد دوم
فتاوی



فہرست مسائل فتاوی نوریہ



















فتاویٰ نوریہ
جلد سوم





جلد سوم
نور تیرہ
فتاوی



جلد سوم
فتاویٰ نوریہ





جلد سوم
فتاوی











جلد سوم
فتاویٰ نذیریہ





جلد سوم
فتاویٰ







جلد سوم
فتاویٰ









جلد سوم
فتاوی





جلد سوم
فتاویٰ نوریہ



فتاویٰ نواب ثنائیہ
جلد سوم





جلد سوم
نوادرات
فتاویٰ







جلد سوم
فتاویٰ نوریہ



جلد سوم
فتاوٰی نوریہ





جلد سوم
فتاویٰ نوریہ



جلد سوم
فتاویٰ





جلد سوم
فتاویٰ





جلد سوم
فتاویٰ







فتاویٰ خواجہ





جلد سوم
فتاوی







جلد دوم
فتاویٰ نوریہ



جلد سوم
فتاویٰ شارح بخاری







جلد سوم
جُزئیہ
فتاویٰ





جلد سوم
نوادر
فتاویٰ



جلد سوم
فتاویٰ بحر العلوم





جلد سوم
فتاویٰ





جلد دوم
نورانیہ
فتاوی



جلد سوم
خزانۂ فتاوی



فقیہِ اعظم قدس سرہ

قرنہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اُویس اندر قرن

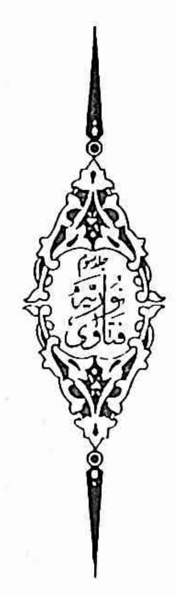


نازش علم و عمل، جامع فضل و کمال، مشرب فیض و کرم، مخزن تقویٰ و طہارت، راہبر شریعت و طریقت، ناشر رشد وہدایت، ماہر علوم و فنون اسلامیہ، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، استاذ الاساتذہ، فقیہ اعظم، محدث افخم، حضرت مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی اشرفی قادری بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (رحمۃ اللہ علیہ) ۱۶ رجب المرجب ۱۳۳۲ ہجری کو تحصیل دیپال پور کے ایک مشہور گاؤں سوجیکے میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد زبدۃ الاصفیا، حضرت مولانا الحاج ابو النور محمد صدیق صاحب چشتی علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء) اور جد امجد حضرت مولانا احمد دین صاحب علیہ الرحمہ۔ (م ۱۹۴۲) نے اپنی نگرانی میں تعلیم و تربیت کا آغاز فرمایا۔ یہ باعظمت ارائیں خاندان نسلاً بعد نسل علوم و فنون اسلامیہ کا امین چلا آرہا تھا۔ اس لئے ان بزرگوں نے اپنی علمی وراثت کی حفاظت کے لئے تمام تر مساعی جمیلہ اس جوہر قابل کی طرف منعطف فرمادیں۔ قرآن کریم اور فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد اور جد امجد سے حاصل کی۔ پھر علوم متداولہ کی تحصیل کے لئے مختلف مدارس میں جانا ہوا۔ ۱۳۴۵ھ میں مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم گھمنڈ پور میں داخل ہوئے۔ محقق عصر حضرت مولانا الحاج فتح محمد صاحب محدث بہاولنگری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء) سے متعدد علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ ۱۳۵۱ھ میں مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں داخلہ لیا، امام اہل سنت حضرت العلام الحاج سید ابو محمد دیدار علی شاہ محدث اعظم الوری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء) اور حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا الحاج ابوالبرکات سید احمد



قادری علیہ الرحمۃ (م ۱۹۷۸ء) سے علم حدیث کی تعلیم پائی۔ اس وقت دورہ حدیث شریف پڑھنے والوں میں آپ کو امتیازی مقام حاصل تھا۔ دورہ حدیث شریف کے طلباء سے حضرت محدث اعظم الوری اکثر فرمایا کرتے "آپ حضرات اس سال دورہ شریف مولانا محمد نور اللہ صاحب کی طفیل پڑھ رہے ہیں۔"

دارالعلوم حزب الاحناف سے علم حدیث کی تکمیل پر آپ کو ۲۳ نومبر ۱۹۳۳ء ر ۶ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ کو سند فراغت اور دستار فضیلت سے نوازا گیا۔ امام اہل سنت نے خصوصی اسناد بھی عطا فرمائیں۔ اسی موقع پر آپ کو "ابوالخیر" کی کنیت سے بھی سرفراز فرمایا جب کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری مدظلہ نے "فقیہ اعظم" کے لقب سے ممتاز فرمایا۔



درس وتدریس

سیدی فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ نے فارغ التحصیل ہوتے ہی اپنی عملی زندگی کا آغاز درس و تدریس سے فرمایا۔ ۱۳۵۲ھ سے ۱۳۵۶ھ تک موضع واسو سالم میں تدریسی خدمات انجام دیں البتہ ۱۳۵۴ھ میں تقریباً ایک سال کے لئے مولانا محمد اکبر چشتی بصیرپوری علیہ الرحمۃ کے دربار پر بصیرپور میں تدریسی کام کیا۔ مگر آپ کی خداداد صلاحیتیں آپ سے اعلیٰ تعمیری کام کی متقاضی تھیں چنانچہ آپ نے دیپال پور ایسے جہالت زدہ علاقہ کو علوم و فنون عربیہ کے انوار سے منور کرنے کی طرح ڈالتے ہوئے مدرسہ حنفیہ فریدیہ کے نام سے ۱۳۵۷ھ ر ۱۹۳۸ء میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ تشنگان علم، مخزن علم و عمل کے حضور زانوئے تلمذ طے کرنے لگے۔ آپ کی قابلیت اور پرتاثیر تدریس کا شہرہ عام ہونے لگا۔ روز بروز طلباء کی تعداد بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ فرید پور جہاں آمد و رفت کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں مدرسہ کی رونق میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ آپ کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ و حدیث، منطق، فلسفہ، صرف، نحو، فارسی وغیرہ فنون عقلیہ و نقلیہ پر کامل دسترس حاصل تھی۔ عربی ادب میں درجہ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ سارا دن ہر علم و فن کی تدریس میں اکیلے گزار دیتے کسی بھی فن کا درس ہوتا ہر سبق میں عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جوت جگاتے چلے جاتے۔ اسی مقام پر ۱۳۶۳ھ ر ۱۹۴۴ء میں بخاری شریف سے



دورہ حدیث شریف کا آغاز فرمایا۔ یہ بات بطور خاص قابل ذکر ہے کہ دورہ حدیث کی اس پہلی جماعت میں دیگر تلامذہ کے علاوہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد صدیق علیہ الرحمۃ بھی شریک درس تھے۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر آپ نے فوری طور پر اس مدرسہ کو ایک عظیم الشان دار العلوم کی شکل میں منتقل کرنے کا مصمم ارادہ فرماتے ہوئے ضلع اوکاڑہ کے مشہور قصبہ بصیر پور کا انتخاب کیا۔ چنانچہ اس عظیم مقصد کی تکمیل فرماتے ہوئے آپ ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء کو فرید پور میں دورہ بخاری شریف مکمل فرما کر بصیر پور تشریف لے آئے اور دار العلوم حنفیہ فریدیہ کی داغ بیل ڈالی۔ دار العلوم کی تعمیر و تاسیس سے عروج و ارتقاء کے مرحلے طے کرنے میں آپ کو بڑے صبر آزما امتحان سے گزرنا پڑا کئی ایسے مشکل مقام اور آڑے وقت آئے کہ دار العلوم بند کرنے کی بھی تجاویز آپ کو دی جانے لگیں مگر آپ نے صبر و استقامت سے ہر آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور دار العلوم کو نازک ترین لمحات میں ترقی کی راہ پر گامزن فرماتے نظر آئے۔ ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء کو دار العلوم کی تعمیر شروع ہوئی۔ ابتداء میں چار کچے کمرے بنائے گئے۔ نماز کے لئے ایک قطعہ زمین پر چھپر ڈال کر مسجد بنائی گئی۔ بعد ازاں مختلف مراحل طے کرتا ہوا یہ دار العلوم اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ آج وطن عزیز پاکستان کے عظیم الشان علمی مرکز کی حیثیت سے متعارف ہے۔ پچھتر پختہ کمرے، متعدد برآمدے اور درس گاہیں، دوسری منزل پر رہائشی کمروں کی خوبصورت قطاریں بہار پر بہار دکھا رہی ہیں نیز دار العلوم کا وسیع و عریض ہال کی صورت میں دار الحدیث حضرت کے جذبہ عشق رسول کی عملی تصویر پیش کر رہا ہے جس میں ہزاروں کتب نہایت عمدہ سلیقے سے شیشے کی الماریوں میں مرجع اہل علم و تحقیق کو دعوت فیضان دے رہی ہیں۔ الحمد للہ تعالیٰ آج دار العلوم اپنی تمام تر صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ تشنگان علوم اسلامیہ کی پیاس بجھا رہا ہے۔



نیز ایک نہایت ہی خوبصورت جامع مسجد جو زیارت کے قابل ہے جس کی تعمیر کا کام ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء سے ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء تک آپ ہی کی نگرانی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا یہ مسجد اپنے جمالیاتی حسن، دلآویزی اور خوبصورتی میں انفرادی شان رکھتی ہے۔



بیعت

حضرت فقیہ اعظم فرمایا کرتے تھے کہ میری زندگی کا محبوب ترین وظیفہ درس و تدریس ہے مجھے سن شعور سے ہی لمبے لمبے وظیفے پڑھنے کی رغبت نہ تھی' جب مرشد کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی سوچتا تو خیال آتا کہیں لمبے لمبے وظیفے پڑھنے کا ارشاد نہ ہو جائے اور میرے محبوب ترین وظیفہ تدریس میں کمی نہ واقع ہونے لگے۔ یہی خیالات دل میں جگہ کئے ہوئے تھے کہ حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل الحاج الحافظ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ بیعت کی سعادت پائی تو آپ نے فرمایا تمہارے لئے میری طرف سے درس و تدریس اور خدمت قرآن و حدیث کا وظیفہ دیا جاتا ہے چنانچہ آپ کی آرزو کے عین مطابق مرشد کامل حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمتہ کی طرف سے جوہر حیات ودیعت ہوا۔



حج وزیارت

حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی پوری زندگی عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے۔قرآن و سنت پر آپ اس شان سے عمل پیرا رہے کہ آپ کی خدمت میں بیٹھنے والا محسوس کرتاوہ ایک ولی کامل کی کچہری میں حاضر ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر خیر ہروقت جاری ہے اور فقیہ اعظم احادیث رسول کی عملی تصویر بنے بیٹھے ہیں۔ آنکھیں جمال محبوب میں محو ہیں اوران کی نمی سے نمایاں ہوتا کہ آپ دیدار حضور پرنور سے مخمور ہیں۔ اسی اثنا میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے پر عشق نعتیہ اشعار گنگناتے' تو کچھ اور ہی سماں بندھ جاتا۔ زبان حرکت کرتی تو یوں ۔

آنے دو یا ڈبو دو اب تو تمہاری جانب
کشتی تمہی پہ چھوڑی لنگر اٹھا دیئے ہیں

کبھی کبھی وفور محبت میں اپنے جذبات کو نعت کے سانچے میں یوں ڈھالتے ۔



فداک اخوتی امی ابی ابنائی احبابی

ودادی ودی مرغوبی اغثنی یارسول اللہ

جب عشق کمال تک پہنچتا، تو در حبیب سے بلاوا آجاتا آپ حج و زیارت کی پہلی بار ۱۹۶۰ء کو سعادت عظمیٰ حاصل کرتے ہیں۔ واپسی پر کیف و مستی کا کچھ اور ہی عالم ہو جاتا ہے۔ عشق و محبت کا دریا موجزن ہوتا ہے تو بقول جامی التجا کرتے ہیں۔

مشرف گرچہ شد جامی زلطفش

خدایا ایں کرم بار دگر کن



پھر ایسا کرم ہوتا ہے کہ بار بار حج و زیارت کی نعمت سے سرفراز ہوتے رہے۔ آپ نے ۲۰ مرتبہ حج وزیارت مدینہ طیبہ کی سعادت حاصل کی۔ ۱۳۹۹ھ کو مدینہ منورہ میں حاضری کے لئے عراق اور شام کا راستہ اختیار کیا۔ بغداد شریف، کربلا معلیٰ، بصرہ، کوفہ اور دمشق میں صحابہ کرام، اہل بیت عظام، اور کئی مشاہیر بزرگان دین کی مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے اکثر دورہ حدیث شریف پڑھاتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ میں تو حدیث شریف کا درس دیتے عمر بیت رہی ہے کبھی گنبد خضراء کے سایہ میں محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھانے کی آرزو پوری ہو جائے تو زہے نصیب چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطائے خاص سے اس آرزو کی تکمیل بھی ہوئی۔ تین مرتبہ مسجد نبوی میں گنبد خضراء کے زیر سایہ روضہ پاک کے سامنے قرآن پاک کا درس اور بخاری شریف کا دورہ پڑھانے کی نعمت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ ۱۹۷۲ء میں راقم السطور تابش قصوری کو بھی مسجد نبوی میں گنبد خضراء کے زیر سایہ روضہ مقدسہ کے قریب کتاب الحج تک حضرت فقیہ اعظم سے بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی

سیاسی خدمات

حضرت فقیہ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے تدریسی انہماک کے باوجود سیاسی طور پر بھی اہم خدمات

انجام دیں۔ تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی‘ اہل سنت و جماعت کے اکابر علما و مشائخ کے ساتھ مل کر اپنے پیر و مرشد حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے نمایاں کردار ادا کیا۔ آخر بزرگان دین اور علماء اہل سنت کی مساعی جمیلہ سے دنیا کے نقشے پر ایک نظریاتی اسلامی ملک کا قیام عمل میں آیا۔ جہاد کشمیر میں غازی کشمیر حضرت مولانا علامہ ابو الحسنات قادری علیہ الرحمۃ کا ساتھ دیا۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں خصوصیت سے حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے ساہیوال جیل میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا ابوالنور محمد صدیق اور اپنے اکابر تلامذہ حضرت مولانا ابو الضیاء محمد باقر ضیاء النوری علیہ الرحمۃ حضرت مولانا ابوالنصر منظور احمد شاہ ہاشمی کے ساتھ قید ہوئے۔ آپ کو ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی مگر تین ماہ بعد رہا کر دیے گئے۔ ۱۹۷۴ء میں جب سانحہ ربوہ کے باعث تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو آپ نے تحفظ ناموس رسالت کا نعرہ بلند کیا اور اس تحریک میں ناقابل فراموش کردار کا مظاہرہ کیا۔



۷ مارچ ۱۹۷۷ء میں ہونے والے انتخابات میں پاکستان قومی اتحاد کے ٹکٹ پر جمعیت علمائے پاکستان کی طرف سے آپ نے نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ کی خاطر باقاعدہ الیکشن میں حصہ لیا۔ ملک کے دیگر مقامات کی طرح اس حلقہ انتخاب میں بھی وسیع پیمانے پر دھاندلیاں ہوئیں۔ اگر پیپلز پارٹی مذبوحی حرکات کا سہارا نہ لیتی تو آپ کا مقابل ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوتا۔ پھر انتخابات میں دھاندلیوں کے خلاف ابھرنے والی تحریک نظام مصطفیٰ نے حکومت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔ اس تحریک میں آپ کا مثالی کردار ہمیشہ دعوت فکر و عمل دیتا رہے گا۔ تحریک نظام مصطفیٰ کے ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے ۲۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو آپ نے گرفتاری پیش کی۔ آپ کو رہا کر دینے کی متعدد کوششیں ہوئیں مگر آپ نے رہائی سے بالکل انکار کر دیا۔ چنانچہ جب تک تحریک جاری رہی۔ آپ سنٹرل جیل ساہیوال میں رہے اور جیل کے اندر بھی اپنے مشن کو جاری رکھا۔ درس قرآن کریم کے علاوہ بخاری شریف بھی متعدد قیدی طلباء و علماء کو پڑھاتے رہے



اولاد امجاد

فقیہ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پانچ صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تولد ہوئیں جن میں دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں بقید حیات ہیں۔ صاحبزادگان کے نام یہ ہیں (۱) مولانا ابوالعطاء محمد ظہور اللہ صاحب نوری زید مجدہ (۲) مولانا ابوالفضل محمد نصراللہ نوری علیہ الرحمہ (مرتب اول فتاوی نوریہ) (۳) صاحبزادہ محمد عبداللہ (۴) صاحبزادہ محمد اسد اللہ (یہ دونوں صاحبزادے کم سنی میں وفات پا گئے) (۵) حضرت مولانا مفتی محمد محب اللہ نوری زید مجدہ مہتمم و متولی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ ------ صدر انجمن حزب الرحمٰن۔ زیب سجادہ آستانہ عالیہ نوریہ قادریہ بصیر پور شریف۔



تصنیفات

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ نے دو درجن سے زائد کتب تصنیف کیں۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) فتاویٰ نوریہ کامل چھ جلد (۲) مکبر الصوت (۳) حدیث الحبیب (۴) نعمائے بخشش (نعتیہ دیوان) (۵) نور القوانین قواعد صرف منظوم بزبان پنجابی (۶) مسئلہ سایہ (۷) روزہ اور ٹیکہ یہ تمام مطبوعہ ہیں۔ غیر مطبوعہ میں ایک نعتیہ دیوان عربی، فارسی، پنجابی/اردو پر مشتمل ہے نیز بخاری شریف، مسلم شریف اور دیگر متعدد کتب فقہ و حدیث پر حواشی قلمبند فرمائے۔ آپ کی حیات مبارکہ میں فتاوی نوریہ کی پہلی دو جلدیں شائع ہو چکی تھیں جبکہ آپ کے وصال (رجب ۱۴۰۳ھ/اپریل ۱۹۸۳ء) کے بعد شہزادہ فقیہ اعظم حضرت الحاج مولانا علامہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ نے نہ صرف بقایا چار جلدیں مرتب کیں بلکہ جدید طریقہ اشاعت و طباعت کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے فتاوی نوریہ کا چھ جلدوں میں نہایت خوبصورت سیٹ شائع کرنے کا اہتمام فرمایا جو بفضلہ و کرمہ تعالیٰ تاریخ طباعت میں اپنی مثال آپ ہے۔



آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں بین الاقوامی سطح پر خدمت دین متین میں مصروف ہیں۔ جن میں نہایت قابل مدرس، مصنف، مترجم، محقق، خطیب اور مقرر حضرت کے فیضان کو تقسیم کر رہے ہیں اور بعض نے مدارس قائم کر رکھے ہیں۔

حضرت فقیہ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک گوشہ مثالی تھا' ایک ولی کامل کی نورانی زندگی آفتاب حق نما ہوتی ہے۔ بلاشبہ اس مقولہ کی مصداق آپ کی بلند مرتبت شخصیت تھی جو انوار و تجلیات ولائت سے پاکستان کو منور کرتی چلی گئی۔ اختصار دامن گیر ہے۔ اہل عشق و محبت تذکار فقیہ اعظم کے لئے ان کتب و رسائل سے استفادہ کریں' تذکرۂ فقیہ اعظم' انوارِ حیات' حیاتِ فقیہ اعظم' فقیہ اعظم نمبر ماہنامہ نور الحبیب بصیرپور۔ (جنوری ۹۱ء) مقدمہ فتاویٰ نوریہ جلد اول مطبوعہ ۱۹۹۱ء۔

دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمتہ کے مدارج میں ترقی عطا فرمائے اور ان کے روحانی فیوض و برکات سے زمانہ بھر کو مستفیض فرماتا رہے۔

آمین ثم آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

محمد منشا تابش قصوری

ناظم شعبۂ تصنیف و تالیف جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور





فتاویٰ نوریہ کا علمی مقام

سیّد عبد الرحمٰن بخاری
ریسرچ آفیسر قائداعظم لائبریری ، لاہور

اسلام میں افتار کی اہمیت و نزاکت :

اِفتار اپنی ماہیت کی رو سے احکامِ الٰہیہ کے کشف و اظہار کا نام ہے ، اِس اعتبار سے مفتی درحقیقت وارثِ پیمبر ہے ۔ امامِ شاطبی کے الفاظ میں المفتی قائم فی الامۃ مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1] " یعنی مفتی کا منصب امّت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا ہے " ۔ اِس سے ظاہر ہے کہ تمام دینی مناصب اور جملہ شرعی فرائض میں اِفتار کا کام سب سے زیادہ نازک ، حسّاس اور اہم ہے ۔

فتوٰے دوہری ذمہ داری ہے ۔ ایک طرف تو پیش آمدہ مسئلہ میں حکمِ الٰہی اور منشائے ایزدی کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی درکار ہے اور دوسری طرف بیان کردہ حکم پر سائل کے عملدرآمد سے رونما ہونے والے نتائج و اثرات کی دنیا اور آخرت میں جوابدہی درپیش ہے ہر چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کا جواب دیتے ہوئے اِس دوگونہ مسئولیت کے احساس سے سرشار رہنا مفتی کے منصب (وراثتِ نبوّت) اور کام (اظہارِ حکمِ الٰہی) کا اوّلین تقاضا ہے ۔ یہ فی الواقع دنیا میں علم و تحقیق کا پلصراط ہے ، بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ، جو مفتی کو ہر استفتار کا جواب دیتے ہوئے عبور کرنا پڑتا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ اِس امت کے اصحابِ حزم و احتیاط ، جن میں اہلیتِ اجتہاد سے آراستہ نفوسِ قدسیہ بھی شامل ہیں ، اِس منصب کو اختیار کرنے سے گریزاں اور اگر بحکمِ شریعت قبول کرنا تو اِس کے ادا کرنے میں ہمیشہ لرزاں و ترساں رہے[2] حتّٰی کہ خود



[1] الشاطبی : الموافقات ج ۴ ص ۲۴۴

[2] ابن قیم : اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۳ ، ۳۴ ابوشامہ : مختصر کتاب المؤمل ۱۲۰

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں کہا گیا ہے ،

کان الصحابۃ یتدافعون الفتوی والاجتہاد ...... ویود کل

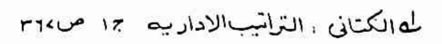
منہم لو کفاہ ایاہ غیرہ [1]

یعنی صحابہ کرام حتی الامکان فتوے اور اجتہاد سے بچنے کی شدید کوشش کرتے تھے، ہر ایک چاہتا تھا کہ دوسرے لوگ یہ ذمہ داری اٹھالیں تاکہ وہ اس نازک فریضہ سے سبکبار رہے۔

اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ افتاء کا منصب جس قدر شرف و عزت اور تکریم و رفعت کا حامل ہے اس سے کہیں زیادہ نازک، حساس اور ثقیل کام، دوگونہ مسئولیت اور شدتِ حزم واحتیاط کا متقاضی ہے۔



اپنی عملی نوعیت کے اعتبار سے افتاء تمام دینی علوم اور شرعی وظائف کی نسبت سماج کے سب سے زیادہ قریب ہے، باقی علوم وفنون پر اصلا نظریاتی، تجریدی اسلوب کا غلبہ ہے جبکہ فتوی اول وآخر عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ فقہی تحقیق وتخریج اور اجتہاد واستنباط بھی مجرد نظری عمل ہے جس کا دائرہ شرعی مسائل واحکام کے ادراک واستخراج تک محدود ہے لیکن افتاء ایک خالص عملی مرحلہ ہے جس میں مفتی، سائل کے بیان کردہ ظروف واحوال، علاقہ کے عرف وعادات اور پیش آمدہ مسئلہ کی مناط وعلت کی تحقیق اور خوب چھان پھٹک کے بعد وہی حکم بیان کرتا ہے جس پر عملدرآمد سے شریعت کے مطلوبہ مقاصد ومصالح کی تکمیل ہو سکے۔ نظری اجتہاد جس کا تعلق استنباطِ مسائل سے ہے ضرورت پوری ہونے کے بعد عملاً منقطع بھی ہو سکتا ہے [2] چنانچہ فقہی استنباط و اجتہاد اور تدوینِ مسائل کا کام پہلی، دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ائمہ مجتہدین اور ان کے تلامذہ راشدین کے ہاتھوں بحسن وخوبی انجام پا چکا ہے لیکن فتوی کی بنیاد چونکہ از اول تا آخر سر اسر


[1] الکتانی: التراتیب الاداریہ ج۱ ص۳٦٧

[2] الشاطبی: الموافقات ج۴ ص۸۹

عملی اجتہاد پر ہے جو فقہی مسائل کی تحقیق، مناط اور انہیں معاشرہ میں عملاً نافذ کرنے سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے اِفتاء ایک مسلسل، متحرک اور تدریجی ارتقائی عمل ہے جو ہر عصر و عہد اور ہر خطّے اور علاقے میں رہتی دنیا تک جاری و ساری رہے گا۔ اجتہادِ عملی اور اس پر مبنی کارِ افتاء قیامت تک کبھی منقطع نہیں ہوسکتا[1]۔ فقہی مسائل و احکام کو تمدّنی ارتقاء اور عصری مقتضیات سے ہم آہنگ کرکے ہر دَور اور ہر علاقے کی سوسائٹی کے لئے قابلِ عمل صورت میں ڈھال کر پیش کرنا افتاء ہی کا کام ہے اسی لئے فقہاء نے ہر دور اور ہر بستی میں ایک اہل مفتی کا وجود شرعی فریضہ قرار دیا ہے اور جس جگہ کوئی اہل مفتی موجود نہ ہو اس علاقے میں سکونت اختیار کرنا حرام اور وہاں سے ہجرت کرنا واجب ٹھہرایا ہے[2]۔ اس سے ظاہر ہے کہ معاشرہ میں انفرادی و اجتماعی سطح پر نفاذِ شریعت کا عمل بنیادی طور پر افتاء کے ساتھ وابستہ ہے یہاں تک کہ اگر قاضی خود اہلیتِ اجتہاد سے متصف نہ ہو تو اس کے شرعی فیصلے بھی مفتی کے فتاوٰے ہی کی روشنی میں طے پاتے ہیں۔

یوں بھی افتاء کا عمل بنیادی طور پر عوام کے دینی رجحان اور شرعی ذوق کا آئینہ دار ہوتا ہے، اس کا سرچشمہ دین سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا عوامی جذبہ و احساس ہے پھر افرادِ معاشرہ کے عملی رویّوں پر سب سے زیادہ اثر افتاء ہی کا پڑتا ہے دیگر کوئی سماجی ادارہ اور کوئی علم و فن براہِ راست عوام کے شعور و ادراک اور دینی جذبہ و رجحان کی پرورش اِس طرح نہیں کرتا جس طرح اِفتاء کا ادارہ یہ کام انجام دیتا ہے۔ سماج کا مذہبی دھارا اسی کے زیرِ اثر اور اسی کے رُخ پر بہتا ہے۔

برِصغیر میں افتاء

برِصغیر پاک و ہند میں اِسلام کا ورود و فروغ چونکہ صوفیاءِ عظام اور علماءِ کرام ہی کا رہینِ کاوش ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ

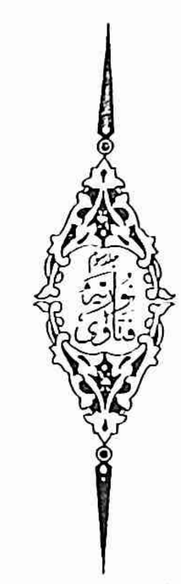
---

[1] الشاطبی، الموافقات ج ۴ ص ۹۰

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے راقم الحروف کا مقالہ "اسلامی ریاست میں نفاذِ عدل کے ادارے"



اِس خطے میں سماجی زندگی کے تمام سوتے مذہب ہی کے سرچشمہ سے پھوٹتے ہیں، خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی تجدیدی مساعی کی بدولت یہاں کے عوامی شعور اور سماجی زندگی میں مذہب انتہائی فعّال اور مؤثر عامل کی حیثیت سے جاذب ہوگیا ہے۔ عالمِ اسلام میں سب سے زیادہ اسی خطّے کے عوام میں مذہبی رجحان اور دینی ذوق نفوذ پذیر ہے۔ لوگوں میں دین سیکھنے، دینی مسائل کا زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے اور زندگی کے شخصی دائرے میں فقہی مسائل پر عمل کرنے کا بے پناہ جذبہ و شوق پایا جاتا ہے اسی بنا پر یہاں شرعی مسائل کے استفسار، استفتاء اور افتاء کا بہت زیادہ رواج رہا ہے، پھر برِصغیر میں صوفیاءِ کرام اور خود حضرتِ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بھی عوام کی مذہبی تعلیم و تربیت، معاشرتی اصلاح اور دینی ذوق و رجحان کی پرورش کے لئے جو اسلوب و منہاج اختیار کیا وہ ملفوظات، مکتوبات اور اسی نوع کے دیگر عملی ذرائع پر مبنی تھا جن میں لوگوں کی براہِ راست مشارکت اور باہمی دوطرفہ عملی رابطہ کا عنصر غالب ہے اس لئے بھی یہاں دینی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت میں عملی اسلوب زیادہ مؤثر طور پر رائج ہوا یہی وجہ ہے کہ برِصغیر میں فقہ و شریعت کے حوالے سے جتنا بھی علمی، فکری اور تحقیقی کام ہوا اس کا غالب حصہ فتاوٰی ہی کی صورت میں ہے۔



برِصغیر میں صدیوں پر محیط فقہی کتب و تالیفات کے ذخیرے پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں سب سے زیادہ فقہی کتابیں "فتاوٰی" کی صورت میں لکھی گئیں، دراصل یہاں کے ہر خطّے اور ہر طبقے کے لوگوں میں مذہبی زندگی کو سمجھنے اور برتنے کے لئے مفتیانِ دین سے رجوع اور شرعی مسائل کے بارے میں استفسار کا رجحان اِس قدر شدّت اور گہرائی کا حامل تھا کہ کوئی علمی شخصیت، کوئی فکری و اصلاحی کام اور کوئی تعلیمی و تربیتی ادارہ افتاء کے بغیر صحیح طور پر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ لوگوں میں دین کے نفوذ، شریعت کی ترویج اور فقہی مسائل کی تعلیم کا بہترین اور مؤثر ترین طریقہ افتاء ہی کا تھا اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شہنشاہِ ہندوستان اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ نے جب یہاں شریعت نافذ کرنے کے لئے علمی و فقہی کام کا



بیڑا اٹھایا تو یہاں کے ماحول، عوامی رجحان اور عصری ضروریات کے پیشِ نظر انہیں تدوینِ فقہ کی فتاویٰ سے بہتر کوئی صورت نظر نہ آئی چنانچہ تاریخ اسلام میں حکومتی سطح پر نفاذِ شریعت کے لئے اس وقت تک علمی و فکری اعتبار سے سب سے آخری، سب سے جامع اور سب سے مؤثر کام جو ملتا ہے وہ فتاوٰے عالمگیری کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ اِس سے ہم برِصغیر پاک و ہند میں فتاویٰ کی اہمیت و افادیت، تدریج و تسلسل اور نفوذ و تاثیر کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اِفتار، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ایک مسلسل متحرک اور تدریجی ارتقائی عمل ہے، یہ فقہی مسائل و احکام کو ہر عصر و عہد کی تمدّنی ضروریات سے ہم آہنگ کرنے اور ہر دور کے جدید معاشرتی مسائل کا شرعی حل دریافت کرنے کی سعی و کاوش سے عبارت ہے اس لئے فتوٰے کا عمل کبھی رک نہیں سکتا، اسے ہمیشہ آگے بڑھنا اور پھیلنا ہے، فتوٰے کا جمود مذہبی زندگی کی موت ہے اور فتوٰے کا تسلسل قانون کا ارتقار ہے۔ فتوٰے کے بغیر عوام میں مذہبی رجحان اور دینی ذوق کی پرورش ممکن نہیں۔ فتوٰے ہی سے مذہب کی تعلیم عوامی سطح پر فروغ پاتی ہے، فتوٰے ہی کے ذریعہ معاشرہ پہ مذہب اور روحانیت کی گرفت محکم رہتی ہے، فتوٰے ہی سے لوگوں کے حقوق و فرائض اور معاشرتی عدل و توازن میں نکھار آتا ہے، فتویٰ ہی سے حکمرانوں کا احتساب اور شرعی قانون کا استحکام عمل میں آتا ہے۔ غرض فتوٰے ہی اسلامی زندگی کے تسلسل، مذہبی تعلیم کے فروغ اور سماج کے تہذیبی ارتقار کا ضامن ہے اس لئے قیامِ پاکستان کے بعد اس مملکتِ خداداد میں دیگر اسلامی اداروں اور شرعی علوم و فنون کی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر اور زیادہ قوت کے ساتھ ادارۂ افتار کو منظم اور فعّال بنانے کی ضرورت تھی اور مقامِ شکر ہے کہ علمائے حق اور دینی اداروں نے اس ملّی فریضہ سے عہدبرآ ہونے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

فتاوٰی نوریہ

پاکستان میں عوام کی مذہبی رہنمائی اور افتار کی عظیم فکری و سماجی ذمہ داری سے عہدبرآ ہونے والے نفوسِ عالیہ میں حضرت مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی ذاتِ گرامی نمایاں شرف و امتیاز کی حامل ہے۔

آپ کے سوانح حیات، سیرت و کردار، اطوار و عادات اور فضائل و کمالات کے بارے میں آپ کے ہمعصر اکابرین اور برگزیدہ شخصیات کی واضح شہادتیں فتاوٰے نوریہ کے تعارفی صفحات میں محفوظ ہیں۔

اِس عاجز کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ سے ملاقات کا شرف تو حاصل نہیں لیکن چھ ضخیم جلدوں پر پھیلے ہوئے قریباً تین ہزار سے زائد فتاوٰے کے آئینے میں ان کی شخصیت کے خدوخال ضرور دیکھے ہیں۔ تحریر میں انسان کا علم ہی نہیں سیرت بھی جھلکتی ہے، فکر و تحقیق مجرد دماغ سوزی نہیں، صاحب تحقیق کے شخصی کردار اور سماجی رویوں کا مظہر بھی ہوتی ہے۔ کتاب انسان کے نظریۂ علم اور طرزِ عمل کا عکس پیش کرتی ہے۔ اِس اعتبار سے فتاوٰے نوریہ کے الفاظ و معانی خود صاحبِ فتاوٰی کی شخصی عظمت، علمی رفعت اور سماجی خدمت کی غمازی کرتے ہیں۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو فتاوٰے نوریہ کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کی شخصیت کا پورا پیکر اجاگر کرنے کی تمنا تھی، بہر آئینہ حضرت کی شخصی وجاہت، علمی جلالت، روحانی عظمت اور ملی خدمت کے تذکرے سے قطع نظر یہاں صرف ان کے فتاوٰے کی فنی حیثیت اور دینی قدر و قیمت کے حوالے سے ایک عمومی اور اجمالی وضاحت پہ اکتفا درکار ہے۔



فتوٰی نویسی بالذات ایک الگ عمل ہے اور بلاشبہ بہت عظیم اور نازک کام ہے لیکن فتوٰے نویسی کے ذریعہ افتاء کے بند راستے کھولنا اور ان راہوں پر جادہ پیمائی کے معیار وضع کرنا ایک بالکل منفرد اور جداگانہ کام ہے اور ہمارے ممدوح حضرت مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی صاحب رحمۃ اللہ نے بھی مؤخر الذکر کارنامہ انجام دیا ہے۔ آپ نے مجرد فتوٰے نویسی نہیں کی بلکہ افتاء و اجتہاد کی سنگلاخ وادیوں میں جدید تمدنی مسائل کے حل کی خاطر فکر و تدبر کی نئی راہیں ہموار کیں، ایک ایسے دور میں جبکہ ابھی مغربی استعمار کے استبدادی چنگل سے رہائی پاتے، مسلمانوں کو زیادہ عرصہ نہیں بیتا تھا اور ہنوز دینی مسائل اور شرعی احکام کے بارے میں گفتگو کے لئے اعتماد و استحکام کی خاص فضاء درکار تھی



اور اسی لئے عام طور سے علماء کرام شدتِ احتیاط کے باعث جدید مسائل پر غور و خوض اور بحث و تحقیق سے جھجکتے تھے۔ ایسے میں حضرت مفتی صاحب نے پوری قوت، حوصلے، عزم و اعتماد اور جوش و ولولے کے ساتھ جدید فقہی مسائل پر گفتگو کو اپنا شعار بنایا۔ استنباطِ مسائل میں اختلاف رائے کی گنجائش سے قطع نظر یہ جرأت لائقِ تحسین اور یہ اقدام قابلِ تقلید ہے۔ آپ نے اجتہادِ جزئی اور استنباطِ عملی کے جدید امکانات کی نشاندہی کی، فقہی ارتقاء کی نئی سمتیں متعین کیں۔ تخلیقی فکر کی اٹھان اور علمی تجدید و احیاء کے لئے فضاء ساز گار بنانے کی جدوجہد کی۔

قیامِ پاکستان کے بعد اس مملکتِ خداداد میں دینی اقدار کے احیاء، اسلامی تہذیب کی بازیافت اور جدت و روایت کے حسنِ امتزاج سے ایک نئے سماجی نظام کی تشکیل کے لئے علمی تحقیق، فقہی استنباط اور عوامی اصلاح و رہنمائی کا جو عظیم کام اس ملت کو درپیش تھا اسے انجام دینے میں حضرت مفتی محمد نور اللہ صاحب نے فتاویٰ کے ذریعہ اپنا بھرپور حصہ ادا کیا۔ آپ نے افتاء کے خالص فقہی و قانونی ادارے کو دعوت و تبلیغ، انذار و تبشیر، نصیحت و تذکیر، انکارِ منکر و اثباتِ حق، عدل و انصاف، سماجی استحکام، تقویٰ و پارسائی، حزم و احتیاط، یسر و سماحت اور معاشرتی اصلاح کی تحریک بنا دیا۔



آپ کے فتاویٰ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی یہ بات پوری طرح واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ فتویٰ نویسی کے ذریعہ شعوری طور پر تعمیرِ ملت اور اصلاحِ معاشرہ کا ٹھوس عملی کام انجام دینا چاہتے ہیں اور اس ضمن میں آپ کی شدید حساسیت بعض مواقع پر مذہبی شعور کو جذباتی آہنگ سے ہمکنار کر دیتی ہے یہاں تک کہ ایسے مواقع پر آپ افتاء کی مجرد تکنیکی حدود سے نکل کر کبھی تو مصلح کا روپ دھار لیتے ہیں اور کبھی قضاء کی خالص تعزیری زبان میں کلام کرنے لگتے ہیں۔ یہ رویہ دراصل آپ کے ثقافتی شعور کی بلند تر سطح سے تعلق رکھتا ہے اور بہت کم فتویٰ نگاروں کو نصیب ہوتا ہے چنانچہ نکاح و طلاق کے خالص فنی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے عائلی زندگی کے استحکام کی تدابیر پیشِ نظر رکھنا، بیع و شراء کے احکام میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کی



پاسداری کی تلقین کرنا، عبادات کے بیان میں حقوق العباد کا تذکرہ، غلط کار شخص اور جاہل مفتی کے لئے تعزیر کا فیصلہ، سود کے ضمن میں دشمنانِ اسلام انگریزوں کے تشخص پر ضرب لگانا یہ اور اس طرح کی بے شمار باتیں حضرت مفتی صاحب کے اسی بے پناہ ملی درد، شدید دینی احساس اور اعلیٰ ثقافتی شعور کی غماز ہیں۔

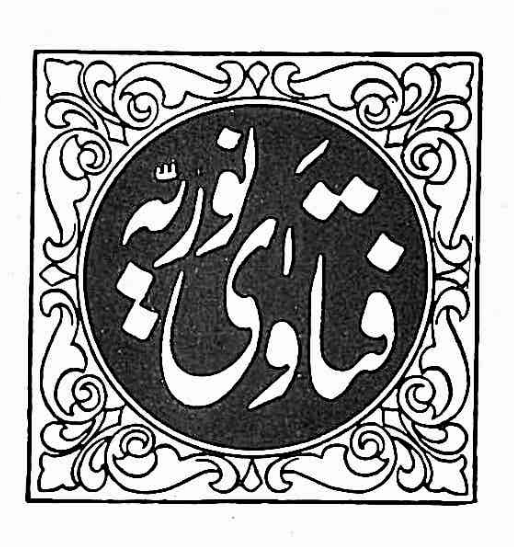
حضرت مفتی محمد نور اللہ نعیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کی ایک اور بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ آپ اپنی فکری تحقیق کو نہ صرف قرآن و سنت کی محکم نصوص، ائمہ دین اور فقہاء کرام کی تصریحات اور ٹھوس عقلی دلائل کی روشنی میں پیش کرتے ہیں بلکہ حسب ضرورت فقہی احکام کی سماجی مصلحتیں، شرعی علتیں اور تکوینی حکمتیں بھی اجاگر کرتے ہیں پھر مزید برآں یہ کہ فقہی مسائل کو اصولی دلائل، کلی قواعد اور عقلی ضوابط کے آئینے میں بھی نمایاں کرتے چلے جاتے ہیں، جزئیات کا استنباط قواعد و کلیات کی روشنی میں اور اصول و ضوابط کی نت نئی تفریعات کا استخراج ایک خاص فقیہانہ شان سے آپ کے فتاوے میں ملتا ہے۔



الغرض فتاویٰ نوریہ اسلام کے فقہی و قانونی سرمائے کا ایک عظیم دائرہ معارف بن گیا ہے۔ یہ محض ایک فتاوے نہیں، جدید فتوٰے نویسی کا محکم جادہ ہے۔ یہ علم و فکر کا ایک تخلیقی دھارا ہے۔ اِس میں قدیم فقہی احکام کا بیان ہے تو نصوص و تصریحات سے ہم آہنگ، جدید تمدنی مسائل کا حل ہے تو عقل و نقل کے محکم دلائل سے ہم آہنگ، اس میں خالص شرعی ضوابط کا تذکرہ ہے تو اعلیٰ سماجی شعور سے آراستہ، قانونی نظریات کا بیان ہے تو عمل کی تلقین کے جلو میں۔ ان کے ہاں عبادات حسنِ معاشرت سے پیوستہ اور حقوق اللہ حقوق العباد سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ ان کا فتوٰے ایمان کی کوکھ سے جنم لیتا، اخلاق کی آغوش میں پروان چڑھتا اور عمل کے پیکر میں ڈھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور یہیں سے مستقبل میں اسلامی فتاویٰ کی درخشندہ روایات ابھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔




فتاویٰ نوریہ

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

(متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔


طلاق



اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ

اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ ۔۔۔۔۔ فَاِنْ

طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ (البقرہ)

طلاق (رجعی) دو بار ہے پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ۔۔۔۔ پھر اگر اسے تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس کیلیے حلال نہیں یہاں تک کہ کسی اور خاوند کے ساتھ نکاح کر لے۔



اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ الطَّلَاقُ

—— الحدیث

حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے

ناپسندیدہ طلاق ہے



تعارف

طلاق کا مادہ "طلق" ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے کھل جانا' رہا ہو جانا--- اسی لئے چلنے کو "انطلاق" تیز زبانی کو "طلاقت لسان" اور بے قید چیز کو "مطلق" کہتے ہیں۔ چونکہ طلاق کے ذریعے عورت مرد کی قید نکاح سے آزاد ہو جاتی ہے اس لئے شریعت میں اسے طلاق کہا جاتا ہے۔ علامہ راغب اصفہانی المفردات فی غرائب القرآن میں فرماتے ہیں **"فھی طالق ای مخلات عن حبالتہا النکاح"** یعنی عورت نکاح کے بندھن سے رہا ہو گئی۔



اسلام کے قوانین مبنی بر مصلحت اور فطرت کے عین مطابق ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عرب کا دستور یہ تھا کہ مرد جب اور جتنی بار چاہے طلاق دے اور پھر اپنی مرضی کے مطابق رجوع کر لے۔ اس کے برعکس ہندوؤں اور یہود و نصاریٰ کے قوانین ہیں کہ ایک بار نکاح کی زنجیر میں جکڑ دیئے جانے کے بعد حالات کیسے ہی ناگفتہ بہ کیوں نہ ہو جائیں خلاصی کی کوئی صورت نہیں۔ مگر اسلام کا قانون طلاق اپنے اندر میانہ روی لئے ہوئے ہے' افراط و تفریط سے پاک ہے۔

شریعت میں طلاق کا حق مرد کو تفویض کیا گیا ہے کیونکہ مرد فطری طور پر مدبر' دوراندیش اور جذبات سے مغلوب ہو جانے کے بجائے عورت کی بہ نسبت عقل و ہوش سے زیادہ کام لینے والا ہوتا ہے۔ نیز ازدواجی زندگی کا تمام بوجھ اسی کے کاندھوں پر رکھا گیا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں مرد کے بارے میں **"الذی بیدہ عقدۃ النکاح"** فرما کر اس امر کی صراحت کر دی گئی ہے۔

بنیادی طور پر طلاق کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ طلاق رجعی ۲۔ طلاق بائن ۳۔ طلاق مغلظہ۔

طلاق کے وقوع کی متعدد متنوع صورتیں ہیں' جنہیں فقہاء کرام نے کئی ابواب میں الگ الگ بیان کیا ہے۔ اسی فقہی ترتیب کو مدنظر رکھتے ہوئے درج ذیل ابواب "کتاب الطلاق" میں شامل کئے جا رہے ہیں:



۱- باب طلاق الصبی (بچے کی طلاق)
۲- باب طلاق المجنون والمغمی علیہ (پاگل ومدہوش کی طلاق)
۳- باب الطلاق فی الغضب (غصے کی حالت میں طلاق)
۴- باب طلاق الحوامل (حاملہ عورتوں کو طلاق)
۵- باب طلاق المکرہ (شخص مجبور کی طلاق)
۶- باب کتابتہ الطلاق (تحریری طلاق)
۷- باب الفاظ الطلاق (الفاظ طلاق کی تفصیل)
۸- باب الطلاق بالشرط (معلق ومشروط طلاق)
۹- باب الحلالہ (تین طلاقوں کے بعد حلت کی صورت)
۱۰- باب تفریق القاضی
۱۱- باب الظہار (عورت کو ماں، بہن یا دیگر محرمات سے تشبیہ دینا)
۱۲- باب العدۃ

مجموعی طور پر "کتاب الطلاق" میں ایک سو چوبیس استفتاءات درج ہیں جو سینکڑوں جزئیات پر محتوی ہیں۔

(مرتب)

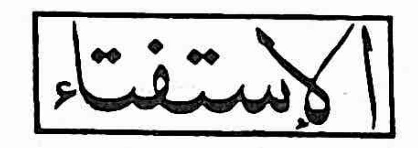
---OO---




بچّے کی طلاق

کتاب الطلاق

باب طلاق الصبی





کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس میں کہ بالغ ہونے لڑکے کے کیا اسباب ہیں اور غیر بالغ کی طلاق واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا



۱- لڑکے کا بالغ ہونا اس سے ہے کہ اسے احتلام آئے یا انزال ہو جائے یا اس سے حمل ہو جائے اور ان میں سے کچھ بھی نہ ہو تو جب اس کی عمر پورے پندرہ سال

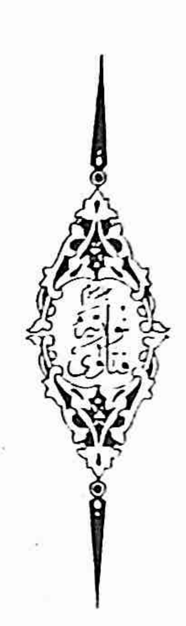


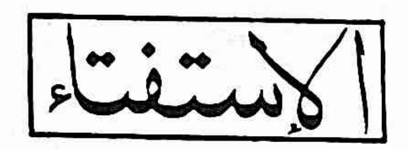
ہوجائے، بالغ ہوجائے گا، درالمختار میں ہے (بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال) والاصل هو الانزال الی ان قال فان لم یوجد فیهما شیئ فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی لقصر اعمار اهل زماننا۔

۲۔ غیر بالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی، فتاوی عالمگیریں میں ہے ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه واٰله وصحبه وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی الحنفی القادری نورہ ربہ القوی
۱۵ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ





الاستفتاء

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

چہ فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص مسمّٰی اللہ بخش سے جو کہ عمر اس کی چودہ برس کی ہے اور کوئی نشان بلوغت کا اس میں نہیں پایا جاتا، دیکھنے میں بھی نابالغ ہے، کسی جھگڑا وغیرہ کی نسبت اس سے طلاق حاصل کی جاتی ہے اور ذمہ دار اس کا تحریر میں والد اس کا مسمّٰی اکبر علی ہوتا ہے کہ جب یہ لڑکا بالغ ہوگا تو طلاق دلوائی جائے گی اور رجسٹر طلاق نامہ پر ذمہ دار ہونے کا انگوٹھا بھی ثبت کرتا ہے، اب لڑکی مذکورہ مطلقہ نابالغ کے وارث بلا طلاق حاصل کرنے کے دوسری جگہ شادی کرنا چاہتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

السائل: فقیر عبدالرحمٰن از حویلی بقلم خود، مورخہ ۴ رمضان شریف ۱۳۶۳ھ





جبکہ طلاق دہندہ بوقتِ طلاق نابالغ تھا تو وہ طلاق ہرگز ہرگز واقع نہیں ہوئی، مبسوط امام شمس الدین سرخسی علیہ الرحمہ ج ۶ ص ۵۳، فتاویٰ خیریہ ج ۱ ص ۵۵، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴۸ والمنظم من المبسوط ولا یکون طلاق الصبی طلاقا اور جب طلاق واقع نہ ہوئی تو دوسری جگہ طلاقِ صحیح کے بغیر نکاح کر دینا حرام اور محض حرام ہے، قرآنِ کریم کا صریح ارشاد ہے والمحصنات من النساء اہلِ اسلام پر ازحد لازمی کہ ایسے شنیع افعال وحرکات سے پرہیز کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ الحنفی القادری النعیمی نورہ ربہ ونصرہ علیٰ کل غبی وغوی

۴ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ



ایک سال کی ایک لڑکی کا نکاح ۴ سالہ لڑکے کے ساتھ کیا گیا، اب لڑکی کی عمر ۵ سال ہے اور لڑکے کی عمر آٹھ سال ہے:

۱۔ اس عمر میں اگر لڑکا طلاق دیدے تو کیا طلاق وارد ہو جائے گی؟

۲۔ اگر طلاق وارد نہیں ہوسکتی تو نکاح کیسے وارد ہوسکتا ہے؟
جواب کتاب وسنت کی روشنی میں مطلوب ہے۔
السائل: سید حسین شاہ از لعیر لوپہ





ا۔ طلاق وارد نہیں ہوگی کہ حدیث شریف میں وارد ہے رفع القلم عن ثلٰثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الصغیر حتی یکبر وعن المجنون حتی یعقل او یفیق (رواہ ابن ماجۃ ص ۱۴۸) عن سیدتنا عائشۃ، والبیہقی ج ۷ ص ۳۵۹ عن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما یعنی تین شخص مرفوع القلم ہیں، سوتا ہوا جاگنے تک اور چھوٹا بڑے ہونے تک اور دیوانہ عقلمند ہونے تک۔

ب۔ قرآنِ کریم کا ارشادِ مبین ہے والٰئی لم یحضن (پ ۲۸ ع ۱۷) اور عدت فرع نکاح اور وجودِ فرع بدونِ اصل غیر متصور، تو ثابت ہوا کہ صغیرہ کا نکاح ہوسکتا ہے اور ایسے ہی سیدتنا ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نکاح صغر سنی میں تواتر سے ثابت ہے، تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ ولی صغیر وصغیرہ کا نکاح کرسکتا ہے اور اس پر ائمہ اربعہ وغیرہم فقہاء علیہم الرحمہ کا اتفاق واطباق ہے اور طلاق کا اہل خود صغیر تو ہے نہیں جیسے نکاح میں اور ولی کو بھی حق نہیں کہ قرآنِ کریم کا فرمانِ مبین ہے الذی بیدہ عقدۃ النکاح یعنی نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے تو ولی کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ حدیث شریف میں ہے لاطلاق لمن لم یملک رواہ البیہقی



ج ۷ ص ۳۱۹ والنظم لہ والحاکم فی مستدرکہ ج ۲ ص ۲۰۴ وابن ماجۃ ص ۱۴۸ وابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۸ والترمذی ج ۱ ص ۱۴۱ فی سننہم یعنی طلاق وہ نہیں دے سکتا جو مالک نہ ہو، نیز حدیث شریف میں وارد کہ انما الطلاق لمن اخذ بالساق رواہ ابن ماجۃ ص ۱۵۲ والنظم لہ والبیہقی ج ۷ ص ۳۶ یعنی طلاق وہی دے سکتا ہے جو مجامعت کا حقدار ہے یعنی شوہر حضرت سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لا یجوز علی الغلام طلاق حتی یحتلم، نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۲۲ یعنی لڑکے کی بیوی پر طلاق نہیں جب تک بالغ نہ ہو اور یہیں سے ثابت کہ نکاح ہو جاتا ہے اور اس میں حکمت یہ کہ نکاح نفع ہے اور طلاق ضرر، لہذا رحمتِ کاملہ کا تقاضا ہے کہ ولی نفع کا ولی ہے اور ضرر کا نہیں اور خود بچہ بھی اہل نہیں کہ نفع وضرر نہیں پہچان سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ محرم الحرام ۶۶ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۱۲ یا ۱۳ سال کا لڑکا نابالغ طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟

السائل: محمد سلیمان بقلم خود



شرعاً نابالغ طلاق نہیں دے سکتا، خلاصۃ الفتاوی میں ہے ان الصبی والمجنون اذا طلق امرأتہ لا یقع الطلاق، فتاوی عالمگیری میں ہے ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل، درالمختار میں ہے ولو مراھقا وقررہ الشیخ السید ابن عابدین فی شرحہ۔

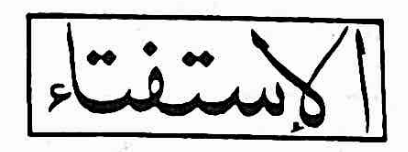
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

الجواب صحیح والمجیب مصیب

زبیر احمد بیدہ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں، ایک لڑکا جس کی عمر ۱۳/۱۲ سال کی ہے اور اس کی بیوی کی عمر ۱۱/۱۰ سال کی ہے، ان کا آپس میں نکاح تھا، اب تین مہینے گذر چکے ہیں، ان کے وارثوں نے یعنی ماں باپ نے طلاق دلوادی تھی، اب وہ دونوں فریق رضامند ہوکر اسی لڑکے کا اسی زوجہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو بتاؤ یہ نکاح کرنا جائز ہے یا کہ نہیں ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا کفارہ دینا

پڑتا ہے؟

السائل: مولوی نور احمد بقلم خود، چک ۵ ساٹے والا

استدراک

درج بالا استفتاء پر حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے مندرجہ ذیل نوٹ تحریر کر کے سائل سے وضاحت طلب کی!

(نوٹ) اندراج سوال یہ بھی کریں کہ وہ لڑکا لڑکی بالغ ہیں یا نہیں؟ آپس میں میل جول زن وشوئی یعنی قربت کر چکے ہیں یا نہیں؟ طلاق ایک یا دو یا تین ہیں؟

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ۹ ارشوال المکرم ۶۸ھ



○

کاتب بیچارہ غالباً اپنی بے بضاعتی کے سبب تکمیل سوال نہ کر سکا اور سائلوں کو دوبارہ بھیج دیا کہ زبانی بیان کریں، لڑکے کے باپ قائم نے قسمیہ بیان دیا کہ لڑکے کی عمر تیرہ سال سے زائد نہیں اور نہ ہی اس نے اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت اور خلوت کی اور نہ ہی بالغ ہے اور مسمیٰ سوجا براہیں نے بھی تصدیق پر زور کی اور لڑکا بھی اپنے عدم بلوغ کا بیان دیتا ہے اور آثار سے بھی نابالغ ہی معلوم ہوتا ہے۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



اگر بیان سائل صحیح اور واقعی ہے تو طلاق واقع ہی نہیں ہوئی کہ صبی اہل طلاق نہیں، اگرچہ مراہق ہو کما فی عامۃ اسفار المذهب المهذب



اور جب طلاق ہی نہیں تو نکاح جدید کی کیا ضرورت کہ پہلا نکاح بدستور باقی وثابت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم (والعہدۃ علی السائل)

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۰ شوال المکرم ۱۳۶۹ھ





کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ نابالغ کی طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں؟

السائل: مولوی غلام حسین صاحب چک ۱۸ ون آر تحصیل اوکاڑہ

۲۳ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۸ھ



نابالغ کی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی، مبسوط ج ۶ ص ۵۳، قدوری ص ۱۴۴، ہدایہ ج ۲ ص ۳۳۸، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۳، کفایہ ج ۳ ص ۳۴۳، عنایہ ج ۳ ص ۳۴۳، بدائع الصنائع ج ۳ ص ۹۹، کنز الدقائق ص ۱۱۱، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۴۹، فتاویٰ امام غزی ص ۴۵، وقایہ مع شرح الوقایہ ج ۲ ص ۷۱، در المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۵۸۶، خلاصۃ



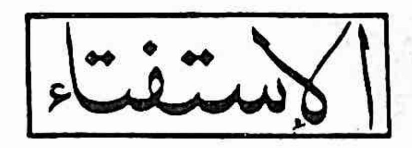
الفتاوی ج ۲ ص ۷۵، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۴۸ میں ہے والنظم من الهندية
ولا يقع طلاق الصبي وان كان يعقل۔

حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۸ ، ابن ماجہ ص ۱۴۸ ، ترمذی ج ا ص ۱۷۰ ، بیہقی ج ۷ ص ۳۵۹ مرفوعًا مسندًا بخاری ج ۲ ص ۷۹۴ تعلیقاً بصیغۃ الجزم بترتیب متغایر و کلمات متقاربہ راوی کہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رفع القلم عن ثلاث عن الصبي حتى يبلغ الحديث یعنی بچے سے بالغ ہونے تک قلم اٹھائی گئی ہے، تو اس حدیث شریف سے اس وشمس کی طرح واضح ہوا کہ نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوسکتی كما استدل به الائمة الكرام على عدم وقوع طلاق الصبي۔

والله تعالى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم وصلى الله تعالى على حبيبه وآله وصحبه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۲ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۸ھ





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک عورت مطلقہ غیر مدخولہ کا خاوند نابالغ طلاق دیتا ہے اور وارث نابالغ کے عند الطلاق موجود اور رضامند ہیں، ایسی غیر مدخولہ مطلقہ کی عدت ہے یا نہیں؟ بعد طلاق فوراً نکاح ہوسکتا ہے

سه هذا القيد مصرح به في الفتح والدر والغنية ايضاً ۱۲ النور غفرله



یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

عند الفقیر مطلقہ غیر مدخولہ کا نکاح بعد طلاق فوراً ہو سکتا ہے، اس کی کوئی عدت نہیں، یہ مسئلہ کتب فقہیہ میں بیانِ عدت میں ہر جگہ موجود ہے۔

السائل: چراغ علی شاہ از ڈھپی کلاں



کتبِ مذہبِ مہذب حنفیہ میں متوناً و شروحاً و فتاویٰ مصرح و مشرح ہے کہ زوج صبی کی طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ عاقل و مراہق ہو، تنویر الابصار، در المختار تحریراً رد المحتار میں تقریراً ہے (والصبی) ولو مراھقا، فتاویٰ عالمگیر میں ہے ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل وکذا فی غیرھا من الاسفار اور جب طلاق ہی نہیں تو نکاح پر نکاح کیسے جائز ہو سکے، خود عندیہ ذیلِ سوال تصریح کر رہا ہے کہ مطلقہ غیر مدخولہ کے لئے عدت نہیں اگرچہ یہ اطلاق غیر مدخولہ صحیح نہیں کہ تقیید غیر مخلیہ ضروری ہے کما فی عامۃ اسفار المذھب المھذب مگر بعد تقیید بھی یہ حکم مطلقہ کا ہے، پس امس و شمس کی طرح واضح و لائح ہوا کہ اس صورت میں نکاح جائز نہیں مگر زوج بعد البلوغ طلاق دے یا فوت ہو جائے اور عدت بھی پوری ہو جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و نورہ الانور وآلہ الاغر وصحبہ الدرر الغرر وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۰ صفر ۱۳۷۰ھ





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ ایک لڑکے نے جس کی عمر پندرہ سال اور دو ماہ ہوچکی تھی بغیر جبر واکراہ کے اپنی عورت کو تین طلاقیں زبانی دے کر تحریر پر انگوٹھا لگا دیا، طلاق نویس نے مزید احتیاط کے لئے یہ سمجھ کر کہ ۱۸ سال سے کم نابالغ ہوتا ہے، اس کے والد کا انگوٹھا بھی لگوا لیا اور لکھ دیا کہ چونکہ لڑکا نابالغ ہے اس لئے اس کے باپ کا انگوٹھا بھی لگوالیا ہے تاکہ سند رہے، کیا وہ طلاق شرعاً ہوچکی یا نہیں؟ بینوا ماجورین من رب العلمین۔

السائل: اللہ بخش ولد جمال دین سکنہ جمال کوٹ ٹھکر کا

گواہ شد محمد صادق شاہ از حکومت گواہ شد جمال دین ولد ماچھی حصہ دار اوتاڑ بھنڈال

(دستخط) نشان انگوٹھا



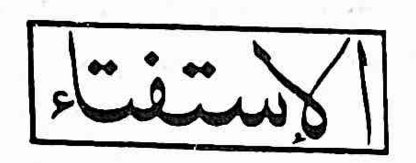


اگر یہ صحیح ہے کہ لڑکے کی عمر پورے پندرہ سال گذر چکی، پھر اس نے طلاق دی تو وہ طلاق ہوچکی کہ مفتی بہ یہی ہے کہ پندرہ سال کا لڑکا عمر سے شرعاً بالغ ہوجاتا ہے اگرچہ انزال واحبال نہ ہوا ہو اور طلاق نویس کی غلط فہمی سے لفظِ نابالغ کا لکھا جانا معتبر نہیں جبکہ اس کی عمر پندرہ سال ہوچکی ہو بوقتِ طلاق، فتاویٰ عالمگیر ج ۳ ص ۶۰۲،

در المختار، رد المحتار ج ۵ ص ۱۳۲ والنظم من الدر وتنویرہ، فان لم یوجد فیهما شیئ فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة بہ یفتی لقصر اعمار اهل زماننا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ لڑکی کے لئے شرعًا وہ کتنی عمر ہے کہ جب اس کو پہنچ جائے تو بلوغ کا حکم لگایا جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔



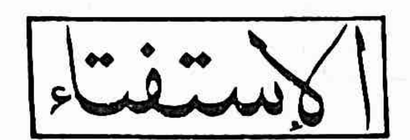
لڑکا اور لڑکی جب پورے پندرہ سال کے ہو جائیں تو فتویٰ اس پہ ہے کہ وہ بالغ ہو گئے، فتاویٰ عالمگیر ج ۳ ص ۶۰۲، در المختار علی الشامی ج ۵ ص ۱۳۲ میں ہے والنظم من الدر فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة بہ یفتی الخ۔



واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۱/۱۰/۵۳



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ کتنی عمر کا لڑکا طلاق دے سکتا ہے یا عند الشرع کتنی سمجھ کا ہو کہ جس کی طلاق ہو جاتی ہے؟ عند الشرع تحریر فرمادیں، بینوا توجروا۔

السائل: ولی محمد





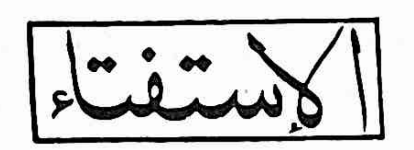
حضرتِ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جمہور ائمہ دینِ متین کے مذہب میں لڑکے کی طلاق واقع نہیں ہوتی، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۳۴۸ میں ہے ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل یعنی لڑکے کی طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ عقلمند ہو، ہاں ہر عاقل بالغ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی میں ہے یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا عاقلا۔



واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

(نوٹ) بلوغ، احتلام یا انزال منی سے ثابت ہو جاتا ہے اور اگر پورے پندرہ سال کا ہو جائے تو پھر بھی لڑکا لڑکی بالغ ہو جاتے ہیں مفتی بہ قول پر اگرچہ احتلام و انزال کچھ بھی نہ ہو کما فی الدر المختار والشامی وغیرہ۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں مسمی محمد رمضان ولد عارف قوم قریشی امام مسجد چک ۶/۷۔ ایل کھیم کوٹ ضلع منٹگمری نے اپنی لڑکی مسماۃ مریم بی بی عمر تقریباً ۶، ۷ سال نابالغہ کا نکاح عام مجلس روبرو گواہاں کے مسمی عبد الرشید ولد محمد حنیف قوم بھٹی عمر تقریباً ۹ سال نابالغ کے ساتھ کر دیا، رجسٹر میں بھی درج ہے لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔ ڈیڑھ سال کے بعد لڑکی اور لڑکے کے والدین میں کسی وجہ سے ناراضگی پڑ گئی تو مریم بی بی کے باپ نے مریم بی بی کا طلاق نامہ عبد الرشید کے باپ سے چاہا تو باپ نے عبد الرشید نابالغ سے طلاق نامہ دلوا دیا، آیا کہ شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نابالغ عبد الرشید کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو گئی یا کہ نکاح باقی رہا؟ آیات قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ حنفیہ سے ثبوت مدلل جواب فرماویں فقط

بمعرفت مولانا محمد حسن محب حضور







تقریباً ساڑھے دس سالہ نابالغ عبدالرشید شرعاً اہلِ ایقاعِ طلاق نہیں، آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ شریفہ کی روشنی میں ہی ائمۂ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے لہذا اسکی دی ہوئی طلاق شرعاً طلاق نہیں کما فی عامة المعتبرات متونا وشروحا وفتاویٰ ہاں اگر واقعی مسمی محمد رمضان نسبِ عالی قریش سے ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قریش بیٹیوں کو اپنی رضا و رغبت سے رشتے دیدیا کرتے ہیں اور عار محسوس نہیں کرتے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور مسمی محمد رمضان کا یہ رشتہ دینا پہلے سے لوگوں کو معلوم تھا اور برادری وغیرہ میں اس کا ایسا برا انتخاب مشہور تھا تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں کہ باپ کی ولایت پیار پر مبنی ہے خصوصاً جبکہ ایسی صورتوں میں روپیہ وغیرہ کا لالچ وغیرہ بھی ہوتا ہی ہے، بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۴۵ میں ہے والاضرار لایدخل تحت ولایة الولی۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۹۴، کفایہ ج ۳ ص ۱۹۵، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۳۵، فتاویٰ غزی ص ۲۵، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۵، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۴۱۸، منحة الخالق علی البحر الرائق عن النہر الفائق وشرح المجمع لابن مالک ج ۳ ص ۱۳۵، در المنتقی فی شرح الملتقی ج ۱ ص ۳۳۵، شلبیہ علی التبیین ج ۲ ص ۱۳۱ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم لابن مالک لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز عقده اتفاقا نیز شامی میں ہے والحاصل ان المانع هو کون الاب مشهورا بسوء الاختیار قبل العقد اور جب نکاح نہ ہوا ہو تو طلاق کی ضرورت ہی نہیں، ہاں اگر



اس کا بہ بُرا انتخاب اور لالچ یا اس سے قبل کسی اور لڑکی کے حق میں ایسی حرکتیں اس عقد سے پہلے مشہور نہ ہوں تو نکاح ہو گیا (بشرطیکہ نشہ میں نہ ہوا ور عاقل ہو) مگر بہ طلاقِ نابالغ واقع نہیں ہوئی لہذا اس صورت میں نکاح حسبِ سابق باقی رہا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ لڑکا عمر تیرہ ۱۳ سال یا چودہ ۱۴ سال ہے جس کا نکاح بطور شریعت عرصہ تقریباً پانچ سال کا ہوا، نکاح کیا گیا تھا، اب لڑکی کی عمر ۱۸ سال کی ہے باقائمی ہوش وحواس لڑکا بمع اپنی مائی باپ کی مرضی کے لڑکی کو طلاق دینا چاہتا ہے، لڑکی اور لڑکے کے والدین بھی اس طلاق پر رضامند ہیں، مگر نکاح لڑکے اور لڑکی کا ہوا تھا رخصتی نہیں ہوئی، لڑکا لڑکی سے اتنی نفرت کرتا ہے کہ ایک دفعہ لڑکی ملنے کے لئے لڑکے کے والدین کے پاس آئی تو لڑکا روٹی کھا رہا تھا فوراً روٹی چھوڑ کر چلا گیا اور کہنے لگا کہ یہ میرے اوپر حرام ہے، میں نہیں لینا چاہتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لڑکے کی عمر کم ہے یعنی سنِ بلوغت کو نہیں پہنچا، ہر دو فریق خود اور ان کے والدین کا بھی یہی ارادہ ہے کہ طلاق ہو جائے۔

آپ مہربانی فرما کر بوالیسی ڈاک جواب دیدیں کہ اتنی عمر میں طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟

لڑکی بھی طلاق لینے پر رضامند ہے، جواب دے کر مشکور فرماویں، جناب کی عین نوازش ہوگی۔

السائل: حکیم محمد شعبان چک ۳۶/۱۲۔ اے۔ ایل تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری





(نوٹ) لڑکی طلاق لینا چاہتی ہے اور لڑکا طلاق دینا چاہتا ہے، ہر دو فریق کے والدین بھی طلاق لینے دینے پر رضامند ہیں۔





اگر وہ تیرہ چودہ سالہ لڑکا بالغ نہیں ہوا تو طلاق نہیں دے سکتا، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴۸ میں ہے ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل اور اگر بالغ ہو چکا ہے تو طلاق دے سکتا ہے کیونکہ لڑکا تیرہ سال بلکہ بارہ سال کا بھی بالغ ہو سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیر ج ۳ ص ۶۰۲ میں ہے وادنی مدۃ البلوغ بالاحتلام ونحوہ فی حق الغلام اثنتا عشرۃ سنۃ اور لڑکے کا بالغ ہونا یوں ہے کہ اسے احتلام آجائے یا اس کی بیوی کو اس سے حمل ہو جائے یا انزال ہو جائے، فتاویٰ عالمگیر کے اسی صفحہ میں ہے بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال اور اگر یہ کوئی بات بھی نہ پائی جائے تو چودہ سال کا لڑکا بھی نابالغ ہی رہتا ہے مگر جب پندرہ سال کا ہو جائے تو شرعاً بالغ ہو جاتا ہے اگرچہ کوئی علامت نہ پائی جائے فتاویٰ عالمگیر میں ہے والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریۃ اذا انتھیا الیہ خمس عشرۃ سنۃ عند ابی یوسف ومحمد وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ (علیہم الرحمۃ) وعلیہ الفتویٰ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

(نوٹ) سال شرعاً چاند کے لحاظ سے ہی معتبر ہے جو انگریزی اور دیسی سے ذرہ چھوٹا

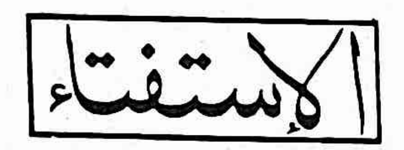


ہوتا ہے تو اس کے حساب سے دلہن چودہ سالہ لڑکا جلدی ہی شرعاً پندرہ سال کا ہوجائے گا تو جس طرح پہلے لڑکی نے وقت گزار لیا ہے، اب اور چند ماہ بھی انتظار کرے اور جب رخصتی نہیں ہوئی اور لڑکا اور لڑکی کسی ایک مکان میں اکیلے بھی نہ ہوئے ہوں تو عدت نہیں پڑے گی بلکہ طلاق کے بعد فوراً ہی نکاح جدید کرسکتی ہے کما فی القرآن الکریم والکتب المذهبیة۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

٦/٤/٦٣





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ لڑکا کتنی عمر کا ہوجائے تو اس کی طلاق معتبر ہے نیز علاماتِ بلوغ کیا ہیں؟ بینوا ماجورین من رب العلمین۔

المستفتی: محمد رحمت علی مدنی خطیب گنوں تحصیل وضلع ساہیوال



جب لڑکا بالغ ہوجائے تو اس کی طلاق معتبر ہے اور بلوغ کے اسباب تین ہیں:



۱۔ لڑکے کو احتلام آجائے یا

۲۔ اس کی بیوی کو حمل ہو جائے یا

۳۔ انزال ہو جائے۔

یعنی شہوت کے ساتھ منی ٹپک ٹپک کر خارج ہو اور اگر ان تین چیزوں سے کوئی بھی نہ پائی جائے تو پندرہ سال عمر پوری ہو جائے تو بالغ ہو جاتا ہے، فتاویٰ عالمگیری ج۳ ص۲۰۶، شامی، درالمختار، تنویر الابصار ج۵ ص۱۳۲ میں ہے والنظم منہا بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال (الی ان قال فی التنویر) فان لم یوجد فیھما شیئ فحتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ۔ تنویر میں فرمایا وبہ یفتیٰ، فتاویٰ عالمگیر میں ہے وعلیہ الفتویٰ شامی نے فرمایا ھذا عندھما وھو روایۃ عن الامام وبہ قالت الائمۃ الثلٰثۃ۔



بہرحال صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب اور ہمارے امام اعظم سے بھی ایک روایت ہے جس پر فتویٰ ہے، یہ ہے کہ پورے پندرہ سال قمری کا ہو جائے تو شرعاً بالغ ہے اور اس کی طلاق معتبر ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ سال قمری ہی معتبر ہے جو انگریزی اور دیسی سے تقریباً دس دن کم ہوتا ہے چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا الآیۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبنا وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۸ھ، ۴/۶/۷۸ء



الاستفتاء

مولوی بشیر احمد صاحب چک ۱۴۲/۴-ایس پی کی طرف سے تحریراً و خط لانیوالے کے زبانی بیان سے حاصل سوال یہ بنتا ہے کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کیا گیا، لڑکا گونگا تھا اور مجلس سے چلا گیا تو اس کے والد نے اپنے لڑکے کے لئے ایجاب وقبول کیا اور وہ لڑکے کا والد منکوحہ کا حقیقی چچا ہے، اب فریقین کی ناچاقی ہے، لڑکی والے طلاق مانگتے ہیں تو گونگے کا والد کہتا ہے کہ ایجاب وقبول میں نے کیا ہے لہذا نکاح میرے ساتھ ہوا ہے اور میں طلاق نہیں دیتا۔ تو کیا یہ نکاح گونگے کے ساتھ صحیح ہوا ہے اور گونگا ہی طلاق دے سکتا ہے یا اس کے والد کے ساتھ ہوا ہے اور وہی طلاق دے سکتا ہے؟





تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح اس گونگے کے ساتھ ہی ہے اور اس کا ایجاب و قبول شرعی قاعدے کے مطابق ہوا ہے لہذا وہ گونگا ہی طلاق دے سکتا ہے اور اس کے والد کے ساتھ نکاح ہرگز نہیں ہوا، چچا کے ساتھ بھتیجی کا نکاح نہیں ہو سکتا اور ایجاب و قبول بھی گونگے کے لئے ہوا ہے لہذا اس کا دعویٰ لغو ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی محمد وعلی آلہ





واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ

۲۳ جون ۱۹۸۰ء



پاگل ومدہوش کی طلاق



باب طلاق المجنون و المغمی علیہ

الاستفتاء

میرا نام غلام ہے، میں حویلی تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری میں رہنے والا ہوں، میں اپنے مکان کا اشٹام لے چکا ہوں اور گھر کا سامان جو دینا تھا دے چکا ہوں اور جو کچھ بھی رکھا تھا کہ بعد کو ان گواہوں کے روبرو طلاق لکھی، ایک طلاق، دو طلاق سہ طلاق دے کر ان گواہوں کے سامنے سب فیصلہ کر لیا گیا، اب میرا اس پر کوئی حق نہیں ہے، جو کچھ چاہے کر سکتی ہے، بیوی ستاں کو طلاق دے کر رسید لکھ دی

تاکہ سند رہے۔

نشان انگوٹھا طلاق دہندہ

گواہ شد — دستخط نمبردار — گواہ شد

غلام نبی رتیاں بھٹیاں — عاشق محمد نمبردار بقلم خود — نشان انگوٹھا دین محمد حویلی لکھا

۱۳۔۱۔۵۵ — گواہ شد

نشان انگوٹھا حاکم علی ذیلدار، حویلی لکھا

تحریر لکھتے وقت غلام کو کوئی ہوش نہیں تھا چونکہ بہ لڑائی میں ڈٹا ہوا تھا، ہوش حواش ٹھیک نہیں تھا، تحریر لکھتے وقت بڑی جلدی کی اور یہ غصے میں تھا، خبث میں اس نے اپنے ارادہ سے طلاق نہیں دی، گواہ کے سامنے تحریر لکھی گئی۔ محمد رمضان بقلم خود

<۸۶>

گذارش ہے کہ عرصہ $\frac{۲۰}{۲۲}$ سال کا ہوا میں نے مسماۃ ستاں سے شادی کرلی تھی جس کے بطن سے چار بچے مسماۃ الٰہی سین دختر بعمر ۲۸، محمد حیات بعمر ۱۸ سال، مسماۃ نذیر بیگم بعمر ۱۶ سال، احمد یار بعمر $\frac{۱۳}{۱۴}$ سالہ ہیں، میری بیوی میں کسی قسم کا عیب نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ناراضگی ہے، میرے ساتھ اس کے تعلقات خوشگوار ہیں، میں مذکورہ کی طلاق کا بالکل کوئی ارادہ نہیں رکھتا ہوں اور نہ پہلے تھے، البتہ میری دماغی حالت درست نہیں ہے جس کی وجہ سے کئی مرتبہ میرے سے ناجائز حرکتیں مدہوشی کے عالم میں سرزد ہوجاتی ہیں، چنانچہ اس مرتبہ بھی اس قسم کا دماغی دورہ مجھ پر پڑا اور مجھے اچھے برے و نفع نقصان اپنے اور دوسرے کا ہوش نہ رہا ہے، اس مدہوشی کے دوران میں مولوی گنا صاحبزادہ غلام رسول کو میں نے طلاق لکھ دینے کے لئے کہا لیکن مذکورین نے میری مدہوشی اور دماغ کی نادرستی دیکھ کر لکھنے سے انکار کردیا مسمی غلام نبی طفلک بعمر $\frac{۵}{۱۶}$ سالہ جو کہ پڑوسی ہے، نے میرے کہنے پر لکھ دی، ہوش آنے پر مجھے احساس ہوا کہ میں نے یہ غلطی بعد ارادہ مدہوشی میں کرلی ہے، گواہان طلاق نامہ و تحریر کنندہ بھی میری مدہوشی پر گواہ ہیں۔ چونکہ یہ معاملہ شرعی ہے اس لئے اس کے متعلق حکم شرعی





دیا جاوے، تحریر کنندہ نا تجربہ کار طفل تھا اور نہ صاحب ہوش افراد نے طلاق نامہ لکھنے سے میری حالت دیکھ کر انکار کر دیا تھا۔

فدوی غلام محمد ولد خدا بخش ساکن حویلی

(دستخط غلام نبی تھانیدار بحروف انگریزی)

شیر محمد بقلم خود نشان انگوٹھا غلام محمد نشان انگوٹھا رحمت علی نشان انگوٹھا نور محمد

حکیم امان الدین بقلم خود محمد سعید بقلم خود گہنا بقلم خود غلام رسول بقلم خود

۲۱.۸.۵۵ ۲۱.۸.۵۵

محمد الدین بقلم خود ماسٹر اللہ یار تاج بقلم خود غلام رسول بقلم خود محمد انور بقلم خود حویلی

محمد علی بقلم خود نشان انگوٹھا فیض احمد نور محمد بقلم خود غلام محمد بقلم خود

محمد رمضان بقلم خود نور نبی بقلم خود محمد وریام بقلم خود شاہ علی (Ali)

نشان انگوٹھا حاجی رجب علی نشان انگوٹھا حاجی احمد دین نشان انگوٹھا بانع علی



فیض رسول بقلم خود محمد سعید چشتی بقلم خود

۲۱ .۸ .۵۵

غلام دستگیر میونسپل کمشنر بقلم خود

عبد الحمید خاں ولد میر محمد خاں بقلم خود، حویلی لکھا

۲۲ .۸ .۵۵

نوٹ: سائل نے زبانی بیان کیا کہ یہ دستخط اور انگوٹھے غلام محمد کی دماغی حالت درست نہ ہونے اور کئی مرتبہ مدہوشی کے دورے پڑنے کی تصدیق کے لئے ہیں۔



شرعاً درستئ عقل شرطِ طلاق ہے اور اختلالِ عقل مانع، نیز جس کا جنون و مدہوشی و اختلالِ عقل صرف ایک مرتبہ ثابت ہو جائے تو کلماتِ طلاق جو اس کی طرف منسوب کیے جائیں، ان کے متعلق اس کا حلفیہ بیان کہ مجھے جنون یا مدہوشی و اختلالِ عقل کا دورہ پڑا ہوا تھا، کافی ہے اور وہ کلماتِ طلاق جو فی الواقع اس نے کہے بھی ہوں طلاق متصور نہیں ہوں گے کہ درستئ عقل کی شرط پائی نہیں گئی۔



بدائع صنائع ج ۳ ص ۹۹ میں ہے والعقل من شرائط اهلية التصرف بلکہ قرآنِ کریم نے فرمایا ما جعل عليكم في الدين من حرج فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴۸، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۴۹، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۵۸۶، ۵۸۷، فتاویٰ خیریہ ج ۱ ص ۴۰، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۳، بدائع صنائع ج ۳ ص ۱۰۰ میں ہے والنظم من الهندية ولا يقع طلاق الصبي وان كان يعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش الخ فتاویٰ قاضی خاں ج ۲ ص ۲۱۳، فتاویٰ خیریہ ج ۱ ص ۴۰ میں ہے رجل عرف انه كان مجنونا فقالت له امرأته طلقتني البارحة فقال الزوج اصابني الجنون ولا يعرف ذلك الا بقوله كان القول قوله نیز خیریہ ج ۱ ص ۴۰ میں ہے ان المدهوش ان عرف منه الدهش مرة فالقول قوله بيمينه نیز ج ۱ ص ۴۱، ۴۲ میں ہے نظماً اور شامی ج ۲ ص ۵۸۷ میں ہے نثراً والنظم له وسئل نظما فيمن طلق زوجته



ثلثا فی مجلس القاضی وهو مغتاظ مدهوش فاجاب نظما ایضاً بان الدهش من اقسام الجنون فلا یقع واذا کان یعتاده بان عرف منه الدهش مرة یصدق بلا برهان، نیز علامہ شامی علیہ الرحمہ اسی صفحہ میں فرماتے ہیں فمادام فی حال غلبۃ الخلل فی الاقوال والافعال لا تعتبر اقواله وان کان یعلمها و یریدها لان هٰذه المعرفۃ والارادة غیر معتبرة لعدم حصولها عن ادراك صحیح کما لا تعتبر من الصبی العاقل۔



تو اگر صورتِ مندرجہ بالا صحیح و واقعی ہے اور غلام محمد کو مدہوشی و اختلالِ عقل کے دورے پڑا کرتے ہیں تو اس تحریر طلاق کے متعلق اس کا حلفیہ بیان کر تحریر کراتے وقت عقل درست نہیں تھی اور مدہوشی کا دورہ تھا، کافی ہے، وہ تحریر شرعاً لغو و باطل شمار ہوگی اور طلاق ایک بھی نہیں پڑے گی اگر چہ اس مدہوشی کا گواہ ایک بھی نہ ہو، یہ جواب صحتِ سوال و بیانِ مذکور پر مبنی ہے اور اگر سوال و بیان صحیح نہ ہوں تو جواب بھی یہ نہیں ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۳ محرم الحرام بروز جمعۃ المبارک ۱۳۷۵ھ

نوٹ: اس فتویٰ کی تحریر کے بعد فریقِ ثانی نے اس سلسلے میں مختلف موقف پیش کیا اس پر یہ جواب تحریر فرمایا۔ ←

(مرتب)



محبی مخلصی مولانا غلام رسول صاحب و دیگر احباب صاحبان زادت عنایاتهم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ۔ امزجہ مبارکہ! بعد از دعوات عافیت طرفین آنکہ آپ کے مرقوم ملے، کوائف مندرجہ سے آگاہی ہوئی،

جواباً مرقوم کہ میرا وہ جواب فتویٰ ہے جس کی بنا صحت و واقعیت سوال پر ہے جس کا ذکر اس فتویٰ میں بار بار موجود ہے، اگر کوئی صاحب اسے فیصلہ یا ڈگری تصور کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا خیال ہے، میں نے کوئی ڈگری یا فیصلہ نہیں دیا، نہ ہی میرے سامنے شرعی شہادتیں گذریں اور نہ ہی میں نے دوسرے فریق کو طلب کیا تو فیصلہ کیسے ہوا حالانکہ فتویٰ کا اختتام ہی ان الفاظ پر ہے کہ " اگر سوال و بیان صحیح نہ ہوں تو جواب بھی یہ نہ ہوگا " جس سے امس و شمس کی طرح واضح و نمایاں ہوا کہ یہ فیصلہ نہیں۔ آپ نے وہ نوٹ بھی پڑھا ہوگا جو جواب سے پہلے ہے اور جواب تو بڑے غور سے پڑھا ہوگا۔



بہر حال فتویٰ کا صحیح مفہوم سائلین کو سمجھا دیں اور اگر سوال ثابت نہ ہو سکے تو غلام کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو چکیں اور تحلیل شرعی کے بغیر قطعاً کسی صورت میں اس سے نکاح نہیں کر سکتا، اسی کی طرف میرے الفاظ مندرجہ فتویٰ " تو جواب بھی یہ نہ ہوگا " میں اشارہ ہے۔

آپ باقاعدہ سب گواہوں کی شہادتیں لے کر فیصلہ کر دیں کہ طرفین گناہ سے بچ سکیں، ہاں علامہ شامی علیہ الرحمہ کی یہ عبارت بھی پیش نظر رہے وایضاً فان بعض المحانین یعرف ما یقول ویریدہ ویذکر ما یشهد

الجاهل به بانه عاقل ثم يظهر منه فی مجلسه ما ينافيه فاذا كان المجنون حقيقة قد يعرف ما يقول ويقصده فغيره بالاولى فالذى ينبغى التعويل عليه فی المدهوش ونحوه اناطة الحكم بغلبة الخلل فی اقواله وافعاله الخارجة عن عادته، ص ۵۸۷ ج ۲ لفظ " الخارجة عن عادته " پر خاص توجہ چاہیئے، بہر حال صورت حال حقیقیہ پر ہی دار و مدار ہے۔ والسلام

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ





الاستفتاء

۷۸۶ / ۹۲

بخدمت فیض درجت مولانا مولوی صاحب محمد نور اللہ صاحب دام اقبالہٗ

بعد از سلام علیکم واضح ہو کہ فریقین سے ثبوت لے کر حلفیہ بیان تصدیق فرما کر تسلی و تشفی سے مطولات کتب سے مسئلہ طلاق پہ غور فرما کر سائلان کو تحریر فرما دیں تا کہ غیر شرع میں سائلان مبتلا نہ ہو ویں فقط شبہ طلاق دہندہ و زوجہ طلاق یابندہ و سسرال وغیرہ آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں، اس کا پوری توجہ سے فیصلہ فرماویں عین عنایت ہو گی فقط۔ کار بار لائقہ شاد فرمایا کریں فقط۔ میری طرف سے مولوی صاحب محمد صدیق کو میرا السلام علیکم۔

الراقم: آثم صعلوک محمد یوسف چشتی از محمد یار چشتی





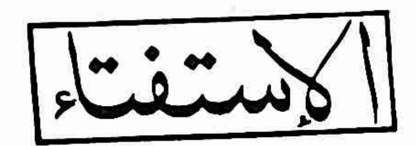
محبی محترمی کرم فرمائے قدیمی جناب پیر صاحب زادت عنایاتہم العالیہ
وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ : مزاج گرامی !
آپ کے مرسلہ ہر سہ اشخاص کے بیاناتِ مؤکدہ سنے ، زوج محض لاعلمی اور بے خبری کا قائل ہے ، والدِ زوجہ کہتا ہے کہ واقعی یہ زوج پاگل ہو گیا تھا اور میری لڑکی نے کہا کہ مجھے ماں کہہ کر بھگا دیا اور کہتی ہے کہ اس وقت بے ہوش ہوتا تھا اور سجوارہ گواہ کہتا ہے کہ میرے روبرو اس نے ماں بول کر بھگا دیا اور اس وقت پاگل تھا۔ زوجہ اور گواہ کوئی بھی لفظِ طلاق بیان نہیں کرتا تو صحتِ بیانات کی صورت میں شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی کہ تمام کتبِ فقہیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ پاگل کی طلاق نہیں پڑتی اور اس صورت میں اگر ہوش والا بھی ہوتا تب بھی طلاق نہ پڑتی کہ بیوی کو ماں کہنا قطعاً طلاق نہیں اور ظہار بھی نہیں کہ ظہار میں عضو محرم محرمۂ تابیدی کے ساتھ تشبیہ ضروری ہے ، فتاوے عالمگیری ج ۲ ص ۴۸ میں ہے ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمیٰ علیہ والمدھوش ھٰکذا فی فتح القدیر وکذلک المعتوہ لا یقع طلاقہ ایضا نیز ص ۱۲۶ میں ہے الظھار ھو تشبیہ الزوجۃ او جزء منھا شائع او معبر بہ عن الکل بما لا یحل النظر لہ من المحرمۃ علی التابید ، اسی صفحہ میں ہے لو قال لھا انت امی لا یکون مظاھرا۔





واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہٖ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۰ر سفر المظفر ۱۳۷۷ھ



الاستفتاء



از بائل گنج ۶۲۔۷۔۱۰

۴۸۶/۹۲

قبلہ جناب مولوی صاحب نور اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :۔ مزاج شریف !

عرصہ تقریباً دو سال ہوا ہے کہ مسمی کمیر ولد لاکھا قوم ماچھی سکنہ بائل گنج پاگل ہو گیا لیکن کچھ ہوش بھی تھی، آوارہ پھرتا رہا، ایک دن نمبردار بائل گنج کے پاس گیا اور اس نے کہا کہ میں اپنی عورت مسماۃ نیامت کو طلاق دیتا ہوں، نمبردار ٹال مٹول کر گیا، پھر نمبردار کے پاس گیا کہ میں طلاق دیتا ہوں، نمبردار نے دو چار معزز آدمیوں کو بلایا اور کمیر مذکور کے سسر کو بھی بلایا، آدمیوں نے کمیر کو بہت روکا کہ طلاق نہ دو، بے گناہ عورت کو طلاق دینا ٹھیک نہیں، کمیر نے کہا میں ضرور طلاق دونگا۔

آخر کار میں نے طلاق نامہ لکھ دیا اور کمیر کو کہا کہ طلاق طلاق طلاق اپنی زبانی کہہ، کمیر نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی نیامت دختر ماچھیا ماچھی کو طلاق دی اپنے ہوش وحواس قائم کے ساتھ اسی طرح دو بار کہا اور زمین پر ہاتھ مارنے لگا اور بیہوش سا ہو گیا اور انگوٹھا ہم نے لگوا لیا، تھوڑی دیر بعد آدمیوں نے پکڑ کر ڈیرے سے باہر چھوڑ دیا اور تمام دن جنگل میں پھرتا رہا اور دوسرے دن گھر کا سامان لوگوں کو ویسے ہی



دے دیا، کچھ سامان بچا اور اس کے بھتیجے کو پتہ چلا، وہ آکر لفافہ یا کچھ گھر کا سامان لے گیا پیر غنی چلا گیا۔

یہ پانچ مہینے آوارہ ہی پھرا، کبھی پاکپتن، کبھی دیوان چاولی مشائخ اور اسی دوران میں جس مجلس میں آوے، جتنے آدمی بیٹھے ہوں، سب کے ساتھ جبرًا السلام علیکم کرنا کسی کے ہاتھ پر بوسہ دینا اور پاگلوں جیسی باتیں کرنا، یہ اس کا دو یہ پانچ چھ ماہ رہا، پھر اپنے بھتیجے کے پاس پیر غنی رہا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس کی کیسی حالت رہی۔ اب عرصہ دو تین ماہ سے ہائل گنج آگیا اور اپنی بیوی کے ساتھ صلح کر لی کہ میں نے اس وقت دیوانگی کی حالت میں طلاق دی تھی، اب میں بالکل ٹھیک ہوں، یہاں کے کئی لوگوں نے کہا کہ وہ طلاق نہیں ہوئی، تم اپنی بیوی کے پاس بیٹھ جاؤ، یہ رہنے لگ گیا مگر نمبردار صاحب جو اس وقت ہیں ابھی آئے ہیں، ان سے فتویٰ طلب کر لیا ہے، بروئے شریعت جناب فتویٰ تحریر کر دیں کہ اس آدمی کے واسطے کیا حکم ہے۔

تابعدار : محمد منیر لودلہ، ہائل گنج

(نوٹ) نیز سائل زبانی مظہر کہ یہ عارضہ اسے یوں پیش آیا کہ اس کی والدہ فوت ہو گئی اور تیسرے دن اس کا بھائی فوت ہو گیا حالانکہ اس کا ایک بھائی دو ماہ پہلے فوت ہو چکا تھا تو دماغ مختل ہو گیا۔





اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو یہ طلاق شرعًا طلاق نہیں اور بیوی حسبِ سابق



بیوی ہی ہے، شامی ج ۲ ص ۵۸۷ میں ہے فالذی ینبغی التعویل علیه فی المدهوش ونحوه اناطة الحکم بغلبة الخلل فی اقواله وافعاله الخارجة عن عادته وکذا یقال فیمن اختل عقله لکبر او لمرض او لمصیبة فاجئة فمادام فی حال غلبة الخلل فی الاقوال والافعال لاتعتبر اقواله وان کان یعلمها ویریدها لان هٰذه المعرفة والارادة غیر معتبرة لعدم حصولها عن ادراک صحیح کما لاتعتبر من الصبی العاقل، تو واضح ہوا کہ اس کا یہ طلاق نامہ معتبر نہیں اور یونہی اس کا اپنے ہوش و حواس قائم ہونے کا دعویٰ بھی غیر صحیح ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه وآله واصحٰبه وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲۰۷۰۶۲



غُصّے کی حالت میں طلاق

باب الطلاق فی الغضب



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے یکے بعد دیگرے اپنی بیوی مدخول بہا حقیقۃً ہندہ کو تین طلاقیں دیں مثلاً یوں کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی۔ اب شریعتِ مطہرہ میں کیا حکم ہے؟ باقی اگر اب زید کہے کہ جس وقت میں نے یہ لفظ کہے تھے اس وقت میں نشہ میں تھا یا یوں کہے کہ میں اس وقت غصہ میں تھا، طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ جواب میں چند معتبر حوالے بھی درج فرمادیں مع عبارتوں کے، بینوا توجروا۔

سائل: مولوی محمد رمضان قادری خطیب جامع مسجد پرانا اوکاڑہ





زید کی بیوی مطلقہ مغلظہ ہوگئی، قرآنِ کریم میں ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ، نشے اور غصے والے کی طلاق واقع ہوجاتی ہے لاطلاق النصوص، مذہبِ مہذبِ حنفی کی تمام کتبِ معتبرہ ان تصریحاتِ جلیلہ سے گونج رہی ہیں کہ سکران (نشے والے) کی طلاق واقع ہوجاتی ہے بلکہ نبیذ وغیرہ اشیاء کے استعمال سے نشے کی صورت میں بالتخصیص قولِ مفتیٰ بہ کی بنا پر وقوعِ طلاق کی تصریحاتِ جلیلہ بھی صاف صاف موجود ہیں۔



فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۸، در المنتقی ج ۱ ص ۳۸۴، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۴۸، شرح الاشباہ للحموی ص ۲۳۲، فتاویٰ ہندیہ ج ۲ ص ۴۸، در المختار شامی ج ۲ ص ۵۸۳ میں بکلماتِ متقاربہ ہے والنظم من الدر (او سکران) و لو بنبیذ او حشیش او افیون او بنج زجرا به یفتی تصحیح القدوری اور یونہی طلاقِ غضبان (غصے والے) کے وقوع کی واضح اور روشن تصریحات موجود ہیں، فتاوے امام غزی تمرتاشی ص ۵۳ میں ہے واما طلاق الغضبان فعمومات کلام اصحابنا ناطقة بالوقوع بلکہ ائمۂ دین متین نے تو غصے کو دلیلِ طلاق قرار دیا اور حکم فرمایا کہ وہ کلماتِ کنائیہ جو صالحۂ رد وسب نہیں اور صالحۂ طلاق ہیں غصے کی حالت میں طلاق ہیں اگرچہ نیتِ طلاق کا صریح انکار کرے، فتاویٰ امام قاضیخان ج ۲ ص ۲۱۶، بدائع ج ۳ ص ۱۰۲، ہدایہ ج ۲ ص ۳۵۴، فتح القدیر ج ۳ ص ۴۰۱، عنایہ ج ۳ ص ۴۰۱، کفایہ ج ۳ ص ۴۰۴، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۶۱، در المختار شامی ج ۲ ص ۶۲۷،

ص ۶۴، بحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۳ میں ہے والنظم للامام فقیہ النفس فی حالۃ الغضب یقع الطلاق بثلاثۃ من ھٰذہ الثمانیۃ واذا قال لم انو الطلاق لا یصدق قضاء، مبسوط ج ۶ ص ۸۰ وفی حالۃ الغضب لا یدین (الیٰ ان قال) تعین الطلاق مرادا، تو سریح میں بطریق اولیٰ کہ اقویٰ من الکنایہ ہے، بلکہ مشائخ عظام نے متعدد کلمات صریحہ میں اور وہ بھی وہ جو پورے ادا نہ کئے گئے ہوں، وقوع طلاق کی غصے کی حالت میں تصریح فرمادی اور رضا کی حالت میں ہو تو نفی مثلاً انت طال سکونِ لام سے، حالتِ رضا میں طلاق نہیں اور غضب میں طلاق ہے، خانیہ ج ۲ ص ۲۱۴، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۵۵، شامی ج ۲ ص ۵۹۷، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۵۰ میں ہے والنظم من الھندیۃ و لوحذف القاف من طالق فقال انت طال فان کسر اللام وقع بلا نیۃ والا فان کان فی مذاکرۃ الطلاق او الغضب فکذلک اور فتاویٰ قاضی خان وغیرہا میں اس قسم کے متعدد جزئیات ہیں، بلکہ یہاں تک مصرح کہ اگر غصے کا یہ عالم ہو کہ عالم ہوتے ہوئے بھی صحیح نہ بول سکے اور طلاق کو تلاق، طلاغ، تلاک، طلاک، تلاغ کہے تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، خانیہ ج ۲ ص ۲۱۱ میں ہے لان ھٰذا مما یجری علیٰ لسان الناس خصوصا فی الغضب والخصومۃ فیکون الطلاق واقعا ظاھرا ولا یصدق قضاء،



تو واضح ہوا کہ غصہ منافیٔ طلاق نہیں بلکہ ارادۂ طلاق کی علامت ہے، بدائع صنائع ج ۳ ص ۱۰۲، ہدایہ ج ۲ ص ۳۵۴، شامی ج ۲ ص ۵۹۷ میں ہے و النظم للملک العلماء حال الغضب ومذاکرۃ الطلاق دلیل ارادۃ الطلاق ظاھرا فلا یصدق فی الصرف عن الظاھر تو ماہِ نیم ماہ اور مہرِ نیم روزہ کی طرح واضح ہوا کہ صورتِ مندرجہ میں طلاق واقع ہو گئی اور ایسے عذر نہ دافع بن سکتے ہیں اور نہ رافع۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ



علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۲ ذی القعدہ ۱۳۷۷ھ

الاستفتاء

بخدمت حضرت مولانا مفتی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ بذریعہ تحریر ہذا صورت مسئولہ کا جواب مطلوب ہے امید ہے کہ آپ جواب مسئلہ باحوالہ روانہ فرماکر مشکور فرمادیں گے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی زوجہ کو بایں الفاظ طلاق دیتا ہے تین دفعہ یا اس سے بھی زائد یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، پھر یہ الفاظ کہے، تو مجھ پر حرام ہے، تو مجھ پر حرام ہے، تو مجھ پر حرام ہے۔ اب شریعت مبارک کی رو سے یہ عورت اپنے خاوند کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نکاح میں آسکتی ہے تو یہ طلاق کونسی واقع ہوئی بائن یا مغلظہ یا رجعی؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

سائل: حافظ بشیر احمد بشیر بستی حضرت حافظ حبیب اللہ صاحب ڈاکخانہ ٹھڑپہ ضلع منٹگمری





شرعاً یہ طلاق طلاقِ مغلظہ ہے لہذا بدون حلالہ وہ شخص نکاح بھی نہیں کرسکتا

قرآنِ کریم میں ہے الطلاق مرتٰن یعنی وہ طلاق جس کے بعد رجوع ہوسکتا ہے دو طلاقیں ہیں، آگے فرمایا فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره یعنی اگر تیسری طلاق دیدے تو وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں، ہاں حلالہ کرے تو حلال ہوسکتی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے اذا قال لامرأته انت طالق وطالق وطالق ولم یعلقه بالشرط ان کانت مدخولة طلقت ثلثا۔ ہاں اگر وہ مرد اور عورت نکاح کے بعد کسی مکان میں اکیلے نہیں ہوئے اور نزدیکی نہیں کی تو صرف ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور بلا حلالہ نکاح ہوسکتا ہے، اسی میں ہے وان کانت غیر مدخولة طلقت واحدة۔

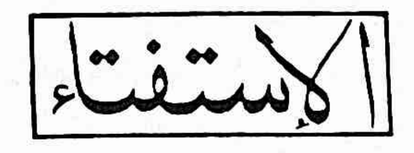
رہا غصہ تو وہ وقوعِ طلاق سے مانع نہیں کہ عموماً طلاق دی ہی غصہ سے جاتی ہے کوئی وہ شخص جو اپنی بیوی سے راضی خوشی ہو، طلاق نہیں دیتا اور یہی وجہ ہے کہ الفاظِ کنایہ میں غصہ دلیلِ طلاق ہے کما فی اسفار المذهب متونا و شروحا وحواشی وفتاوی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد وآله وصحبه اجمعین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱ ربیع الثانی ۸۵ھ مطابق ۱۹/۸/۶۵





کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی اپنی



عورت کو دوسروں کی زبردستی کہلوانے پر غصہ کی حالت میں اپنی عورت کو کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے، تین دفعہ، لیکن اس کے دل میں طلاق کا ارادہ نہیں تھا تو کیا اس کے الفاظِ مذکورہ سے اس پر عورت حرام ہو جائیگی؟ اور طلاق کونسی ہو گی؟ اگر میاں بیوی راضی ہوں تو پھر رجوع کی کیا صورت ہو گی؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: حافظ غلام محمد پاکستانی ثم مظفر گڑھی، حال مقیم مدینہ منورہ (بوساطت حاجی محمد اسمٰعیل صاحب مدینہ منورہ)





اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، شامی ج ۲ ص ۵۹۴ میں ہے

افتی المتأخرون فی انت علی حرام بانہ طلاق بائن للعرف بلا نیۃ اور ص ۶۴۵ میں ہے انت علی حرام علی المفتی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ مع انہ لا یلحق البائن ولا یلحقہ البائن

لہذا تین بار کہنا ایک بار کہنے کی طرح ہے اور طلاق عموماً غصہ اور ناراضگی میں ہی ہوتی ہے اور ایسی عمومی زبردستی کا کوئی اعتبار نہیں۔

اگر میاں بیوی راضی ہو جائیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں کیونکہ طلاق صرف ایک ہی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۰ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۹۴ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مندرجہ تحریر کے بارہ میں
کہ بالو مقبول احمد نے اپنے سالے محمد اکبر کو بدیں مضمون خط لکھا جو کہ درجِ ذیل ہے
دریافت طلب امر ہے کہ اس تحریر کی رو سے مقبول احمد کی منکوحہ کو طلاقیں ہو گئیں یا
نہیں؟ مقبول احمد اب منفصل ہے اور کہتا ہے کہ میں نے بوجہ ناچاکی اور ناراضگی
غصہ میں یہ خط لکھا تھا اور میرا قصد اور ارادہ طلاق دینے کا نہ تھا، یہ عذر مقبول احمد
کا مقبول ہے یا نہیں اور کیا طلاق دیتا ہوں کے لفظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے
یا نہیں؟ یہاں بعض علماء فرماتے ہیں کہ طلاق واقع ہو گئی اور بعض اس تحریر کو
کالعدم فرماتے ہیں، براہِ کرام جواب بمعہ حوالہ کتاب ارقام فرمادیں، بینوا
وتوجروا۔ نقل خط بعینہٖ یہ ہے:



۷۸۶/۹۲

برادرم محمد اکبر صاحب

تسلیم - تم لوگوں نے یہ جانتے ہوئے کہ ہم محمود کے رشتہ کی کوشش ہمیشہ نواب بیگم
کے گھر کر رہے ہیں، بدنیتی سے یہ مشہور کیا کہ یہ مقبول کو لڑکی دیتی ہے حالانکہ میرے
پاس تمہاری بہن تھی، مجھے اور لڑکی کی کیا ضرورت تھی، سب شرارت تمہاری والدہ
کی ہے جس نے اتنا نہیں سوچا کہ ہم اپنی لڑکی کو جو اپنے گھر میں آباد بیٹھی ہے خوار
مت کریں، تمہاری والدہ نے نواب بیگم کی سخت بدنامی کی جس کی وجہ سے محمود کا رشتہ
جو کہ ہو گیا تھا، اب ہٹ گیا ہے، علاوہ ازیں تمہاری والدہ ہماری بدنامی کرنے سے
باز نہیں آتی اور زبردستی لڑکی کو چھوڑ لے جاتی ہے اور اس طرح تنگ کرتی ہے،



اس بات کا مجھ کو اتنا خیال نہیں تھا لیکن جب اس نے ہم سے دشمنی کی اور محمود کی شادی میں حائل ہوئی تو ہمارا دل کھٹا ہو گیا، میں دریں حالات آپ کی بہن کو رکھنے کے لئے تیار نہیں اور طلاق دیتا ہوں (۱) میں مقبول احمد حمیدہ بیگم کو طلاق دیتا ہوں (۲) میں مقبول احمد حمیدہ بیگم کو طلاق دیتا ہوں (۳) میں مقبول احمد حمیدہ بیگم کو طلاق دیتا ہوں۔ مقبول احمد! آخر تمہاری والدہ کو ایسے کرنے کا حق کیا ہے؟

سائل: محمد انور قصوری معرفت دفتر مرکزی انجمن حزب الاحناف پاکستان لاہور





صورتِ مسئولہ میں شرعاً تین طلاقیں واقع ہو گئیں کہ رضا شرطِ طلاق نہیں بلکہ اکثر ناراضگی میں ہی طلاق دیجاتی ہے، عامۂ اسفارِ مذہبِ مہذب میں مفہوم اور عموم سے وقوعِ طلاقِ غضبان کا بیّن بیان ہے اور حجیتِ مفاہیم و عموماتِ کتبِ مذہبیہ تو قویۃ البرہان ہی ہیں، امام غزی تمرتاشی اپنے فتاوے ص ۳ ۵ میں فرماتے ہیں واما طلاق الغضبان فعمومات کلام اصحابنا ناطقۃ بالوقوع حیث قالوا ویقع طلاق کل زوج اذا کان عاقلا بالغا الخ بلکہ ائمۂ دینِ متین نے تو غضب کو دلیلِ طلاق قرار دیا، ایسے کلماتِ کنائیہ جو صالحہ طلاق من دون الرد والشتم ہیں، حالتِ غضب میں باوجود صریح انکار نیتِ طلاق حکمِ طلاق فرماتے ہیں نہ حالتِ رضا میں۔ مبسوط ج ۶ ص ۸۰، فتاویٰ امام قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۶، بدائع ج ۳ ص ۱۰۶، ہدایہ ج ۲ ص ۳۵۴، فتح القدیر ج ۳ ص ۴۰۱، عنایہ ج ۳ ص ۴۰۱، کفایہ ج ۳ ص ۴۰۴، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۶۱، درالمختار شامی ج ۲ ص ۶۴۷ و



ص ۱۴۱، بحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۲ میں ہے و النظم للامام فقیہ النفس و فی
حالۃ الغضب یقع الطلاق بثلاثۃ من ھٰذہ الثمانیۃ واذا قال لم انوِ
الطلاق لا یصدق قضاء، مبسوط ص ۹۰ ج ۶ میں ہے تعین الطلاق مرادا بہ تو صریح
میں بطریقِ اولیٰ کہ اقویٰ من الکنایہ ہے بلکہ مشائخ عظام نے متعدد کلماتِ صریحہ میں بھی
جو پورے ادا نہ کئے گئے ہوں وقوعِ طلاق کی حالتِ غضب میں تصریح فرمادی اور حالتِ
رضا میں نفی، مثلاً انتِ طال، بسکونِ لام سے حالتِ رضا میں طلاق نہیں اور غضب میں
طلاق ہے، خانیہ ج ۲ ص ۲۱۴، بحر الرائق عن الخانیہ والجوہرہ ج ۳ ص ۲۵۵، شامی ج ۲
ص ۵۹۷، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۵۰ میں ہے و النظم من الھندیۃ ولو
حذف القاف من طالق فقال انت طال فان کسر اللام وقع
بلا نیۃ والا فان کان فی مذاکرۃ الطلاق او الغضب فکذلک



فتاویٰ قاضیخان وغیرہا میں اس قسم کے متعدد جزئیات ہیں بلکہ اگر غضب کا یہ عالم
ہو کہ عالم ہوتے ہوئے بھی تلفظ صحیح نہ رہے اور طلاق کو تلاق، طلاغ، تلاک، طلاک،
تلاغ کہے تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، فتاویٰ امام قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۱ میں ہے
لان ھذا مما یجری علی لسان الناس خصوصا فی الغضب و الخصومۃ
فیکون الطلاق واقعا ظاھرا ولا یصدق قضاء، تو صاف ثابت ہوا کہ
غضب منافیِ طلاق نہیں بلکہ دلیلِ ارادۂ طلاق ہے، اور بدائع صنائع ج ۳ ص ۱۰۲،
ہدایہ ج ۲ ص ۳۴۷، شامی ج ۲ ص ۵۹۷ میں ہے و النظم لملک العلماء
حال الغضب و مذاکرۃ الطلاق دلیل ارادۃ الطلاق ظاھرا
فلا یصدق فی الصرف عن الظاھر،

تو مقبول احمد صاحب کا غصہ بھی مانعِ طلاق نہ ہوگا بلکہ الٹے دلیلِ ارادۂ طلاق بنے گا
اور یہیں سے واضح ہوا کہ عذرِ عدمِ ارادۂ طلاق محض بے سود اور غیر مسموع ہے
اور یہ الفاظ تو یوں بھی صریح اور صریح نیت سے مستغنی ہے وذا مصرح فی



جميع معتمدات المذهب الحنيف اور لفظِ طلاق دینا بزبان محاورات ملکیہ میں عموماً ایقاع و تحقیق طلاق کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور مقبول صاحب کی نظر میں بھی لفظِ طلاق سے بے کہ قصد اور ارادہ نہ ہونا عذر بناتے ہیں اور صاف سرے سے معاملہ ختم ہی نہیں کرتے کہ الیعاد وغیرہ ہے اور ایسے ہی سیاقِ کلام اور طرزِ تحریر خصوصاً نمبراتِ ثلاثہ شہادتِ واضحہ دے رہے ہیں کہ مقبول صاحب کی نظر میں طلاق ہی ہیں اور محض احتمالِ استقبال مضر نہیں کہ وہ تو اسمِ فاعل میں بھی ہے تو انتِ طالق، بھی لفظِ طلاق نہ رہے گا ولا یتفوہ بہ عاقل فضلا عن فاضل بلکہ مدارِ کار غلبۂ حال پر ہے جو بیانِ ماسبق سے شمس و امس کی طرح واضح ہوا۔

فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵۴، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۵۲، خیریہ ج ۱ ص ۳۹، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۸۱، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۶۶۔ شامی ج ۲ ص ۵۹۱ میں ہے والنظم للسید ابن عابدین وکذا المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقك، بدائع ج ۳ ص ۱۰۲ میں ہے مثل ان یقول فی عرف دیارنا رہا کنم۔ توبیّن طور پر ثابت ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں تین طلاقیں دیانۃً و قضاءً واقع ہوگئیں واما المقبول فلم یعتذر بالایعاد ومثلہ ولو ادعاہ احد فی مثل ھٰذہ الواقعۃ الشائعۃ لما نفعہ ایضاً لانہ خلاف الظاھر والمعتاد وفی المبسوط ج ۶ ص ۸۰ القاضی مامور باتباع الظاھر وما ھو المعتاد انتہیٰ، والمرأۃ کالقاضی۔



مبسوط ج ۶ ص ۸۰ و ص ۸۲ و فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵۳ و ۴۰۸ والکفایۃ ج ۳ ص ۳۵۲ والبحر الرائق ج ۳ ص ۲۵۷ والفتاویٰ الھندیہ ج ۲ ص ۴۹ والفتاوی الغزیہ ص ۵۳، بدائع ج ۳ ص ۱۰۱، تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۹۸ و ج ۲ ص ۲۱۸، شامی ج ۲ ص ۵۹۴ والنظم للتمرتاشی والمرأۃ کالقاضی لایحل لھا ان تمکنہ اذا سمعت منہ ذالك او علمت بہ لانھا لا تعلم الا الظاھر انتہیٰ فلا یفتی لہ

المفتون الا المفتون هٰذا۔
واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم واحکم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء



السلام علیکم : عاجزانہ گذارش ہے کہ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غصے میں آکر چاروں مذہبوں میں حرام کردیا اور اس کا جواب قرآن اور حدیث اور معتبر کتابوں سے دیں، کیا اس کو طلاق آگئی ہے یا کہ نہیں ؟

السائل : مقبول احمد قوم جوئیا ضلع مظفر گڑھ تحصیل علی پور موضع کلروالی



وعلیکم السلام ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ :۔

از روئے مذہبِ مہذبِ حنفی ایک طلاق بائن ہوگئی، اگر دوبارہ آپسمیں نکاح کرنا چاہیں تو بلا حلالہ ہوسکتا ہے، ہاں اگر حرام کہتے وقت تین طلاقوں کی نیت کی تھی تو طلاق مغلظ یعنی تین طلاقیں پڑ گئیں کہ اب بلا حلالہ نکاح نہیں کرسکتے فتاویٰ



عالمگیری ج ۲ ص ۱۱۱۷ اور ج ۲ ص ۱۸۳ میں ہے والفتوی علی انہ یقع به الطلاق الخ شامی ج ۲ ص ۷۶۰ اور تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۷۶۱ اور ج ۲ ص ۷۶۲ میں ہے والنظم من التنویر وتطلیقۃ بائنۃ ان نوی الطلاق وثلث ان نواها ویفتی بانہ طلاق بائن وان لم ینوه، اور چونکہ ہمارا مذہب قرآن کریم اور حدیث پاک کی روشنی میں حق ہے اور قرآن شریف میں ہے وأمر بالعرف لہذا یہ حکم حق ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۷ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ ۶ جولائی ۷۶ء (بمع تصدیقات علمائے دار العلوم)



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں:

زید نے غصہ کی حالت میں اپنی مدخولہ بیوی کو بانیتِ طلاق زمین پہ یکے بعد دیگرے تین لکیریں کھینچیں اور ہر لکیر کھینچتے وقت یہ الفاظ کہے کہ ایک یہ، یہ دو اور یہ تین، تین لکیریں کھینچنے کے بعد یہ کہا تو میری بہن ہے، بہن ہے اور زید نے یہ اقرار کیا، لکیریں کھینچتے وقت میری نیت طلاق کی تھی اور ہر لکیر سے مراد طلاق تھی۔

علمائے کرام سے دریافت ہے کہ آیا اس طرح کرنے سے یعنی محض لکیریں کھینچیں اور زبان سے لفظ طلاق یا کنایہ وغیرہ کا نہیں بولا اور نیت طلاق تھی، فقط طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوئی تو ایک یا تین اور زوجین کی مصالحت





کی صورت میں زید کی بیوی دوبارہ اس کے نکاح میں آسکتی یا کہ نہیں ؟

السائل : علی محمد ولد خان محمد قوم کھوکھر چک ۶۲/ای-بی 18.11.79





یہ صورت طلاق بالکنایہ کی ہے جو نیت اور دلالتِ حال سے واقع ہو جاتی ہے اور سائل نیتِ طلاق کا اقرار کرتا ہے اور غصہ کی حالت ہے اور پھر "تو میری بہن ہے" کہتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کا لکیر کھینچنا تو کہنا ہے کہ یہ ایک ، یہ دو اور یہ تین طلاقیں ہیں اور اضافتِ طلاق مقدر ہے یعنی مراد یہ ہے کہ یہ لکیر تجھے ایک طلاق ہے اور یہ دو اور یہ تین اور "تجھے" گو لفظوں میں صراحۃً مذکور نہیں مگر غصہ کی حالت اور طلاق واضح کرتی ہے جس پر تو میری بہن ہے کہنا بھی صریح قرینہ ہے حالانکہ اضافت الی الطلاق صراحۃً شرط نہیں بلکہ مفہوماً بھی کافی ہے کما صرح بہ الشامی حیث قال ج ۲ ص ۵۹ ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ بظاہر سوال یہ ہے کہ اس کا یہ کہنا یہ ایک ، یہ دو ، یہ تین ، یہ اپنی منکوحہ کو بطریقِ خطاب ہے بلکہ پنجابی محاورہ کے لحاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پنجابی میں ایک لکیر کھینچ کر کہا ہو گا یہ ہِک ہِی اور دو کھینچ کر کہا ہو گا یہ دُوئی نی اور تین کھینچ کر کہا ہو گا تیسری نی ، اگر واقع میں یونہی ہے تو یہ صریح خطاب اور اضافتِ معنویہ بھی ہے ، جو معتبر ہے ، شامی ج ۲ ص ۵۹۰ طحطاوی علی الدر ج ۲ ص ۱۱۲ میں ہے (قولہ لترکہ الاضافۃ) ای المعنویۃ وھی شرط والخطاب من الاضافۃ المعنویۃ وکذا الاشارۃ نحو ھٰذہ طالق

بہر حال میرے علم اور فقہائے کرام کی تصریحات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے

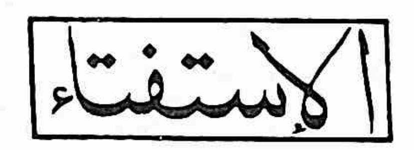
کہ تین طلاقیں پڑ گئیں اور زید کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی جس کے ساتھ دوبارہ حلالہ کے بغیر نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ من الھندیۃ والخلاصۃ وغیرھا من اسفار المذھب المھذب الحنفی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ ۲۹.۱۱.۷۹





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ زید اپنی بیوی کے ساتھ ایک سال سے جھگڑا کرتا رہتا تھا، آخر ایک دن حسبِ معمول لڑتے ہوئے کہا کہ یہ میری ماں بہن ہے، میں نے اس کو طلاق دی، میں نے اس کو طلاق دی، میں نے اس کو طلاق دی، تین مرتبہ کہا اور کہا کہ میرے گھر سے نکل جا، میں نہیں دیکھنا چاہتا چنانچہ وہ بیچاری اپنے میکے چلی گئی، تو آیا وہ بیوی مطلقہ ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: محمد بوٹا از چک ۳۴ پرجا چاہ ننار یا نوالہ ۳۰/۱۲/۵۳



جب زید عاقل بالغ ہے تو اس کی بیوی یقیناً مطلقہ طلاقِ مغلظ ہو گئی، عدت



پوری ہونے پر زید کے سوا جس سے چاہے حسب دستورِ شرعِ مطہر نکاح کر سکتی ہے،
فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۳۴۸ میں ہے یقع طلاق کل زوج اذا کان بالغا
عاقلا، نیز ص ۴۱۱ پر ہے و ان کان الطلاق ثلثا فی الحرۃ الیٰ ان
قالوا لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ الخ
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ
وصحبہ وبارک وسلم۔

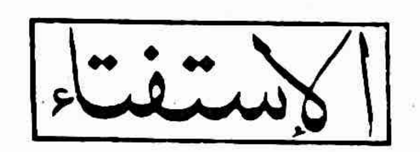
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ





حالتِ حمل میں طلاق

باب طلاق الحوامل



بخدمت جناب حضرت مولانا مولوی نوراللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' :- لعاریہ عرض ہے کہ آپ کی خدمت میں بندہ غریب عرض کرتا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو ثلاثہ طلاق دی، تاریخ شعبان کی ۲۱ میں طلاق دی ہے، اور میں نے اپنی رضامندی سے طلاق نہیں دی: قبیلہ اور مجلس کی رضا سے طلاق دینی پڑی' طلاق دینے کی تاریخ کے دوسرے دن میری زوجہ کو ہوش عقل قائم ہوا کہ میں بھول گئی ہیں دوبارہ اسی خاوند کے گھر میں بیٹھنا منظور ہے اور دوسری وجہ یہ ہے جس وقت طلاق میں نے دی مجھے حمل کی خبر نہیں تھی، دوسرے دن بعد خبر ہوئی میری زوجہ کو حمل ہے اور اس وقت تک حمل خارج نہیں ہوا، محرم کے مہینہ میں حمل خارج ہوگا۔ جناب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں، کوئی ایسی صورت ہو جس میں حلالہ نہ ہو، بعض علما فرماتے ہیں یہ طلاق ثلاثہ نہیں اس کو بائن کہتے ہیں، ایک وقت پر تین طلاق طلاق طلاق دین شریعت میں حرام ہے کیونکہ ہر مہینہ ایک طلاق دینی چاہیئے یا کوئی حمل کی وجہ سے بعضے عالم فرماتے ہیں حاملہ

عورت کو طلاق نہیں ہوتی۔ ان صورتوں میں کچھ بحث ہو جس میں حلالہ نہ پڑے یا صدقہ پڑے
یا روزہ رکھنا پڑے، آپ حضرت مہربانی فرما کر مضمون کو دیکھ کر جو شریعت کا فیصلہ ہو وہ تحریر
کر دیویں تاکہ سند رہے۔ ختم شد

سائل:۔ آپ کا تابعدار مسکین حافظ محمد الدین محمد یوسف کا بھائی سکنہ محب علی اوناڑہ
میں بخار کی وجہ سے تکلیف ہے میں حاضر نہیں ہو سکتا۔

ماہ ذوالحجہ ۲۴





ایک وقت میں تین طلاقیں دینی، گو بہتر نہیں مگر واقع ضرور ہو جاتی ہیں، ائمۂ اربعہ
اور جمہور اہلِ فتویٰ کا اس پر اتفاق ہے اور یہی منصوص ہے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے
الطلاق مرتان اور آگے ارشاد ہوتا ہے فان طلقها یہ تیسری طلاق ہے، جمع و
تفریق اور حمل و عدمِ حمل سب کو شامل ہے کہ مطلق ہے والمطلق یجری علیٰ
اطلاقہٖ قاعدۂ مسلمہ ہے، رحمۃ الامہ ج ۲ ص ۸۰، میزان شعرانی ج ۲ ص ۱۲۶ میں اتفاقی
اور اجماعی مسائل کے بیان میں ہے والنظم من المیزان وکذلک جمع
الطلاق الثلاث یقع مع النهی عن ذلك نهی تحریم عند بعضهم
ونهی کراهة عند بعضهم اور اگر حاملہ کو طلاق نہیں پڑتی تو قرآنِ کریم میں حاملہ کی عدت
کے متعلق واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن کیوں آیا، ان بعض کا کہنا
صحیح نہیں لہٰذا بغیر حلالے کے کوئی صورت نہیں، قرآنِ کریم کا یہ فتویٰ کسی عالم کہلانے والے
مدعی کے ٹالنے سے ٹل نہیں سکتا اور طلاق ابغض الحلال عند اللہ تعالیٰ ہے اور ناراضگی ہی



میں ہوتی ہے، رضا و عدمِ رضا کا اثر نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۵ ر ذوالحجہ ۶۷ھ



کیا دورانِ حمل میں طلاق جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

مستفتی: نور احمد طھر بقلم خود ساکن لدھیوال ضلع منٹگمری





بلاشک وشبہہ وگنجائشِ ریب یقیناً حاملہ عورت پر طلاق واقع ہو جاتی ہے، تمام کتبِ فقہ میں یہی ہے، چاروں اماموں کا مذہب ہے کہ حاملہ پر طلاق واقع ہو جاتی ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں، اگر جائز نہ ہوتی تو قرآنِ کریم نے یہ کیوں بتایا کہ حمل والی کی عدت وضعِ حمل ہے، سورۂ طلاق پارہ اٹھائیسواں میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴۶ میں ہے وطلاق الحامل یجوز۔



واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

قالہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بخدمت فیضدرجت ابرکرامت بحرِسعادت جناب حضرت مولانا صاحب دام ظلکم

السلام علیکم، مزاج مبارک! خلاصہ درج ذیل مسئلہ کی تحقیق بموجب شرع شریف بحوالہ کتب سنن وقرآن شریف فرماکر مشکور فرمائیں، بینوا توجروا۔

زید اپنی منکوحہ بیوی کو بوجہ عدم موافقت طلاق دینا چاہتا ہے مگر بیوی حاملہ ہے حمل ظہور ہو چکا ہے، کیا بموجب شرع شریف اس صورت میں مرد طلاق دے سکتا ہے؟ نیز طلاق مؤثر بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ طلاق نہ دینے کی صورت میں مزید حالات ہونے کا اندیشہ ہے۔ زیادہ دعا آداب نیازمند:۔ درویش احمد وٹو ولد جہانگیر خان وٹو بہوشیخو کا





شرعاً حاملہ کو بھی طلاق دی جا سکتی ہے، قرآنِ کریم اٹھائیسویں پارہ سورۃ الطلاق میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن اور سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۲۱ میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دی، حضور نبی کریم صلی اللہ

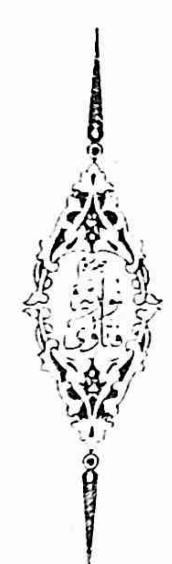




تعالیٰ علیہ وسلم نے جائز رکھا اور فرمایا بلغ الکتاب اجلہ نیز اسی سنن کے ص ۳۲۵ میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا فاما الحلال فان یطلقہا طاہرا من غیر جماع او یطلقہا حاملا مستبینا حملہا اور سنن دار قطنی ص ۴۲۷ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے ہے الطلاق للسنۃ ان یطلقہا طاہرا من غیر جماع او عند حبل قد تبین، بہر حال حاملہ کی طلاق جائز ہے جو بالاجماع واقع ہو جاتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم وعلیٰ آلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ
۶ ر شوال المکرم ۱۳۹۳ھ / ۲۵-۱۱-۱۹۷۳





مجبور شخص کی طلاق





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ مسمی محرم ولد منگا مراثی کے ہمراہ عورت کا خاوند مسمی نور احمد تھا، ہر دو کو جبراً پکڑا گیا سخت دھمکی دی گئی کہ یا تو طلاق دے یا تمہیں سخت تکلیف دی جاوے گی۔ ہر دو کا بیان ہے کہ جان کے خطرے سے جس طرح وہ کہلواتے گئے کہا گیا، تحریر انہوں نے خود کی ہے، اس پر ہر دو کا انگوٹھا لگوایا گیا، چونکہ وہ جاہل ہیں لہذا انہیں معلوم نہیں کہ کیا لکھا گیا ہے، زبانی عورت کے خاوند سے اتنا کہلوایا گیا کہ میں نے طلاق دی، ہر دو کے انگوٹھے لگوا کر چھوڑ دیا گیا اور ساتھ ہی مسمی نادر حصہ دار وٹو نیچے کا سکنہ جیک مراد لے ہمیں آئی دفعہ یہ کہا کہ یہ کاغذ طلاق نامہ ابھی تک کچا ہے، اگر مبلغ تین صد روپیہ

دے دو تو کاغذ پھاڑ دیا جاوے گا، یہ دونوں آدمی پانچ سات یوم کا وعدہ کر کے آ گئے، ہر دو کا بیان زبانی سن کر صحیح بات عرض ہے۔

سائل : حاجی جلال الدین وٹو، جمال کوٹ

تحریرکنندہ : صدر سپیشل ہیڈ ماسٹر جمالکوٹ بقلم خود

۲۷/۷/۵۰





اگر صورتِ مسئولہ صحیح اور واقعی ہے اور خاوند نے صرف اتنا کہا کہ میں نے طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوئی کہ طلاق میں عورت کی طرف نسبت نہ ہو تو واقع نہیں ہوتی، درالمختار باب الصریح کے اوائل میں ہے لم یقع لترک الاضافۃ۔ رہی تحریر تو اس پر صرف انگوٹھہ زبردستی لگانا لغو ہے اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی خواہ کچھ تحریر ہو اگرچہ جانتا بھی ہو کہ اکراہ کی صورت میں تحریر غیر معتبر ہے، شامی میں ہے فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق بلکہ اس صورت میں تو زبردستی کرنے والے خود بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ کاغذ کچا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید کا نکاح مسماۃ کلثوم سے عرصہ دس بارہ سال کا ہوا ہوا ہے، کلثوم کے والد نے پانچ چھ آدمیوں کو بھیج کر مسمی زید سے مار پیٹ کر کے اور سختی کر کے طلاق ایک کاغذ پر بصورتِ انگوٹھا لی ہے (سائل نے زبانی تشریح کی کہ کاغذ پر اور کچھ نہیں لکھا ہوا تھا بلکہ سفید کاغذ پر انگوٹھا لگوا لیا، جبراً زدوکوب کر کے، اور بعد میں نظام الدین نے وہ کاغذ دکھایا، سفید تھا، صرف انگوٹھا تھا) حالانکہ مسمی زید کہتا ہے کہ میں نے زبان سے کوئی الفاظ نہیں بولا اور نہ کہا ہے، آیا یہ نکاح ٹوٹ گیا ہے یا کہ نہیں؟ حوالہ کتب حدیث قرآن سے دیا جائے ۶ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ، اور اس پرچے سے نہیں ہوا ہے کہ جو لڑکی کے وارث تھے، نور احمد اور نظام الدین کہتے رہے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی ہے، اب دو ماہ گزرنے کے بعد لڑکی کے وارث کہتے ہیں کہ طلاق ہو گئی ہے۔

المستفتی : میاں عارف شاہ قریشی سکنہ ہڑپہ ضلع منٹگمری

نشان انگوٹھا سائل عارف شاہ مذکور

سمندا ولد قاسم قوم سیال چک ۴/۳ فور ایل

رمضان ولد علاول قوم سیال چک ۴/۳ فور ایل

معراج ولد سجاول قوم سیال چک ۴/۳ فور ایل

سائل نے زبانی یہ بھی بیان کیا جو نوٹ کی صورت میں تحریر ہے۔

(نوٹ) لڑکی کے وارث امام مسجد ہیں اور اپنے خیال سے مولوی اور عالم ہیں اور

پہلے کہا طلاق نہیں بعد میں کہا طلاق ہوگئی ۔
نشان انگوٹھا سائل عارف شاہ مذکورہ بالا ۔





اگر صورتِ مسئولہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو بلاشک وشبہ وریب طلاق واقع نہیں ہوئی، یہ تو صرف انگوٹھا ہے اور وہ جبرًا لگوایا گیا ہے حالانکہ اپنے ارادہ ورضا ورغبت سے دستخط کردے تب بھی کچھ نہیں جب تک طلاق کی تحریر نہ ہو بلکہ اگر زبان سے بھی اپنا نام بول دے اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ پانچ کروڑ مرتبہ بول دے تب بھی کچھ نہیں جبکہ طلاق کا لفظ نہیں بولتا، آخر وہ کونسا انسان شادی شدہ ہے جو اپنا نام کبھی نہیں بولتا اور جب بولدے تو اس کی عورت کو مطلقہ سمجھا گیا ہو، کیا یہ مولوی لوگ جو جاہلوں سے بھی بدتر حرکتیں کرتے ہیں، کبھی اپنا نام نہیں بولتے یا دستخط نہیں کرتے، اگر ان کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ زید کے صرف سادہ کاغذ پر انگوٹھا لگوا لینے سے بھی طلاق ہوگئی، تو ان کی اپنی عورتیں مدت سے مطلقہ ہوگئیں اور ان کا گھر رکھنا عورت بنانا، ہم بستری کرنا سب کا سب حرام اور بے دینی ہے، ایسے مولوی بننے والے اسلام کو بدنام کررہے ہیں، اہلِ اسلام کا فرض ہے ان سے الگ تھلگ رہیں اور ان کے پیچھے نمازیں نہ پڑھیں اور بالکل پرہیز کریں کہ وہ ایمان کے ڈاکو ہیں اور اگر ان میں ذرہ بھر بھی سچائی ہے تو دلیل لائیں کہ شرع ان کی خواہشاتِ نفسانیہ کا نام نہیں، شرعًا عرفًا عقلاً طلاق الفاظِ طلاق کے بولنے یا بلاجبر واکراہ لکھنے یا لکھے ہوئے پرسن کر سمجھتے ہوئے



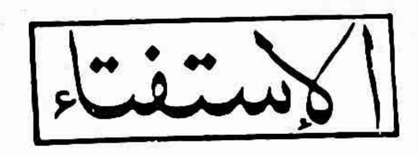
دستخط کرنے یا انگوٹھا لگانے سے واقع ہوتی ہے اور اگر جبر واکراہ سے پوری طلاق باقاعدہ عورت کے نام نسب سے بھی لکھوالے تب بھی طلاق نہیں پڑتی، فقہائے کرام اور ماہرین شرع مطہر نے بالکل مشرح طور پر تصریح فرمادی ہے، فتاوی قاضی خان ج۲ ص۲۱۹، خلاصۃ الفتاوی ج۲ ص۹۱، شرح الاشباہ والنظائر للحموی عن مجمع الفتاوی ص ۵۲۷، بحرالرائق عن الخانیہ والبزازیہ ج۳ ص ۲۴۶، شامی عن البحر ج۲ ص۵۷۹، فتاوی عالمگیری عن الخانیہ ج۲ ص ۶۳، ۶۴ والنظم منها رجل اکره بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فکتب فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته تو امس وشمس کی طرح واضح ولائح ہوا کہ اگر یہ سوال صحیح ہے تو طلاق ہرگز ہرگز نہیں واقع ہوئی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۱ر محرم الحرام ۷۳ھ





باسمہ سبحانہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حضرت قبلہ شیخ الحدیث والتفسیر مدظلہم العالی

بعد نیاز السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: ۔ جواب باصواب سے مشرف فرمائیں۔



کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ مبین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید سے ایک مجلس میں مجبور کر کے ایک لکھے ہوئے طلاق نامہ پر انگوٹھا لگوا لیا حالانکہ زید نہ اس سے پہلے طلاق دینے پر رضامند تھا، نہ بعد میں رضامند ہوا بلکہ جس وقت نشان انگوٹھہ لگوایا گیا اس وقت بھی انکار کرتا رہا مگر نمبردار دیہ نے ڈرایا اور زدوکوب پر آمادگی ظاہر کی اور باہر نکلنے کے راستے اپنے ملازمین سے بند کروا لئے، ناچار زید نے طلاقنامہ پر اپنا انگوٹھہ لگا دیا لیکن زبانی صراحۃً یا کنایۃً زید نے طلاق نہیں دی بلکہ انکار ہی کرتا رہا، آیا یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو غیر مدخول بہا کے حق میں کونسی ہوئی؟ بینوا توجروا عند اللہ العظیم۔

المستفتی: العبد الحقیر غلام رسول غفرلہٗ، مؤرخہ ۲۸ شوال المکرم ۷۷ھ





اگر صورتِ سوال صحیح ہے اور واقعی زید انکارِ طلاق کرتا رہا اور جبراً انگوٹھہ لگوایا گیا تو طلاق واقع نہیں ہوئی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان فکتب امرأتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأتہ کذا فی فتاویٰ قاضی خان (عالمگیری ج ۲ ص ۶۳، ۶۴)

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۸ شوال المکرم ۷۷ھ



الاستفتاء

از چک ۱۴۱۵/ای-بی ۲۳/۱۲/۶۵

بحضورِ فیض گنجور حضرت قبلہ وکعبہ استاذی وملاذی ومرشدی ومولائی حضرتِ قبلہ فقیہِ اعظم دامت برکاتکم العالیہ علی وعلی جمیع المسلمین الی یوم الدین،

السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ :- فقیر بخیریت ہے، مزاجِ معلیٰ نیک مدام مطلوب۔ بعدازیں گذارش ہے کہ ایک مسئلہ حضور سے دریافت کرنا تھا لیکن بوجہ مصروفیت آپ حضور کی نہ پوچھ سکا۔ صورتِ مسئلہ حاضرِ خدمت ہے، مختصر جواب دیکر مشکور فرماویں حضور کی غریب نوازی ہوگی۔



صورۃِ مسئلہ

مسمی زید، سلمہ کو اغوا کر کے لے گیا، سلمہ چونکہ بالغہ تھی اس لئے اس نے ساتھ ہی نکاح بھی کر لیا، سلمہ کے لواحقین تگ ودو کرتے رہے کہ کسی نہ کسی طرح سلمہ کو واپس لے آئیں لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے، آخر ایک دن موقع پا کر انہوں نے زید کو پکڑ قابو کیا اور اپنے گھر لے آئے اور زید سے طلاق لے لی اور سلمہ زید کے باپ کے پاس ہی رہی، یعنی اکیلا زید ان کے قابو میں آگیا۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے طلاق نامہ کے کاغذ پر انگوٹھا لگا دیا زبان سے نہیں کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں، آیا یہ طلاق ہو گئی یا نہیں ہوئی؟ سلمہ کے باپ کا کہنا ہے کہ بوقت قید تقریباً بیس پچیس دن جو اسے انہوں نے جس میں اپنے پاس رکھا کہ زید نے میرے سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، سلمہ میری ماں ہے اور بہن، میں



یہاں سے آزاد ہوتے ہی آپ کے پاس بھیج دوں گا، پھر زید کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور گھر جاکر سلمہ سے پھر میاں بیوی والے تعلقات استوار کر لئے تقریباً ۸ - ۹ ماہ بعد سلمہ کے وارث سلمہ کو زبردستی اس سے چھین کر لے آئے ہیں، اب اسی سابقہ طلاق پر دوسرے مرد کے ساتھ سلمہ کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ایک مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ زبان سے کہنا لازمی ہے لہٰذا وہ پہلی طلاق نہیں وہ مُکرَہ شمار کیا جاتا ہے۔ برمذہب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نیز زید کا دوبارہ رہا ہو کر اس کے ساتھ دخول وغیرہ کرنا طلاق پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر واقعی طلاق نہیں ہوئی تو ہمارے اوپر یعنی نکاح خواں اور شاہدین اور حاضرین مجلسِ نکاح پر شرعی حکم کیا عائد ہوتا ہے؟ جواب مختصر تسلی بخش، والسلام مع الوف الاحترام۔

المستفتی: زبیر احمد سرور نوری
۲۹ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ





نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اگر زید سلمٰی کا ہم کفو تھا اور کوئی اور مانع عن النکاح بھی نہ تھا تو مجبور امکرہ ہونے کی صورت میں صرف انگوٹھا لگانے سے طلاق نہیں جب تک کہ اپنے ہوش و حواس سے زبان سے لفظِ طلاق نہ کہا اور نہ ہی صرف ماں بہن کہنا طلاق ہے، اور جب طلاق ہوئی ہی نہ تو دخول وغیرہ سب جائز ہوا اور اس کا طلاق نہ بننا تو آفتاب سے بھی روشن تر ہے۔ اگر آپ لوگوں نے سابق نکاح کا ثابت ہونا جان کر نکاح کیا اور نکاح پر نکاح غیر جائز رکھا تو ایسے سب لوگوں پر فرض ہے کہ دل سے توبہ کریں اور نئے سرے سے کلمۂ اسلام



پڑھ کر اسلام لائیں اور جو خود شادی شدہ ہیں وہ اپنی بیویوں سے دوبارہ نکاح کریں اور اگر طلاق جان کر ایسا کیا تو پھر بھی توبہ ضرور کریں کہ بلا استفسار از علماء اور بلا تحقیق یہ حرکت کیوں کی؟ اور ساتھ ہی طاقت ہو تو زید کی بیوی سلمیٰ زید کو دلائیں کہ اس ظلمِ بد کی قدرے تلافی ہو سکے۔ یہ احکام فتاویٰ عالمگیر جلد ثانی وغیرہ سے روشن ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۳۰ شعبان المعظم ۸۵ھ ۲۳/۱۲/۶۵

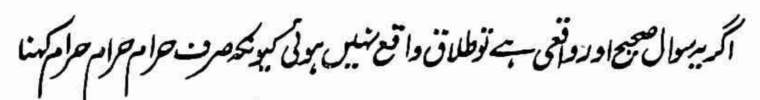
الاستفتاء



اس مسئلہ میں کیا علمائے دین اور مفتیانِ عظام فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو باندھ کر جبراً طلاق دینے کا آرڈر کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں اگر تو نے طلاق نہ دی تجھے مار دیں گے اور مارتے ہیں اور دوسرا شخص معتبر کہتا ہے اس کو، تو طلاق دیکر اپنی جان بچا کر بھاگ جا۔ وہ شخص تین دفعہ حرام حرام حرام کہتا ہے اور طلاق کی نیت نہیں کرتا اور طلاق کے الفاظ بھی نہیں بولتا، کیا اس کے کہنے سے طلاق ہو جائیگی یا نہیں؟ آپ کتبِ معتبرہ کے حوالہ جات سے جواب فرمائیں۔

از مولوی چراغدین صاحب، چک ۲۴۲ گ ب تحصیل ٹوبہ





اگر یہ سوال صحیح اور واقعی ہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ صرف حرام حرام حرام کہنا



طلاق نہیں اور اجبار و اکراہ قرینۂ قویہ ہے کہ اس نے کوئی نیت نہیں کی اور خود سوال میں بھی تصریح ہے کہ طلاق کی نیت نہیں کرنا تو طلاق کیسے واقع ہوئی دنیا کی ہزاروں لاکھوں حرام اشیاء موجود ہیں اور اس نے اپنی بیوی کی طرف نسبت نہیں کی تو بیوی کیوں حرام ہو جبکہ فقہاء عظام تصریح فرماتے ہیں کہ نسبت الی المنکوحہ نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہو سکتی کما فی البحر وغیرها وذا ظاهر مستبین من الکتاب الکریم والاحادیث الشریفۃ وتصریحات الائمۃ الکرام کالشمس والامس، رہا یہ کہ اکراہ کرنیوالوں کے اکراہ علیٰ طلاق المرأۃ کو قرینہ بنادیا جائے تو صحیح نہیں کیونکہ زوج کا مجبور و مظلوم ہونا اور طلاق سے انکار وغیرہ کوائف قرینہ عدم الاضافۃ والنسبۃ ہیں حالانکہ قرآنِ کریم نے زوج ہی کو الذی بیدہ عقدۃ النکاح فرمایا اور حدیث ابنِ ماجہ وغیرہ سے ثابت ہے کہ الطلاق لمن اخذ بالساق لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ابدا ابدا۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہ الباری والمہتمم لدار العلوم حنفیہ فریدیہ
بصیر پور ضلع ساہیوال

۱۱ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ / ۲۸/۶/۷۷



الاستفتاء

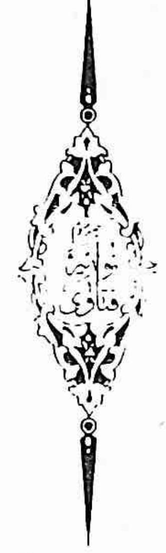
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ بکر، زوجۂ زید کو اغوا کرکے لے گیا اور چند سال بعد میں بکر نے طلاق حاصل کرنے کی بہت کوشش کی، آخر زید کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اتنا روپیہ لے کر طلاق دیدے چنانچہ ایک جگہ



زیداور بکر دونوں اکٹھے ہو گئے اور زید نے زبان سے تین طلاقیں دے دیں اور تحریر بھی کر دیا اور زید نے گھر جاکر یہ ظاہر کرنا شروع کیا کہ مجھے ڈرا دھمکا کر طلاقیں حاصل کی گئی ہیں، اگر ڈرا دھمکا کر طلاقیں حاصل کی گئی ہوں تو کیا حکم ہے، زدو کوب کچھ واقع نہیں ہوا، بینوا توجروا۔

سائل : حسن احمد بقلم خود ۲۸/۶/۴۷





اگر روپیہ وصول کر کے زید نے طلاقیں دیں تو بلاشبہ واقع ہو گئیں اور ایسے ہی محض ڈرا دھمکا کر حاصل کرنے کی صورت میں بھی، فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۵۹۰، تنویر الابصار تحریراً، درالمختار، ردالمحتار تقریراً ج ۵ ص ۱۱۷ میں ہے والنظم من التنویر وصح نکاحہ وطلاقہ۔ اور جب ارادۂ طلاق سے بکر کے پاس گیا جیسے سوال میں مبیّن ہوا تو ظاہر یہی ہے کہ ڈرانے دھمکانے کو بہانہ بناتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

تحریری طلاق





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس صورت میں کہ ایک شخص نے کاتب کو کہا کہ میری عورت کو طلاقیں لکھ دے، کاتب نے اس کا نام مع ولدیت لکھ کر انگوٹھا لگوا دیا، رقم جو نکاح پر خرچ ہوئی تھی وہ ایک اور آدمی کے پاس انگوٹھے لگوانے سے پہلے لڑکی کے وارثوں سے لکھوائی انگوٹھا کاتب نے زوج کا لگوا کر لڑکی کے وارثوں کو دے دیا، زوج سے زبانی طلاق نہیں لی گئی، کیا یہ طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ جواب دو، اجر ملے گا بینوا توجروا۔

المستفتی: غلام رسول ولد میاں عبدالرحمٰن ساکن بھوریوالہ



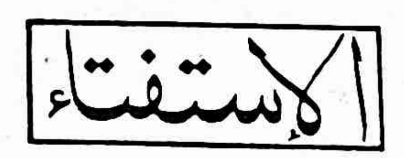


اگر صورت مسئولہ واقعیہ ہے تو طلاق واقع ہوگئی، زبانی دوبارہ کہنا شرط نہیں بلکہ کاتب کا لکھنا بھی شرط نہیں، صرف کاتب کو ایک مرتبہ کہہ دیا کہ میری عورت کو طلاق لکھ دے کافی ہے کہ یہ اقرار طلاق ہے، شامی میں ہے ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب، ج ۲ ص ۵۸۹، عدت پوری کر کے عورت کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۵ رجب المرجب ۱۳۸۷ھ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید کی بیوی کسی وجہ ناراض ہو کر اپنے میکے چلی گئی، چند دنوں کے بعد کچھ زمینداروں نے صلح کرانے کے ڈھنگ سے زید کو کہا کہ ہم تمہاری صلح کراتے ہیں اس لئے تو اس کاغذ پر انگوٹھا ثبت کر دے، چنانچہ اس نے لگا دیا۔ بعد ازاں انہوں نے اسی کاغذ پر طلاق نامہ تحریر کر کے



فریقین کو سنا دیا کہ طلاق واقع ہوگئی تو زید نے سنتے ہی انکار کر دیا کہ میں نے تو ہرگز ہرگز طلاق نہیں دی اور میں نے تو صرف صلح کے لئے ہی انگوٹھا لگایا تھا چنانچہ عدت پوری ہونے کے بعد نکاح ثانی کیا گیا۔ امر مطلوب یہ ہے کہ دھوکہ سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ حالانکہ خاوند انکار ہی کرتا رہا کہ میں نے ہرگز ہرگز طلاق نہیں دی، بینوا توجروا۔

المستفتی: سید محمد قوم موچی ساکن چشتی قطب الدین تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری





اگر صورتِ سوال صحیح و درست ہے تو بلاشک و شبہ و ریب طلاق واقع نہیں ہوئی، دھوکا دینے والے اور صلح کا نام لیکر انگوٹھا لگوانے والے سخت گنہ گار اور فریب کار، مستوجبِ نار ہیں، ان پر لازم کہ توبہ کریں اور ایسے سخت جرموں سے بچیں اور وہ نکاح ثانی جو کسی غیر سے کیا گیا ہے بالکل ناجائز و ناروا و حرام ہے، قرآنِ کریم میں ہے والمحصنٰت من النساء۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۵/۱/۵۸



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو غصہ میں آکر اس گاؤں کے نمبردار کو بلا کر کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں اور نمبردار نے ہدایت کی کہ طلاق نہ دو لیکن وہ نہ رُکا اور کہنے لگا کہ یہ عورت مجھ پر بہتان لگاتی ہے لہذا اس بیوی کا کاغذ لکھ دے۔ نمبردار صاحب اسکے پیار کی وجہ سے بجائے لفظِ طلاق تین بار لفظِ حرام حرام حرام طلاق نامہ کے اندر لکھا اور زبان سے بھی یہی لفظ کہلوائے اور بیوی کا نام نہ کاغذ پر لکھا نہ کہلوایا کہ صرف اس کا غصہ مٹ جائے، پھر اس عورت کو گھر سے نکال دیا، وہ عورت اپنے ماں باپ کے گھر نہ گئی اور کسی رشتہ دار کے گھر ٹھہری، کیا یہ آدمی اس عورت کو اپنے نکاح میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: سکندر علی نمبردار چک 9/K.B ڈاکخانہ کلیانہ تحصیل پاکپتن شریف ۲۹ صفر المظفر ۸۷ھ



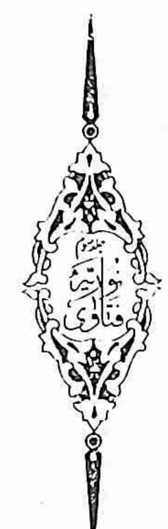


اگر سوال مندرجہ بالا صحیح اور درست ہے تو از روئے ظاہر اس عورت پر دو طلاقیں واقع ہو چکی ہیں کہ اس کا یہ کہنا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں طلاقِ صریح ہے، شامی ج ۲ ص ۵۹۱ میں بحرالرائق سے ہے وکذا المضارع اذا غلب



فی الحال مثل اطلقتک، پھر اس کا نمبردار کو کہنا کہ اس کی بیوی کا کاغذ لکھ دے اقرارِ طلاق ہے حتی کہ اگر پہلا لفظ بھی نہ کہا ہوتا اور نمبردار بھی کچھ نہ لکھتا تب بھی ایک طلاق پڑجاتی۔ شامی علیہ الرحمہ نے ج ۲ ص ۵۸۹ میں فرمایا ہے ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب لہذا یہ کہنا پہلے لفظ کا مؤید بنا تو ایک طلاق واقع ہوگئی[عہ] اور تین مرتبہ حرام حرام کہلوانے سے ایک اور طلاقِ بائن واقع ہوگئی کہ لفظِ حرام باعتبارِ عرف، طلاقِ صریح بن چکا ہے شامی ج ۲ ص ۵۹۴ میں ہے افتی المتأخرون فی انت علی حرام بانہ طلاق بائن للعرف بلا نیۃ اور اضافۃ الی المرأۃ، ماقبل پر ترتب کی وجہ سے کالصریح ہے، اور شامی ج ۲ ص ۵۹۰ میں ہے ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ، پھر اس لفظِ حرام مکرر سے ایک ہی طلاق پڑے گی، شامی ج ۲ ص ۶۴۵ میں ہے انہ لایلحق البائن ولا یلحقہ البائن ہاں اگر تین طلاقوں کی نیت سے کہا ہے تو ظاہر ہے کہ تین طلاقیں واقع ہوگئیں، شامی ج ۲ ص ۵۹۶ میں ہے قد صرحوا بانہ تصح نیۃ الثلاث فی انت علی حرام پس اگر دو واقع ہوئی ہیں تو عورت بوجہ بینونت نکاح سے نکل گئی مگر نکاح ہوسکتا ہے، اور اگر تین واقع ہوئی ہیں تو بعد از تحلیل (یعنی بعد از عدت وہ عورت کسی اور مرد سے نکاحِ صحیح کرے اور بعد از مجامعت وہ مرد طلاق دے اور عدت گزر جائے) نکاح کرسکتا ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی



[عہ] ہاں اگر طلاق دیتا ہوں سے مراد محض اظہارِ ارادہ ہو اور "کاغذ لکھ" سے مراد محض امر ہو تو یہ طلاق نہ پڑی مگر لفظِ حرام سے پھر بھی طلاقِ بائن پڑ گئی ۱۲ منہ غفرلہ





اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۲ ربیع الاول ۸۰ھ

الاستفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی محمد عاشق ولد جو عنظہ زرگر نے اپنی عورت مسماۃ شرفاں بی بی کو طلاق دے دی، صورت طلاق دینے کی یہ ہے کہ لکھنے والے کو کہا کہ طلاق لکھ دے، لکھنے والے نے طلاق نامہ میں لفظِ طلاق تین بار طلاق، طلاق، طلاق لکھ دیا اور طلاق نامہ کے اختتام پر عاشق محمد مذکور نے دستخط بھی کر دیئے اور طلاق نامہ پر گواہاں کے نشان انگوٹھے بھی ثبت ہیں۔ اس کے بعد ایک ہفتہ کے اندر عاشق محمد طلاق دہندہ نے اپنی بیوی شرفاں بیوی سے صلح کر لی ہے۔

اس طلاق کو وقوع پذیر ہوئے اب تقریباً چھ سال گذر چکے ہیں، اس صورت میں یہ کونسی طلاق واقع ہوتی ہے، طلاقِ رجعی ہے یا طلاق بائن ہے یا طلاقِ مغلظہ ہے، کونسی طلاق ہے اور طلاق دہندہ عاشق محمد اور مطلقہ شرفاں بی بی دونوں کے متعلق شریعتِ محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا حکم ہے؟

مسماۃ شرفاں بی بی اپنے طلاق دہندہ خاوند عاشق محمد کے ساتھ کس صورت میں ازدواجی زندگی گذار سکتی ہے، اس مسئلہ میں جو بھی فقہ حنفیہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، تفصیلاً فتویٰ تحریر فرمادیں تاکہ عاشق محمد زرگر شریعتِ محمدِ مصطفےٰ





صلی اللہ علیہ وسلم پر چل کر اپنی عاقبت سنوار سکے۔

العبد: حقیر فقیر مولوی غلام مرتضےٰ علوی، وینڈلہ جاگیر تحصیل دیپالپور

گواہ شد	گواہ شد
قاسم علی ولد شیر محمد بھتیجہ محمد عاشق	محمد فاضل ولد حویغطہ برادر حقیقی محمد عاشق
(قاسم علی بقلم خود)	(محمد فاضل بقلم خود)

(سائل وطلاق دہندہ)

محمد عاشق بقلم خود





اگر محمد عاشق کے لفظ طلاق لکھ دینے میں نیت ایک طلاق کی ہے اور ایک ہی طلاق سمجھ کر دستخط کئے ہیں تو طلاق ایک ہی واقع ہوئی رجعی جس سے رجوع ہو گیا اور معاملہ صاف ہو گیا اور اگر تین طلاق کی نیت ہے تو طلاق مغلظہ پڑ گئی اور یونہی اگر اس نے تحریر پڑھ کر دستخط کئے تو ان دونوں صورتوں میں طلاق مغلظہ ہی واقع ہو گئی اور ان کا زن و شوہر بن رہنا حرام اور نزدیکی حرام ہے، اب تصحیح کی صورت حلالہ ہی ہو سکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۲۹ ربیع النور ۱۴۰۰ھ

۱۲۔۲۔۸۰



الاستفتاء

بزرگوارم قبلہ حضرت مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب دامت برکاتہم

سلام مسنون !

اللہ تبارک وتعالیٰ بطفیل اپنے حبیبِ پاک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ کو کثیر در کثیر ترقیات و درجات سے سرفراز فرمادیں اور اہلِ سنت کے سروں پر آپ کا سایہ سلامت رکھیں، آمین۔

حسبِ ذیل مسئلہ کا جواب محققانہ اور صحیح ارسال فرمادیں، مہربانی ہوگی۔

ایک شخص عاقل بالغ تعلیم یافتہ سوا چھ روپے کے اسٹامپ فارم پر اپنی بیوی کو یوں طلاق دیتا ہے تحریراً کہ میں مسمّٰی فلاں بن فلاں، فلاں شہر کے رہنے والا اپنی بیوی فلاں بنت فلاں، جو کہ اتنے عرصہ سے میری زوجیت میں ہے، چند گھریلو معاملات کی وجہ سے طلاق بائنہ دیتا ہوں، زوجہ مذکورہ فلاں بنت فلاں مجھ پر قطعاً حرام ہے، اس کو حق حاصل ہے کہ اپنا نکاح جہاں چاہے کرے، دو گواہوں کے دستخط کرواکر اور خود بھی دستخط کرکے بذریعہ ڈاک لڑکی کے حقیقی باپ کو جو کہ اپنی لڑکی کا کلی طور پر مختار ہے، بھیجتا ہے، لڑکی کا باپ اس طلاق نامہ کو وصول کرلیتا ہے اور جواب میں لڑکی سے مشورہ کرکے لکھ دیتا ہے کہ مجھے منظور ہے۔ پھر پانچ سات آدمی لے کر طلاق دینے والے لڑکے کے پاس جاتا ہے اور اس سے ساڑھے تین صد روپیہ حق مہر بھی وصول کرلیتا ہے، چنانچہ مشہور ہوجاتا ہے کہ طلاق ہوگئی اور وہ طلاق دینے والا لڑکا کسی اور جگہ اپنی شادی کرلیتا ہے، لوگ اس سے پوچھتے





ہیں پہلی شادی کی بابت تو وہ کہتا ہے، میں نے طلاق دے دی ہے چنانچہ ایک سال تین ماہ کے بعد وہی لڑکا اپنی اس پہلی بیوی سے، جس کو طلاق دی تھی، شادی کر لیتا ہے، حالانکہ اس کی پہلی بیوی نے کسی اور سے شادی نہیں کی ہے لہذا اب فرمائیے کہ وہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ سارے شہر میں لوگ کہتے ہیں کہ یہ نکاح ناجائز ہے، لڑکا کہتا ہے کہ جائز ہے اور شہر قصور کے ایک دیوبندی مولوی عبدالرحمٰن کا لکھا ہوا فتویٰ بھی دکھاتا ہے، اور میں نے وہ فتویٰ خود دیکھا ہے جس میں مولوی مذکور نے لکھا ہے کہ نکاح جائز ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ بہت ہی جلدی اس مسئلہ کو صحیح و واضح مدلل بیان فرمائیے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

نیز یہ بھی ارشاد فرماویں کہ غیر سید کا سید زادی سے نکاح جائز ہے؟

والسلام

تابعدار : حافظ محمد شفیع غفرلہ، اوکاڑہ، بقلم خود





الفاظ مندرجۂ استفتاء سے ایک طلاق بائن واقع ہوئی، چند تاکیدوں کے ساتھ نہ یہ کہ دوسرا جملہ "زوجہ مذکور الخ" دوسری طلاق بن جائے اور تیسرا جملہ "اسکو حق الخ" تیسری طلاق بن جائے، شامی ج۲ ص ۴۷۶ فی الکافی للحاکم الشھید الذی ھو جمع کلام محمد فی کتب ظاھر الروایۃ حیث قال واذا طلقھا تطلیقۃ بائنۃ ثم قال لھا فی عدتھا



انت علیّ حرام او خلیۃ او بریۃ او بائن او بتۃ او شبہ ذٰلك وهو یرید به الطلاق لم یقع علیها شیئ۔

اور ایسے ہی تحریر کرنا خود دستخط کرنے یا گواہوں کے دستخط کرانے بذریعہ ڈاک بھیجنا وغیرہ کچھ بھی طلاق نہیں اور نہ ہی ان اشیاء میں صلاحیتِ طلاق جدید ہے، اور اسی طرح دریافت کرنے والوں کے جواب میں کہنا کہ" میں نے طلاق دے دی ہے" بھی انشاءِ طلاق نہیں بلکہ محض اخبارِ امرِ واقع ہے۔

بہرحال طلاق صرف ایک واقع ہوئی گو بائن مؤکد اور ایک طلاق بائن کے بعد بالاجماع یقیناً قطعاً بلاشک وشبہ وریب عدت کے اندر اور باہر ہر وقت طلاق دہندہ سے نکاح جائز ہے، متنِ درمختار میں ہے مع تقریر الشامی ایضاً ج ۲ ص ۷۳۸ و

ینکح مبانته بما دون الثلاث فی العدۃ وبعدها بالاجماع

لہٰذا دوبارہ اسی مطلقہ سے نکاح جائز وصحیح و نافذ ہے جبکہ کوئی اور مانع ومنافی نہ ہو

واللّٰه تعالٰی اعلم وصلی اللّٰه تعالٰی علٰی حبیبه و اٰله و صحبه و بارك وسلم۔



۲۔ اس کی بہت سی صورتیں ہیں، بعض میں نکاح جائز اور بعض میں ناجائز، لہٰذا جو صورت واقع ہے اس کے متعلق بالتفصیل دریافت فرمائیں تو باذنہٖ تعالٰی جواب دیا جائےگا، تمام صورتوں کے جوابات لکھنے کا وقت نہیں کہ آپ کو میری مصروفیات کا بخوبی علم ہے۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللّٰہ النعیمی غفرلہ ربہ العلی ۱۵۔۱۔۵۴

نوٹ: سائل نے اپنے مکتوب کے اندر "محمد" پر علامتِ درود شریف کے طور پر "ﷺ" کا نشان دیا تھا جو شرعاً سخت منع ہے لہٰذا سائل کی تنبیہ اور افادۂ مسلمین کے لئے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے درج ذیل نوٹ کا اضافہ فرمایا۔

(مرتب)



"نیز یہ جو مشہور ہے اور اسکی بناء پر آپ نے بھی میرے نام پر "ص" لکھدیا ہے، یہ سخت ناجائز ہے کہ درود شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہے نہ کہ ہمارے لئے اور پھر حضور کے اسمِ مقدس کے ساتھ بھی یہ "ص" لکھنا ناجائز ہے کہ یہ رمز ہے اور حکم پورے درود شریف کا ہے رمز کا نہیں، شیخِ محقق عبدالحق اور امام جلال الدین سیوطی اور امامِ نووی اور امامِ اہل سنت والجماعۃ مجددِ مائۃِ حاضرہ علیہم الرحمہ نے صاف طور پر اس کا رد فرمایا ہے۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ ان چیزوں سے بچائے وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

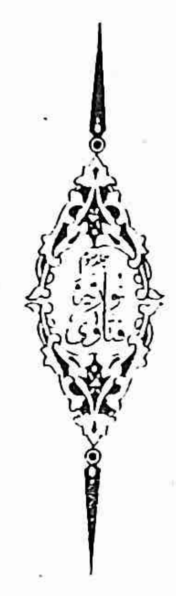
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ الحنفی النعیمی القادری



الفاظِ طلاق

باب لفاظ الطلاق

الاستفتاء



علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ مسمے چراغ ولد دھومل قوم ماچھی بھٹی سابقہ سکونت لاہودالا او تارڑ تحصیل محکمہ ضلع فیروزپور حال وارد چک گوکل والا تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری سکونت پذیر ہے، آج سے تیرہ سال یعنی ۱۹۴۲ء سے باپ کے گھر اس کی بیٹی مسماۃ فجاں بیٹھی ہوئی ہے جس کے خاوند فجو ولد کمالا ماچھی سکونت حال نتھے والیاں جھگیاں متصل بابا طاہر علیہ الرحمۃ، وہیں اس نے مذکورہ لڑکی فجاں اپنی زوجہ کو گھر سے نکال دیا اور دوسری شادی کرالی ہے والدین نے بہت کوشش کی ہے مگر وہ نہیں مانتے، اب سائلہ ثانی نکاح کرنا چاہتی ہے، اس کے متعلق قانونِ شریعت کے مطابق قرآنِ پاک اور حدیثِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اور متقدمین کے نزدیک کیا فیصلہ ہے کہ اس نے اپنی زوجہ مذکورہ بالا کے کپڑے اتروا کر زیورات لے کر گھر سے نکال کر کہا کہ آئندہ پھر ارادہ بھی نہ کرنا، میرا تیرے ساتھ کوئی نکاح نہیں رہا، جہاں تیری مرضی ہو آدے



کسی سے نکاح کرے، میں نے تجھے تین دفعہ طلاق دیدی ہے۔

یہ چند کلمات یقین کے ساتھ درست ہیں، اس کے متعلق قرآن وحدیث سے جواب دے کر مسماۃ نجاں ستم رسیدہ کی حق رسی کریں اور خدا سے اجر حاصل کریں فقط واللہ الموفق والمعین۔

تحریکنندہ نور محمد سربراہ نمبردار لدھو والا ناڑ سابقہ سکونت، حال وارد املی موتی تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری، اپریل ۵ ر ۱۹۵۶ء

جناب عالی: السلام علیکم: مذکورہ بالا تحریر درست کہ مجاں کے خاوند نے ہمارے سامنے ایسا کہا تھا کہ میں تجھے تین دفعہ طلاق دے چکا ہوں تو اپنا نکاح ثانی کرلے، کپڑے اس نے اتار لئے، زیورات لے کر گھر سے نکال دیا، اسے بلایا مگر اس نے جواب دیا۔ العبد نور محمد املی موتی ۷.۴.۵۶





اگر سوال صحیح ہے اور واقعی نجو نے مجاں کو یہ کہا ہے کہ میرا تیرے ساتھ کوئی نکاح نہیں رہا جہاں مرضی آئے کسی سے نکاح کرلے، میں نے تجھے تین دفعہ طلاق دے دی ہے، تو واقعی طلاق مغلظ واقع ہوچکی اور مجاں بلا حلالہ نجو کیلئے ہرگز ہرگز حلال نہیں ہوسکتی، قرآن کریم میں ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره۔

صحیح بخاری جلد ثانی ص ۷۹۱ کی حدیث شریف ہے ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبي صلى الله عليه وسلم

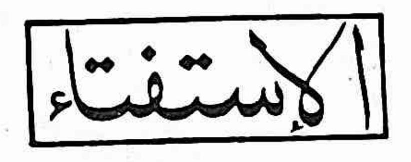


ان تحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۱۱۱ میں ہے ان کانت الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا و یدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها کذا فی الهدایة اور یہی مذہب ہے باقی تینوں اماموں کا۔

رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ ج ۲ ص ۸۰، میزانِ شعرانی ج ۲ ص ۱۲۶ میں بالفاظِ متقاربہ یہ ہے وکذلك جمع الطلاق الثلاث یقع، بہرحال اگر مجو نے یہ لفظ کہے ہیں تو فیجاں اس کے نکاح سے قطعاً خارج ہو چکی ہے اور چونکہ وہ حسب بیانِ زبانی سائل، مدخول بہا ہے تو عدت بھی اس پر لازم ہوئی جو غالباً گزر چکی ہوگی، ورنہ پوری کرے اور جہاں دل چاہے حسبِ دستورِ شریعتِ مطہرہ نکاح کر سکتی ہے، البتہ یہ بات باعثِ حیرت ہے کہ مجو کے بیانِ مذکور کے بعد والدین نے اس کے منانے کی بہت کوشش کیوں کی؟ اگر نری جہالت ہے اور بیانِ مندرجہ بالا درست ہے تو فتویٰ مذکورہ ہی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
یکم ماہِ رمضان المبارک ۷۵ھ



سائل نے استفسار کیا کہ ایک شخص نے اپنی مدخول بہا عورت کو کہا کہ تجھے سو طلاق



ہے اور پھر کہا کہ تین کے ساتھ نہیں بلکہ ستر کے ساتھ طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں تو اس عورت کو کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ زوج عاقل بالغ ہے اور ناراضگی میں کلمات مذکورہ استعمال کئے ہیں۔



عورت مذکورہ پر بلاشک وشبہ وریب تین طلاقیں واقع ہوئیں اور باقی لغو ہیں، اس پر ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔ سننِ بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷ اور مؤطا امام مالک ج ۲ ص ۶۴ مطبوع مع الشرح میں حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے والنظم من البیہقی ان رجلا قال لابن عباس طلقت امرأتی مائۃ قال تأخذ ثلثا وتدع سبعا وتسعین نیز سننِ بیہقی میں انہیں حضرتِ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے طلقت امرأتی الفا کے جواب میں ہے تاخذ ثلثا وتدع تسعمائۃ وسبعۃ وتسعین حاصل یہ کہ جس شخص نے سو طلاق دی، اس کو فرمایا کہ تین واقع ہوئیں اور ستانوے لغو ہیں اور یونہی سننِ بیہقی وغیرہ میں بکثرت صحابہ کرام سے مسند حدیثیں ہیں۔



رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ ج ۲ ص ۸۰، میزان الشعرانی ج ۲ ص ۱۲۶، کشف الغمہ ج ۲ ص ۹۸ میں ہے والنظم من الرحمۃ اتفق الائمۃ الاربعۃ علی ان الطلاق فی الحیض لمدخول بھا او فی طھر جامع فیہ محرم الا انہ یقع وکذلک جمع الطلاق الثلاث محرم ویقع۔



حاصل یہ کہ ہر چار اماموں کے نزدیک تین واقع ہیں۔ مؤطا امام محمد ص ۲۰۳ میں ہے وھو قول ابی حنیفۃ وعامۃ فقھائنا۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۰، شامی ج ۲ ص ۵۷۶ میں ہے وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث یعنی جمہور صحابہ کرام اور تابعین اور وہ ائمۂ دین جو ان کے پیچھے ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ان سب حضرات کا متفقہ مذہب ہے کہ ایک مجلس یا ایک لفظ میں تین یا تین سے زیادہ طلاقیں دے تو تین واقع ہو جاتی ہیں۔



باقی رہا یہ سوال کہ ناراضگی میں یہ کلمات استعمال کئے ہیں تو اس کا جواب واضح کہ طلاق ہوتی ہی ناراضگی میں ہے، جہلاء اس قسم کے حیلوں بہانوں سے مطلب برآری چاہتے ہیں جو قطعاً مفید نہیں، فقہائے کرام نے تو ناراضگی کو دلیلِ طلاق بنایا ہے کما صرحوا بہ متونا وشروحا وفتاویٰ وحواشی فی الکنایات تو معلوم ہوا کہ یہ عذر ہر گز ہر گز مفید نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

ھو الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مؤرخہ ۱۸ ذی الحجۃ المبارکہ ۸۷ھ بروز جمعۃ المبارکہ بوقت ۸ بجے صبح



مکرمی جناب حضرت مولانا صاحب زاد الطافہٗ

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہٗ:۔ ہماری یونین کونسل ۱۶۹ موضع سوہجارام تحصیل دیپالپور



ضلع منٹگمری کو ایک تحریر بصورت طلاق نامہ پیش ہوئی ہے، ہم لوگ اس کا فیصلہ شریعت کے مطابق کرنا چاہتے ہیں، اس تحریر کی نقل حاضر خدمت ہے، لہذا التماس ہے کہ برائے مہربانی شریعت کے مطابق اس کا فتویٰ دے کر مشکور فرمائیں کہ آیا یہ طلاق صحیح طور پر وارد ہو چکی ہے اور رجوع کر سکتے ہیں؟ نیز اگر طلاق وارد نہیں ہوئی تو پھر بھی کوئی کفارہ ادا کرنا ضروری ہے اور وہ کیا ہے؟ (یعنی اس کی ادائیگی کی صورت کیا ہو گی؟) خدا آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

(دستخط مع مہر)

خان ارشاد احمد خاں چیئرمین یونین کونسل ۱۶۹ سو بھارام مذکور

۱۱-۸-۶۳ مہر دفتر یونین کونسل ○

(نقل طلاق نامہ) ۲۲ ۴/۶۳

منکہ مسمیٰ سجوارہ ولد طور یز قوم لوفاری سکنہ چک ۴۰/ڈی تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری، میں اپنے جو کہ میں مسمیٰ سجوارہ روبرو گواہاں کے بیانات کرتا ہوں کہ میں اپنی بیوی صابراں دختر باقر ولد کرم کی تھی، میں اس کو اپنے ہوش و حواس سے تین دفعہ طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں اور میں حق مہر معاف کرا چکا ہوں آئندہ کوئی عذر داری نہ ہو گی کیونکہ یہ عورت میرے قابل نہیں ہے۔

سجوارہ ۴۰/D (نشان انگوٹھا) ○ ۲۲ ۴/۶۳

خان ولد بلو ۴۰/D سردار علی (دستخط)

نشان انگوٹھا ○ سردار علی بقلم خود





محب ملک و ملت جناب خانصاحب زادت عنایتہ



وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاج گرامی! مرسلہ تحریر باقاعدہ طلاق نامہ ہے اور یہ طلاقِ مغلظہ ہے، ایسی طلاق کا نام طلاقِ صریح ہے اور طلاقِ صریح کا حکم یہ ہے کہ طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو، ہر طرح طلاق واقع ہو جاتی ہے، ہدایہ شریف ج ۲ ص ۳۳۹ میں ہے ولا یفتقر الی النیۃ، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۳۴۶ میں ہے ان طلقھا ثلثا فی طھر واحد بکلمۃ واحدۃ او بکلمات متفرقۃ (الیٰ ان قالوا) وقع الطلاق، نیز فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۳۶۳ میں ہے ان کانت مرسومۃ یقع الطلاق نویٰ او لم ینو،

تو واضح ہوا کہ یہ تین طلاقیں صحیح طور پر واقع ہو چکی ہیں اور میاں بیوی کی علیحدگی ضروری ہے، دوبارہ نکاح بھی نہیں کر سکتے جب تک کہ عورت عدت گذارنے کے بعد نکاحِ ثانی کرتے ہوئے نئے خاوند کی باقاعدہ ہمبستری کے بعد طلاق حاصل کر کے عدت نہ گذارے، یہ طلاق دہندہ اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتا، یہ حکم قرآنِ کریم پارہ ۲ کا ہے اور یہی ہمارے ائمہ دین کا ارشاد ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۸ ۸/۱۳



کیا فرماتے ہیں علماءِ ملتِ بیضاء اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو کہ بقدرِ ضرورت



مسائلِ شرعیہ سے واقف ہے اس نے بصیغہ ماضی دو مرتبہ طلاقِ صریح دی مگر دوسری طلاق کے وقت اس نے پہلی ہی طلاق کی تکرار کی نیت کی تھی، اب بصیغہ حال کہ "طلاق دیتا ہوں" کہے تو کیا یہ طلاقِ مغلظہ ہوگی یا رجعی؟ اور کیا صریح میں تکرار کی نیت درست ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: عبدالمصطفیٰ غفرلہ



شرعاً یہ حقیقت واضح ہے کہ صیغہ حال "طلاق دیتا ہوں" صریح طلاق ہے اور یہ بھی واضح کہ یہ لفظ ماضی میں واقع شدہ طلاق کی تاکید و تکرار برائے اخبار نہیں بن سکتا، اور یہ بھی واضح کہ اس کے متعلق استفسار بھی نہیں، استفسار صرف دو مرتبہ صیغہ ماضی کہنے کے متعلق ہے مگر الفاظِ سوال بوجہ تناقض باعثِ اشکال ہیں، پہلے یہ لکھا ہے کہ دو مرتبہ طلاقِ صریح دی، پھر لکھا ہے کہ دوسری طلاق کے وقت پہلی ہی طلاق کی تکرار کی نیت کی تھی، نیتِ تکرار کا تقاضا تو یہ ہے کہ طلاق صرف ایک ہی دی تھی اور لفظ اخباراً یا تاکیداً دہرایا گیا مگر دو مرتبہ طلاق صریح دینے کا اقرار تاکید و اخبار نہیں بننے دیتا مگر معلوم ہوتا ہے کہ سائل بوجہ عدمِ واقفیت یوں لکھ بیٹھا ہے اور مطلب یہ ہے کہ طلاقِ صریح کا لفظ بصیغہ ماضی دو مرتبہ بولا ہے اور دوسری مرتبہ بولنا صرف اخبار من الاول یا تاکید کی نسبت سے ہی ہے یعنی طلاق صرف ایک ہی دی اور لفظ دو مرتبہ بولا اور یہی معنی سائل نے آخری استفساری جملوں میں ادا کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ صیغہ ماضی کے ان دو لفظوں سے دیانۃً صرف ایک ہی رجعی طلاق واقع ہوئی اور صیغہ حال کے بعد دو



طلاقیں رجعی بن گئیں مگر یہ صرف دیانۃً ہی ہے اور قضاءً دو واقع ہو چکی تھیں تو تیسری سے مغلظہ بن گئیں، فتاویٰ عالمگیر ج۲ ص ۵۰، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۸۵، بدائع صنائع ج۳ ص ۱۰۲، شامی ج ۲ ص ۶۳۲، الجوہرۃ النیرہ ج ۲ ص ۱۰۳ میں بالفاظِ متقاربہ ہے ولو قال لھا انت طالق طالق او انت طالق انت طالق او قال قد طلقتک قد طلقتک او قال انت طالق وقد طلقتک تقع ثنتان اذا کانت المرأۃ مدخولا بھا ولو قال عنیت بالثانی الاخبار عن الاول لم یصدق فی القضاء[عہ] و یصدق فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ۔



بہر حال دیانۃً مغلظ نہیں اور رجعی ہے مگر چونکہ بیوی بھی قاضی کے حکم میں ہے یعنی اگر بیوی نے یہ لفظ سن لئے یا ایک عدل کی خبر و شہادت سے جان لیا تو اس پر اس کے خاوند کے پاس بطور زوجہ رہنا حرام ہو جاتا ہے، مبسوط ج ۶ ص ۸۰، بدائع صنائع ج ۳ ص ۱۰۱، تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۹۸، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۵۷، فتاویٰ ہندیہ ج ۲ ص ۴۹، فتاویٰ غزیہ ص ۵۲، شامی ج ۲ ص ۵۹۴، کفایہ ج ۳ ص ۳۵۲، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵۲ وغیرہا میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم منہ وکل ما[عہ] لا یدینہ القاضی اذا سمعتہ منہ المرأۃ او شہد بہ عندھا عدل لا یسعھا

عہ عقود الدریہ ج ۱ ص ۳۶، ۳۷ بالتکرار ثلاثا ۱۲

عہ عقود الدریہ ج ۱ ص ۳۷-۱۲

سہ فی العقود الدریۃ ج ۱ ص ۳۷ لکن لا یصدق انہ قصد التاکید الا بیمینہ لان کل موضع کان القول فیہ قولہ انما یصدق مع الیمین لانہ امین فی الاخبار عما فی ضمیرہ والقول قولہ مع یمینہ کما فی الزیلعی وافتی بذلک التمرتاشی ۱۲

منہ غفرلہ

ان تدينه لانها كالقاضي لاتعرف منه الا الظاهر پس اگر اس صورت میں بیوی کو علم نہیں تو معاملہ آسان ہے ورنہ بڑا مشکل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۳۰/۱۰/۶۳

الاستفتاء



سوال: من جانب متاب بی بی دختر نواب الدین قوم موچی سکنہ ولی پور حال وارد چک ۱۹ ضلع منٹگمری۔

بخدمت علماء اسلام

عرصہ تقریباً تین سال کا ہوا ہے، میرے خاوند غلام محمد ولد بوٹا قوم موچی ساکن گگہ کنڈیالہ ضلع امرتسر نے مجھ کو مار کوٹ کر گھر سے نکال دیا اور کہا کہ اپنی ماں کے ساتھ چلی جا، میرا تیرا واسطہ نہیں ہوسکتا اور نہ میں تجھ کو رکھنا چاہتا ہوں، میں اپنی ماں کے ساتھ چک ۱۹ ضلع منٹگمری میں آگئی، اس وقت سے محنت مزدوری کرکے اپنا گذارہ کررہی ہوں، نہ میرا خاوند آیا اور نہ لیجا کر آباد کیا اور نہ نان ونفقہ دیا، میرا بھائی اس کے پاس دو تین دفعہ گیا اور جاکر اس کو کہا کہ یا تو اپنی زوجہ کو لیجا کر آباد کر یا طلاق لکھ دے، تو کہتا ہے نہ میں آباد کرتا ہے اور نہ اس پر میرا کوئی حق ہے لہٰذا اب علمائے کرام سے درخواست کرتی ہوں کہ اگر میرا کوئی شرعی فیصلہ ہوسکتا ہو



تو فتویٰ دے دیں۔

سائلہ : مسماۃ متاب بی بی

ہم تصدیق کرتے ہیں کہ یہ سوال مندرجہ بالا بالکل صحیح ہے۔

گواہ شد　　　　گواہ شد

حضور دین ولد کرم دین قوم موچی سکنہ چک ۱۹　　شہابدین ولد امام الدین قوم موچی ساکن گھرمالہ

گواہ شد

نواب الدین ولد گاموں قوم موچی ساکن چک ۲۶ ضلع منٹگمری

نوٹ :۔ درج بالا استفتاء کے ساتھ ایک صاحب کا لکھا ہوا درج ذیل جواب بھی موصول ہوا ـــــ حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کا فتویٰ اس جواب کے بعد ملاحظہ فرمائیں۔

(مرتب)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الجواب : الحمد للہ رب العٰلمین ۔

اگر سوال صحیح ہے تو صورتِ مسئولہ میں متاب بی بی کو طلاق واقع ہو چکی ہے کیونکہ خاوند کا اپنی زوجہ کو مار کوٹ کر گھر سے نکال دینا اور منہ سے کہنا کہ جا اپنی ماں کے ساتھ چلی جا، میرا تیرا واسطہ نہیں ہو سکتا اور نہ میں تجھ کو رکھنا چاہتا ہوں، پھر دوبارہ متاب بی بی کے بھائی کو یہ کہنا، نہ میں نے آباد کرنا ہے اور نہ اس پر میرا کوئی حق ہے، شرعاً اس سے طلاق ہو جاتی ہے، طلاق کے لئے یہ شرط نہیں کہ طلاق کا لفظ زبان سے نکالے بلکہ کوئی لفظ اس کے ہم معنی زبان سے نکل جائے تو بھی طلاق پڑ جاتی ہے، اگر ان الفاظ کہے کو تین حیض آ چکے ہوں تو وہ عورت جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے، اور باقی رہا اس کا یہ کہنا کہ میں طلاق لکھ کر نہیں دیتا، یہ مانعِ طلاق نہیں، تحریر کی ضرورت نہیں، طلاق زبانی بھی ہو جاتی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم



کے زمانہ میں جتنی طلاقیں ہوتی رہیں کسی میں تحریر نہیں ہوئی بلکہ تحریر قرون میں تھی نہیں، آجکل کاغذ لکھنا لکھانا حکومت کے قانون کے مطابق ہے کیونکہ بعد میں جھگڑے کے وقت دکھانا پڑتا ہے، پس سوال کی صورت میں بلاشبہ طلاق واقع ہوئی ہے اور اس کے علاوہ جب اس کی نیت لڑکی کو آباد کرنے کی نہیں تو اس کا لڑکی پر کوئی حق نہیں اگرچہ الفاظ کیسے ہوں یا نہ، قرآن کریم میں ہے الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض و بما انفقوا من اموالهم

اس کے علاوہ بعض احادیث بھی اس قسم کی آئی ہیں جن میں ذکر ہے کہ عورت کہتی ہے کہ مجھے کھلا یا طلاق دے یعنی کھلانے کی صورت عورت رکھ سکتا ورنہ نہیں۔

هٰذا ما عندي والله اعلم

(نوٹ) شرعی فیصلہ تو سوال کی رو سے یہی ہے لیکن سائلہ کو مناسب ہے کہ حکومت میں درخواست دے کر اجازت حاصل کرے تاکہ نظام حکومت میں فتور نہ پڑے۔

مفتی ابوعبدالحق سید محمد یحییٰ بن سید محمد شریف، امیر شریعت
ساکن گھریالہ، بقلم خود $\frac{2}{42}$ ھ



بسم الله الرحمٰن الرحيم
والصلوٰة والسلام على رسولنا الرؤف الرحيم العليم



زوج کا اپنی بیوی کو "چل جا" کہنا طلاق صریح نہیں البتہ نیت طلاق سے طلاق بائن بن سکتا ہے اور بلا نیت طلاق کسی حال میں طلاق نہیں بن سکتا کما في الدر وغيره من اسفار الفقه، اور ایسے ہی میرا تیرا واسطہ نہیں ہوسکتا اور نہ میں تجھکو

رکھنا چاہتا ہوں، بلانیتِ طلاق حالتِ رضا، وغضب میں طلاق نہیں بن سکتا اور ظاہر سوال یہی ہے کہ وہ حالتِ غضب تھی، تو جب تک یہ متحقق و ثابت نہ ہو لے کہ زوج نے ان لفظوں کے بولتے وقت نیتِ طلاق کی تھی تو متاب مذکورہ کا مطلقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ متاب کے بھائی کا غلام محمد زوج کے پاس دو تین دفعہ جانا اور کہنا کہ یا تو اپنی زوجہ کو لاکر آباد کر یا طلاق لکھ دے، صاف صاف بتاتا ہے کہ متاب اور اس کے متعلقین کی سمجھ میں بھی حالات کے لحاظ سے یہی ہے کہ ان لفظوں سے طلاق نہیں پڑی، کہ زوجہ ہونے کا اقرار کیا، آباد کرنے کے متعلق کہا، رہا غلام محمد کا اس کے جواب میں کہنا، نہ میں نے آباد کرنا ہے، اس کی وجہ بنایا ہو، اہلِ زبان کے ایسے محاورات ہیں، اور ایسے ہی بہت ممکن کہ متاب کے بھائی نے پھر وہی کلام دہرائی ہو یا پچھلا اور کہا ہو اور غلام محمد نے جواباً کہا ہو، نہ میرا اس پر کوئی حق ہے یعنی لفظِ "نہ" سے اس کلام کی نفی کی ہو اور لفظِ "میرا اس پر کوئی حق نہیں" اس کو اس کی وجہ بنایا ہو جیسا کہ ہمارے روزمرہ محاورات میں شائع ہے نیز یہی ظاہر ہے کہ غلام محمد نے پنجابی زبان میں جواب دیا ہوگا تو بہت ممکن کہ اس کے لفظوں کا اردو بناتے وقت ذرا تقدیم و تاخیر سے مفہوم بدل گیا ہو،



غرضیکہ ایسے مقاموں میں نہایت ہی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کہ لوگ باہمی اختلافات کی وجہ سے خواہ مخواہ ایسی صورتیں پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور بعضے ناحق شناسوں کی تلقین سے ذرا اینچ پیچ کر کے فتویٰ حاصل کر کے نکاح پر نکاح کر دیا کرتے ہیں، خصوصاً جبکہ متاب کی طرف سے استفتاء لانے والے نے فقیر کو صاف کہہ دیا کہ متاب کو انہوں نے اس کے پاس بٹھایا ہوا ہے، فتویٰ حاصل کر کے نکاح کیا جائیگا، دو سو روپیہ لے چکے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے فتنوں سے پناہ دے۔

رہا مفتی صاحب کا الفاظِ مذکورہ کو مطلقاً طلاق قرار دینا تو یہ محض سینہ زوری اور غلط ہے، اس کے پاس اس پر کوئی حجتِ شرعیہ نہیں اور اس کا یہ کہنا کہ آباد کرنے کی



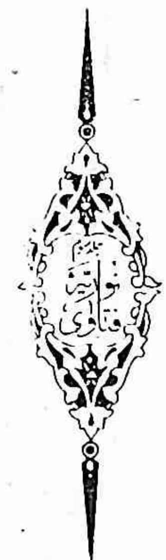
نیت نہ ہونے سے کچھ نہیں رہتا محض غلط و باطل، قرآن کریم کے صریح خلاف ہے، اگر ایسا ہی ہوتا تو عموماً الفاظِ طلاق بولنا، طلاق نہ بنتا کہ عام طور پر لوگ لینے سے پہلے آباد نہ کرنے کی نیت ہوا کرتی ہے۔

رہا اس کا استدلال آیۃ الرجال قوامون علی النساء الآیۃ سے، وہ استدلال بھی غلط ہے، آیۃ میں ہرگز نہیں فرمایا گیا کہ ایسی صورت میں کوئی حق نہیں رہتا بلکہ آیۃ ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ الآیۃ اس کے کہنے کا صاف رد کرتی ہے، اور جو بعض احادیث کا حوالہ دیا گیا ہے، اولاً تو وہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موقوف ہونا صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ ثانیاً اس حدیث سے کہ مجھے کھلا یا طلاق دے، یہ سمجھنا کہ کوئی حق نہیں رہتا محض غلط ہے بلکہ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ حق باقی ہے ورنہ لازم آئے کہ اگر زوج اس کہنے کے بعد اس عورت کو کھلائے، خرچ دے اور آباد کرنا چاہے، تو اسے کوئی حق ثابت نہ ہو، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں، مذاہبِ اربعہ کے صاف خلاف ہے، اس حدیث کی تردید کے بھی خلاف ہے، ہاں اس میں شک نہیں کہ نان ونفقہ نہ دینا اور آباد نہ کرنا اور طلاق بھی نہ دینی بڑا سخت گناہ ہے اور عورت استغاثہ کرکے نان ونفقہ لے سکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی المحبوب وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید کی بیوی

بوجہ مخالفت اپنے باپ کے پاس چلی جاتی ہے، لیعنی زید لینے سے لئے
جاتا ہے تو اس کے باپ نے زید کے گلے میں رسی ڈال دی کہ اب میں
تیرے ساتھ کتوں جیسا سلوک کرونگا، زید نے اس صورت طریقے کو دیکھ کر
کہا کہ یہ بیٹھی ہے، جس کے ساتھ تمہارا دل چاہتا ہے نکاح کر دو۔
زید پھر واپس آکر پھر دوبارہ اپنی شادی کرالیتا ہے۔ زید کا سسر زید کے
پاس آیا اور کہا کہ تو ہمارے ساتھ یا صلح کر لے اور اپنی بیوی کو لے آ،
اگر صلح نہیں کرتا تو ہمیں طلاق لکھ دے، تو زید نے کہا، اب کیا لکھ دوں
جبکہ میں نے اس کو دفع کر دیا ہے، اب میرا اس پر کوئی حق نہیں ہے،
جس سے تمہارا دل چاہتا ہے نکاح کر دو۔ لبعد ازیں پندرہ سولہ سال سے
نہیں پوچھا، عورت کئی غیر مردوں کے ساتھ رہ چکی ہے تو شرعاً اس نکاح
کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

نشان انگوٹھا السائل : فیض محمد ولد علم الدین قوم وٹو
سکنہ مجاہد کے، تھانہ منڈی ہیرا سنگھ





اگر صورتِ مسئلہ صحیحہ اور واقعیہ ہے تو وہ عورت مطلقہ ہو چکی اور عدت
گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے کہ زید کا یہ کہنا کہ اب میرا اس پر کوئی
حق نہیں ہے، جس سے تمہارا دل چاہے نکاح کر دو، ایسے الفاظ ہیں
جن سے ناراضگی یا مذاکرہ طلاق کی حالت میں بلا نیت طلاق پڑجاتی ہے



كما في الدر المختار وحاشيته رد المحتار ومفهوم ما بينا كالصريح۔

والله تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۱/۱۰/۵۳

الاستفتاء



(طلاقنامہ)

مسماۃ ہاجراں بی بی دختر سلیمان جو کہ میری منکوحہ بیوی ہے اور عرصہ دراز سے زوجیت کے فرائض انجام دیتی رہی ہے لیکن اب چند خانگی رنجشوں کی بنا پر میں اسے حقِ زوجیت سے محروم کرتا ہوں اور مطابق شریعتِ محمدی اسے روبرو گواہوں کے طلاق دیتا ہوں، اب یہ اپنی مرضی کو خود مختار ہے جہاں چاہے عقد ثانی کر سکتی ہے، میری طرف سے اسے عام اجازت ہے، نیز حقِ مہر جو کہ مبلغ -/۳۲ روپے نصف جن کے مبلغ -/۱۶ روپے ہوتے ہیں ادا کرونگا۔

نشان انگوٹھا مسمی رحمت علی ولد سلطان محمد

گواہ شد
مسمی خورشید احمد ولد نور محمد، حویلی لکھا

گواہ شد
محمد رمضان بقلم خود

العبد
مسمی رحمت علی ولد سلطان محمد قوم بھٹی سکنہ حجرہ ضلع منٹگمری

سائل نے یہ تحریر پیش کر کے فتویٰ طلب کیا ہے کہ کیا مسمی رحمت علی مذکور کا



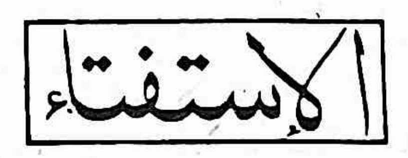
مسماۃ ہاجرہ کے ساتھ دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے یا حلالہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔



ظاہر تحریر طلاق نامہ یہ ہے کہ ایک طلاقِ بائن واقع ہوئی اور اگر لفظ "حقِ زوجیت سے محروم کرتا ہوں" کو طلاق بنایا جائے تو لفظ "طلاق دیتا ہوں" دوسری طلاق بن جائے، بہرحال دو طلاق سے زائد ہرگز نہیں، شامی ج ۲ ص ۶۴۶ و ج ۲ ص ۶۴۷ میں ہے (قولہ لایلحق البائن البائن) المراد بالبائن الذی لایلحق ھو ما کان بلفظ الکنایۃ نیز فرمایا وحینئذ فیکون المراد بالصریح فی الجملۃ الثانیۃ اعنی قولھم والبائن یلحق الصریح لا البائن ھو الصریح الرجعی فقط دون الصریح البائن اور جب دو طلاقوں سے زائد نہیں تو نکاح عدت کے اندر اور باہر ہر طرح کر سکتا ہے، قرآنِ کریم میں ہے الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف الاٰیۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و اٰلہ و اصحٰبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ہندہ کے زوج

عمرو نے ہندہ سے کہا کہ تو میرے اوپر حرام ہے اور تو میری ماں بہن ہے اور اب
میرے گھر سے چلی جا۔ اگر صبح نظر آگئی تو تجھے بیچ کر فروخت کر دونگا۔ حالانکہ عمرو قبل ازیں
اپنی ایک بیوی کو فروخت بھی کر چکا تھا اور اسی بناء پر اپنی حقیقی بیٹی کو بھی قوم کے ہاتھ فروخت
کر چکا تھا اور ہندہ کے ساتھ کئی سالوں سے تعلقات زن و شوئی بھی نہیں رکھتا تھا مگر
چونکہ اس بیچاری کا کوئی نہیں تھا لہذا عمرو کے گھر ہی پڑی رہتی مگر گفتگو مذکورہ کے
بعد وہ بیچاری ڈرتی ہوئی اس کے گھر سے نکل گئی۔ اب عرصہ ایک سال دس ماہ کا ہو چکا
ہے مگر عمرو نے کوئی مطالبہ نہیں کیا بلکہ بعض لوگوں نے مفاہمت کی کوشش کی تو کہنے لگا
میں اسے چھوڑ چکا ہوں۔ میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ تو از روئے شریعت
مطہرہ ہندہ کو اختیار ہے کہ الفاظ مذکورہ کو طلاق تصور کرتے ہوئے حسب منشا نیا نکاح کرے؟

سائل :- بدرالدین قوال از بونگہ حیات





اگر بیان مذکور واقعی اور صحیح و درست ہے تو ہندہ پر طلاق بائن ہو گئی انقضائے
عدت پر نکاح جدید کر سکتی ہے۔ درمختار میں ہے وعلی الحرام بیقع بلا نیۃ
للعرف۔ شامی فرماتے ہیں ای فیکون صریحا لا کنایۃ الی ان قال
من ای لغۃ کانت وھذا فی عرف زماننا کذلک فوجب اعتبارہ
صریحا کما افتی المتاخرون فی انت علی حرام بانہ طلاق بائن
للعرف بلا نیۃ اور ایسے ہی "میرے گھر سے چلی جا" بھی کنایہ طلاق ہے اور
"چھوڑ چکا ہوں" بھی لفظ طلاق ہے لما مر من ای لغۃ کانت۔

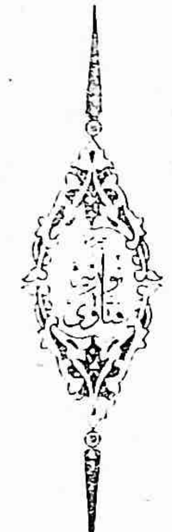


واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی القادری غفرلہ

۱۲ رجب المرجب ۱۳۶۸ھ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی مسماۃ ہندہ کو روبرو گواہان حاشیہ کے کہا ہے کہ تو میرے واسطے ماں بہن ہے اور تو مجھ پر حرام ہے، کیا از روئے شرع محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

گواہ شد	گواہ شد
محمد حسن ولد فتحدین قوم سندھو باولی ساکن بصیرپور	عمردین ولد امام دین قوم بھٹہ پوار کسب نائی ساکن بصیرپور



اگر سوال صحیح ہے تو ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوگئی۔ عدت پوری ہونے پر جہاں چاہے حسب دستور شرع نکاح کر سکتی ہے وھو الصحیح المفتیٰ بہ

کما فی الشامی وغیرہ۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی القادری غفرلہٗ
۲۱ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ



از بوہلیوال
۳۰۔۳۔۵۷

بخدمت جناب مولانا مولوی صاحب دام اقبالہ
السلام علیکم : مزاج شریف ! خلاصہ تحریر آنکہ وریام ڈوبہ حاضر خدمت ہے زبانی بھی عرض کریگا، رقعہ میں بھی تحریر ہے۔
مسمّی جلّو ولد لالو قوم ڈوبہ نے اپنی زوجہ مساۃ گامی دختر احمد قوم ڈوبہ کو اپنی زبانی روبرو گواہان وریام ولد منددو قوم ڈوبہ اور کئی عورتیں وغیرہ کے پاس ماں بہن بہوش و حواس درست ہوتے ہوئے کہا ہے، ہمارے کانوں کی شنید بزبانی وریام ہے مناسب فیصلہ فرماکر مشکور فرمائیں۔ فقط
الراقم پیر شیخ محمد سکنہ بوہلیوال بقلم خود

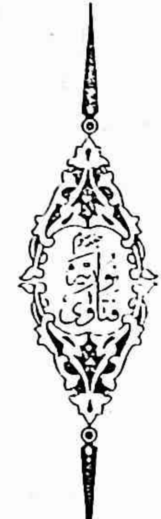
وریام ڈوبہ گواہ نے زبانی بیان کیا کہ مسمّی جلّو مذکور نے اپنی عورت کو کہا کہ تو میرے اوپر حرام ہے اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ اب مجھے معاف کر اور اگر کاغذ کی کوئی دیر ہے وہ بھی لے لے۔ یہ سب ماں بہن کہنے کے بعد کہا۔
نشان انگوٹھا وریام ڈوبہ مذکور






اگر ورپام مذکور کا یہ بیان مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو جلو کی بیوی گامی اس پر حرام ہو گئی اور طلاق بائن پڑ گئی، عدت شرعیہ گزار کر جہاں چاہے حسب دستور شرع اطہر نکاح کر سکتی ہے کما فی الھندیۃ وغیرھا من اسفار المذھب المھذب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔



نوٹ: یہ فتویٰ ہے یعنی اگر واقعہ میں صورت پیش آئی ہے تو اس کے مطابق عمل کرنا جائز ہے اور اگر جلو وغیرہ کوئی اعتراض کرے تو گامی وغیرہا کو باقاعدہ اس صورت کا ثبوت دینا پڑے گا، اور فیصلہ تب ہوتا جب دونوں فریق حاضر ہوتے اور باقاعدہ شرعی گواہیوں سے صورت مذکورہ کے ثبوت پر حکم لگایا جاتا۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۳۰ رجب المرجب ۱۳۷۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں صورت کہ مسمی وانگو ولد رودھم نے اپنی عورت کو لڑائی کے دوران دو دفعہ کہا کہ تو میری ماں بہن ہے، میرے گھر سے



نکل جا۔ پھر دوسرے دن بھی یوں کہا حالانکہ اس کی نیت طلاق کی نہیں تھی تو اب کیا حکم ہے؟

السائل: واگھو ولد روشن چک ۱۰۸ ضلع منٹگمری

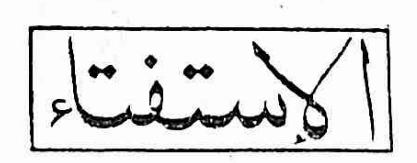
نشان انگوٹھا واگھو ⬭ نشان انگوٹھا گواہ ونبو ⬭





واگھو کی عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی۔ اگر عورت اپنی رضا سے نکاح کرنا چاہے تو عدت کے اندر اور باہر بغیر حق مہر یہ واگھو کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے درالمختار اور شامی میں ہے ویقع بباقیہا ای باقی الفاظ الکنایات المذکورۃ (الی ان قال) البائن، نیز فرمایا لا یلحق البائن البائن۔ شامی نے فرمایا لانہ ھو الذی لیس ظاھرا فی انشاء الطلاق۔ نیز باب الظہار میں ہے یکرہ قولہ انت امی و یا ابنتی و یا اختی و نحوہ اور اگر کسی اور مرد سے نکاح کرنا چاہے تو عدت پوری ہونے کے بعد ہو سکتا ہے کما فی القرآن الحکیم واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و المفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ شریفہ بی بی جو کہ محمد شفیع



ولد نفیر یہ کے نکاح میں کافی عرصہ سے ہے جس کے بطن سے چار بچے پیدا ہوئے جو کہ آج بھی صحیح سلامت ہیں۔ باقی شریفہ بی بی کو حمل بھی واضح ظاہر نمودار ہے محمد شفیع جو کہ خاوند شریفہ بی بی حقیقی ہے، اس کا ایک چھوٹا بھائی جس کا نام علی محمد ہے، محمد شفیع ایک رات کسی وجہ غصہ میں آکر اپنی بیوی شریفہ بی بی کو کہا میرے گھر سے نکل جا، میں تجھے چھوڑ دیا مگر طلاق کا لفظ نہیں کہا تو محمد شفیع کا چھوٹا بھائی علی محمد اسی وقت مولوی صاحب کو بلا کر لائے تو مولوی صاحب نے شریفہ بی بی کا نکاح علی محمد کے ساتھ کر دیا جو محمد شفیع کا چھوٹا بھائی ہے تو کیا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور عورت بھی حاملہ ظاہر ہے جس کی عدت وغیرہ کوئی نہیں اور مولوی بھی وہابی نجدی ہے جو ایک ہی رات میں نکاح فاسد کرکے اسی رات نکاح پڑھا دیا، کیا یہ ایک رات میں اول طلاق اور پھر نکاح ہو سکتا ہے اور عورت بھی حاملہ عدت وغیرہ بھی نہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ براہِ کرم مہربانی فرما کر جواب جلد عنایت فرمائیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں، عین نوازش ہو گی کیونکہ اس چک میں جھگڑا ہو رہا ہے، کوئی شرارت نہ ہو جائے۔ فقط والسلام



السائل:۔ جان محمد جانی نقشبندی چک ۴۷ ۵/گ ب ڈاکخانہ کنجوانی ضلع لائل پور، محرم شریف ۱۹ روانہ شد



اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے کہ محمد شفیع نے اپنی بیوی شریفہ بی بی کو یہ لفظ کہے ہیں تو طلاق رجعی صرف ایک ضرور ہو جانی چاہیے کہ یہ بعض لفظِ طلاق کی دلیل



اور قرینہ وکنایہ میں یعنی بیوی سے کہا گھر سے نکل جا تو یہ بلا نیت طلاق طلاق نہیں مگر دوسرا لفظ "میں تجھے چھوڑ دیا" صریح طلاق ہے کیونکہ یہ طلقتک کا ترجمہ ہے، پس ایک صریح تو ضرور واقع ہوگئی اور اگر پہلا لفظ نیتِ طلاق سے کہا تو پھر دو طلاقیں بائن ہیں، بہرحال طلاق تو ضرور واقع ہوگئی مگر جبکہ عورت حاملہ ہے اور بچہ پیدا نہیں ہوا تو عورت عدت میں ہے اور عدت میں نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا قرآنِ کریم کا ارشاد حکم ہے و اولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن تو عدت میں کیا ہوا نکاح ہرگز ہرگز جائز نہیں جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں، کیا قرآنِ کریم کے صاف اور روشن احکام میں بھی شک کیا جا سکتا ہے؟ (معاذ اللہ)

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۴ ۶/ ۶۳





بخدمت جناب فیض مآب شمس العلماء مفتیٔ زماں حضرت مولانا مولوی نور اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ؛ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک آدمی نے اپنی منکوحہ عورت کو عرصہ ایک سال سے چھوڑ رکھا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تو اس عورت سے توبہ کر دی ہے اور وہ عورت اپنے باپ کے گھر ہے، اگر اس کو کہا جائے کہ اس کا حقِ زوجیت ادا کرو تو اس بات سے کبھی



انکاری ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تو والدین نے مجبور کر رکھا ہے ورنہ میں تو اس کو دیکھنا بھی نہ اور نہ اس کو طلاق دیتا۔ شرعاً اس عورت پر کیا حکم ہے، مہربانی فرما کر شریعت کے رو سے جو حکم بھی ہو تحریر فرما دیں۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ میری عورت مجھ پر حرام ہے اور اس کا تمام نان ونفقہ اس کے والدین کے ذمہ ہے اس لئے فرمایا جاوے کہ کیا وہ عورت اب اور کہیں نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

از طرف الحاج محمد شفیع ولد الحاج میاں امان خاں فقیر محمد شفیع ملیکا القلم خود

جناب مخدوم المقام الحاج محمد شفیع خاں صاحب۔ وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ۔ ۲۱/۶/۷۵





اگر یہ صحیح اور واقعی ہے کہ اس آدمی نے اس اپنی منکوحہ عورت کے متعلق کہا ہے کہ "میری عورت مجھ پر حرام ہے" تو اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی اور اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ شامی ج ۲ ص ۶۳۸ میں ہے وقوع البائن بہ بلا نیۃ فی زماننا للتعارف پھر فرمایا وھو الصحیح المفتی بہ للعرف وانہ یقع بہ البائن لانہ المتعارف تو عدت گزار کر حسب منشا شرع شریف جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۳ ذی القعدۃ المبارکہ ۸۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمی شعبان ولد ندیم
کی شادی ایمام سائن بنت سہنا سے عرصہ بارہ سال تقریباً سے ہوئی اور عرصہ چار سال تقریباً
سے اس نے اپنی بیوی مذکورہ کو اپنے گھر سے نکال دیا اور بعد ایک سال کے
دوسری شادی بھی کر لی، پہلی بیوی کے کہنے پر مندرجہ ذیل لوگوں نے کئی مرتبہ کہا کہ
اس سے اتفاق کر یا طلاق دے تو اس نے کئی مرتبہ کہا کہ وہ میرے لئے بری چیز
ہے اور حرام ہے، اب از روئے حکم شریعت کے اس کے نکاح کا کیا حکم ہے؟

سائل : غلام ولد میاں لوہٹا قوم قصاب سکنہ بھلروان کمبوہ

گواہ شد : مہندا ولد حسن قوم کھوکھر، نشان انگوٹھا

گواہ : قطبہ ولد بہاول قوم واگھرے ، نشان انگوٹھا

گواہ : اسلی ولد بیگ قوم شیخ ، نشان انگوٹھا

گواہ : فاضل ولد میاں مکھن قوم تھیم فاضل نشان انگوٹھا

گواہ : میاں محمد زبیر ولد اکبر علی لودلہ محمد زبیر بقلم خود

غلام فرید بقلم خود چوکیدار : کاتب ۔





اگر صورت سوال صحیح اور واقعی ہے تو پہلی بیوی پر طلاق بائن ہو چکی ہے،



جب پہلی مرتبہ "حرام ہے" خاوند نے کہا تو اس وقت سے عدت پوری ہونے پر کسی اور شخص سے حسبِ دستورِ شرعِ شریف نکاح کر سکتی ہے کہ لفظ حرام سے طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے، یہی صحیح اور مفتیٰ بہ ہے، شامی ج ۲ ص ۶۳۸ میں ہے الصحیح المفتی بہ للعرف وانہ یقع بہ البائن۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

ماہِ رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۶۱ء





الاستفتاء

حضرت صاحبزادہ فیض الرحمٰن صاحب کوٹر سجادہ نشین انتالی شریف نے یہ مسئلہ خط میں دریافت فرمایا۔

عرض ہے کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو مجھ پر حرام حرام حرام میرے سامنے کہہ دیا ہے، اب افسوس کرتا ہے، بندہ نے فتاویٰ عالمگیری، درالمختار، غایۃ الاوطار، بہارِ شریعت، شرح وقایہ، نورالہدایہ وغیرہ میں دیکھا ہے، باب الایلاء میں ذکر فرمایا ہے میں تو کچھ اختلاف بیان فرماتے ہیں لہٰذا مفتیٰ بہ قول کے لئے وہاں بھیج رہا ہے کہ حضور بحرِ ذخار ہیں، پھر دوبارہ میرے نیت دریافت کرنے پر بھی" میں رنڈا ہی اچھا ہوں" کہہ چکا ہے، تو عرض ہے کہ یہ طلاق بائن ہے یا مغلظہ؟





عرفاً یہ لفظ صریح طلاق بائن ہے، شامی ج ۲ ص ۵۹۴ میں ہے افتی
المتأخرون فی انت علی حرام بانہ طلاق بائن للعرف بلا نیۃ
تو صورتِ مسئلہ میں ایک طلاق بائن واقع ہو گئی اگرچہ نیت نہ ہو حالانکہ اس کا جواب نیت پر
بینونۃ پر دال معلوم ہوتا ہے تو دوبارہ نکاح کر سکتا ہے ہاں اگر طلاقِ ثلاثہ کی نیت سے
مجھ پر حرام کہا تو طلاقِ مغلظہ ہو گئی اور نکاح بلا حلالہ نہیں کر سکتا مگر ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے
کہ اس کی نیت اس لفظ سے یہ نہیں بلکہ اگر تین دینا بھی چاہتا تھا تو حرام حرام حرام تین
لفظوں سے دینی چاہتا تھا، اگر صرف پہلے حرام سے ہی تین طلاقیں نیت کرتا تو بار بار
حرام حرام کیوں کہتا؟ تو اس صورت میں صرف ایک ہی طلاق پڑے گی کیونکہ قاعدہ ہے
البائن یلحق الصریح لا البائن یعنی بائن طلاق طلاقِ صریح رجعی پر واقع ہو سکتی ہے
اور اگر پہلے بائن واقع ہو چکی ہو تو اس پر دوسری بائن واقع نہیں ہوتی لہٰذا دوسرے اور تیسرے
لفظِ حرام سے اور طلاق نہیں پڑے گی تو ایک ہی بائن رہے گی لہٰذا حلالے کی
ضرورت نہیں، ہاں البتہ اگر اس نے پہلے حرام میں ہی تین طلاقوں کی نیت کر لی تھی تو
پھر تین ہوں گی اور مغلظہ بھی مگر جب کہ وہ یہ دریافت نہیں کرتا اور ایسی نیتِ
طلاق جس سے تین مبنی ہوں، نہیں بتاتا تو ہمیں اس کے ثابت کرنے کی کوئی ضرورت
نہیں اور نہ ہی عوام سے ایسی پیچیدہ نیت کی توقع ہے لہٰذا ایک بائن کا ہی فتوےٰ
ہونا چاہیئے، شامی ج ۲ ص ۵۹۶ میں ہے فقد صرحوا بانہ تصح
نیۃ الثلاث فی انت علی حرام، نیز ج ۲ ص ۶۴۵ میں ہے ولا یرد



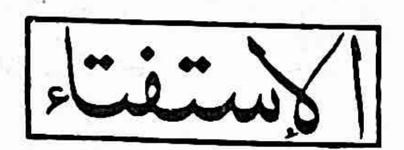


انت علی حرام علی المفتی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ مع انہ لا یلحق البائن ولا یلحقہ البائن لکونہ بائنا الخ

واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۹ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ $22 \frac{12}{67}$



(نقل) صورتِ مسئلہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین کہ ایک شخص کا اپنے گھر اپنی عورت کے ساتھ کسی بات کی وجہ سے لڑائی جھگڑا ہو گیا، لڑتے جھگڑتے روبرو گواہوں کے اس نے اپنی عورت کو کہا کہ اب تو میرے اوپر حرام حرام حرام ہے اور میں تجھ کو اپنے گھر میں رکھنا نہیں چاہتا اور اس عورت کے ہاں ایک لڑکی جو شیر خوار ہے اس شخص نے اپنی عورت کو کہا کہ یہ لڑکی میں نے تجھ کو حق مہر میں بخشی اور میرے گھر سے چلی جا، صورتِ مسئولہ میں کیا عورت کو طلاق ہو گئی، اگر ہو گئی تو دوبارہ نکاح کس صورت سے ہو سکتا ہے؟

بندہ بشیر احمد





الجواب !

صورتِ مذکورہ بالا کے تحت طلاق رجعی ہو گئی اور عدت کے اندر اپنی عورت سے رجوع کر سکتا ہے ماورد فی الشامی وقوع الرجعی بہ فی زماننا لانہ لم یتعارف ایقاع البائن بہ۔

سید صادق رسول، مدرس غوثیہ کھرو ڑپکا مہر

حضرت مولانا ابوالفیض النوری نے دہاڑی سے یہ سوال و جواب بمع عبارتِ ذیل ارسال کیا :

طلاق بالکنایہ کی جو صورت خویدم نے عرض کی تھی وہ مفتی کھرو ڑپکا کے جواب سمیت حاضرِ خدمت ہیں اور طلاق دہندہ بیچارہ بہت تنگ ہے، چک والے اس سے کوئی جانور بھی ذبح نہیں کراتے اور وہ قوم کا موچی ہے اور شادی بیاہ کے موقع پر جانور ذبح کرنا اور بنانا اس کا کام ہے، اگر از راہِ کرم جلد جواب مرحمت فرمایا جا سکے تو نہایت غریب پروری اور کرم گستری ہو گی۔ ۴/۷/۷۰

تو جوابِ ذیل دیا گیا :





صورتِ مسئول عنہا میں ایک بائن طلاق تو ضرور واقع ہو گئی اور اگر پہلے لفظِ حرام میں تین کی نیت ہو تو تین طلاقیں ہو گئیں، مفتی سابق حضرت سید صاحب نے چونکہ عبارتِ شامی سے استدلال فرمایا ہے لہذا شامی ہی کے حوالے کافی ہیں، شامی علیہ الرحمہ نے بکثرت کثیرہ ایسی صورتوں میں وقوعِ بائن کی تصریح فرمائی ہے، بطورِ نمونہ صرف چند نصوص



کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

ج ۲ ص ۵۹۴ میں ہے کان الواقع فی لفظ الحرام البائن لان الصریح قد یقع بہ البائن کما مر۔

پھر اسی صفحہ میں ہے فوجب اعتبارہ صریحا کما افتی المتأخرون فی انت علی حرام بانہ طلاق بائن للعرف بلا نیۃ۔

ج ۲ ص ۶۰۷ میں ہے والفتویٰ علی انہ تبین امرأتہ من غیر نیۃ۔



باقی وہ شبہ جو شاہ صاحب کو عبارتِ شامی سے عارض ہوا ہے تو وہ شبہ محض شبہ ہی ہے اور تعجب ہے کہ ایک مفتی فاضل کو ایسا کھلا شبہ کیسے لاحق ہوا حالانکہ امرِ واقع صرف اتنا ہی ہے کہ اس مسئلہ پر کسی صاحب نے اشکال وارد کیا تو دوسرے صاحب نے اس کا ایک جواب دیا جو شامی علیہ الرحمہ کو پسند نہیں آیا تو ج ۲ ص ۶۳۸ میں اس کا رد کیا اور رد بھی ایسے انداز سے کیا جس سے نصِ مسئلہ اور مضبوط ہو جاتا ہے، دیکھئے صاف صاف فرما رہے ہیں کہ اس جواب کا مقتضیٰ یہ ہے کہ طلاق رجعی واقع ہو، اور یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ یہ مقتضیٰ باطل ہے تو وہ جواب بھی جو اس کا مقتضی ہے ضرور باطل ہوگا کیونکہ باطل کا مقتضی بھی باطل ہوتا ہے ومن شك فی هٰذا فلینظر عبارة الشامیۃ۔

پھر آگے ج ۲ ص ۶۳۹ میں اپنی طرف سے اس ایراد کا ایک اور جواب دے کر فرمایا فتعین البائن، بعد ازاں نہایت وثوق سے فرمایا والحاصل انہ لما تعورف بہ الطلاق صار معناہ تحریم الزوجۃ وتحریمها لایکون الا بالبائن، بعد ازاں ج ۲ ص ۶۲۷ میں فرمایا فالتعلیل بغلبۃ العرف لوقوع الطلاق بلا نیۃ و اما کونہ بائنا فلانہ مقتضی لفظ الحرام لان الرجعی لایحرم الزوجۃ ما دامت فی العدۃ وانما یصح وصفها

بالحرام بالبائن۔

بہرحال امس وشمس کی طرح واضح ونمایاں ہے کہ شامی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی یہی مفتیٰ بہ ہے کہ طلاقِ بائن ہی واقع ہوتی ہے چنانچہ ج ۳ ص ۸۹ میں بھی اس کی تصریح فرمائی کہ والفتویٰ علیٰ قول المتأخرین بانصرافہ الی الطلاق البائن

لہٰذا حضرتِ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے بھی بہارِ شریعت ج ۸ ص ۸۵ میں درمختار اور شامی کے حوالے سے ہی فرمایا "مسئلہ: عورت سے کہا تو مجھ پر حرام ہے۔ اس لفظ سے ایلاء کی نیت کی تو ایلاء ہے اور ظہار کی نیت کی تو ظہار ورنہ طلاقِ بائن۔"

افسوس ہے مفتی صاحب نے سیاق وسباق سے قطع نظری فرمائی ورنہ مسئلہ اظہر من الشمس ہے، رہا یہ خیال کہ تین مرتبہ حرام کہا ہے تو بلا نیت بھی تین طلاقیں ہونی چاہئیں، تو یہ بھی صحیح نہیں، شامی ج ۲ ص ۶۵۷ میں ہے کہ لو کرر انت علی حرام لا یقع الا الاول لان البائن لا یلحق البائن تو ثابت ہوا کہ ایک ہی طلاقِ بائن واقع ہوئی، ہاں اگر پہلے لفظِ حرام میں تین طلاق کی نیت کی ہو تو پھر تین ہی واقع ہوگئیں، شامی ج ۲ ص ۵۹۶ میں ہے فقد صرحوا بانہ تصح نیۃ الثلاث فی انت علی حرام۔ ایک طلاق بائن کی صورت میں عورت راضی ہو تو اسی خاوند کے ساتھ دوبارہ آسانی سے نکاح ہوسکتا ہے اور اگر تین کی نیت تھی تو حلالہ کے بعد ہی نکاح ہوسکتا ہے۔



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

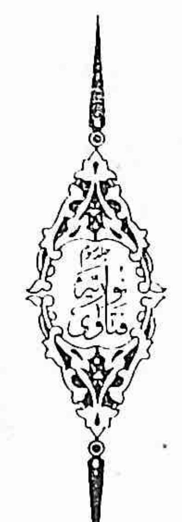
۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ

۸/۷/۷۰

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اندریں مسئلہ کہ ایک شخص نے لڑائی اور غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہا کہ تو میرے اوپر حرام ہے، تجھے حرام کردیا، دو تین مرتبہ کہا پھر مکان سے باہر آکر ایک شخص سے کہا کہ مجھے طلاق کے شرائط بتاؤ میں نے طلاق لکھ دی دے دی ہے، کوئی کمی تو نہیں رہی؟ حالانکہ لکھا کچھ بھی نہیں تھا۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل: حافظ رحمت علی مدنی چک گنوں ۳۰/۷۔ب دستخط: محمد رحمت علی مدنی بقلم خود





اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی، دوبارہ اسی خاوند سے عدت کے اندر یا اور باہر نکاح ہوسکتا ہے، شامی ج ۲ ص ۶۴۵ میں ہے لا یرد انت علی حرام علی المفتی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ مع انہ لا یلحق البائن ولا یلحقہ البائن، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۱۷ میں ہے وعلیہ (ای علی انہ لا یتوقف علی النیۃ) الفتویٰ، نیز ص ۶۲ میں ہے لا یلحق البائن البائن اور یونہی بکثرت کتب مذہب میں مذکور ہے الا ان یدعی نیۃ الثلاث فی الاولیٰ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلیٰ
آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۸ رجمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ ۳۰/۷/۷۲

الاستفتاء



جناب عالی: السلام علیکم کے بعد نہایت مؤدبانہ التماس ہے کہ منکہ مذبراں بی بی
دختر دین محمد قوم راجپوت بھٹی چک ۱۳/۱۰۱ سے ایل تھانہ حلقہ رینالہ خورد تحصیل اوکاڑہ
ضلع منٹگمری کی ہوں (۱) یہ کہ میری شادی جھنڈا ولد اگو قوم راجپوت بھٹی موضع میرک کوٹلہ
تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری کے ساتھ عرصہ تقریباً چھ سال ہو چکا ہے، ہوئی تھی جبکہ میں بڑی
عزت سے اس کے گھر میں آباد رہنا چاہتی تھی مگر ہمارے خاوند جھنڈا نے مجھے دل سے
ایک سال میں چھوڑ دیا، مجھے اجازت دے دی کہ تم جہاں چاہو اپنا حق کر سکتی ہو مگر سرکاری کاغذ
دینے سے انکار کرتا رہا۔ اب مجھ کو اتنا عرصہ ہوا کہ منت داری کرتی رہی مگر ہمارے خاوند
نے ہماری کوئی بات پر اعتبار نہ کیا اور یہ کہا ہے کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہوا ہے۔
عالیجاہ! میں ایک نوجوان عورت ہوں اور اسلام محمد کے خلاف بھی نہیں جانا چاہتی
اس لئے التجا ہے کہ سائلہ کو فتویٰ شرعی عطا فرما کر اجازت بخشی جاوے تو میں اپنا
گذارہ کسی اور مسلمان راجپوت کے حق میں بیٹھ کر اپنی غریب زندگی بسر کر سکوں لہٰذا یہ
درخواست بخدمت مولوی صاحب اسلام گذارش ہے۔ فقط والسلام ۶/۶/۵۸
اور ہمارے خاوند جھنڈا نے یہ کہا ہوا ہے کہ میں تجھ کو شرعی طلاق عرصہ
پانچ سال سے دے چکا ہوں، لہٰذا درخواست بخدمت اسلام گذارش ہے۔



سائلہ : مسماۃ نذیراں بی بی دختر دین محمد قوم راجپوت بھٹی تھانہ حلقہ رینالہ خورد
تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری

گواہ شد لال دین ولد کھیڑا قوم راجپوت بھٹی، چک ۱۰۹/۳۱ ۔ ایل

گواہ شد نور محمد ولد عظمت علی قوم راجپوت بھٹی

گواہ شد چوہدری روشن دین ولد نظام دین قوم راجپوت بھٹی "

گواہ شد حاکم علی ولد میراں بخش قوم راجپوت بھٹی "

لڑکی نذیراں بی بی کا والد دین محمد ولد میراں بخش قوم راجپوت بھٹی استفتا منسلکہ لایا اور زبانی وضاحت کی کہ تین ماہ ہوئے ہم بطور پرہیں لڑکی نذیراں کو ان پانچ گواہان لال دین وغیرہ کے ساتھ لے کر جھنڈا ولد اگو مذکور کے پاس گئے کہ یا لڑکی نذیراں کو اپنے گھر آباد کرلے یا کاغذ دے تو اس نے روبرو گواہاں کے اقرار کیا کہ میں پانچ سال سے شرعی طلاق دے چکا ہوں مگر لکھ نہیں دیتا تو اندریں صورت کیا حکم ہے ؟ لڑکی پانچ سال سے من مظہر والد کے گھر بیٹھی ہوئی ہے۔

نشان انگوٹھا دین محمد سائل مذکور





اگر سوال صحیح اور درست ہے تو پہلے ہی سال میں جبکہ جھنڈا نے چھوڑ دیا تھا اور اجازت دے دی کہ تم جہاں چاہو اپنا حق کرسکتی ہو، طلاق واقع ہوگئی خصوصاً جب بعدازاں اس طلاق کی تاکید بھی کردی، جب ان گواہان مذکورہ کے سامنے اقرار کیا کہ میں پانچ سال سے شرعی طلاق دے چکا ہوں، بہر حال طلاقِ شرعی

پانچ سال سے واقع ہو چکی ہے کہ طلاق اصل میں بولنے کے ساتھ ہی ہوتی ہے کاغذ لکھنا کوئی شرط نہیں۔ تنویر الابصار، درالمختار، شامی ج ۲ ص ۵۰۰، بحرالرائق ج ۳ ص ۲۳۵ تعریفِ طلاق میں ہے بلفظ مخصوص۔ نیز تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۸۸، بحرالرائق ج ۳ ص ۲۳۵، شامی ج ۲ ص ۵۰۰ میں ہے والنظم من البحر ان مرکنہ شرعا اللفظ الدال الخ تو اس وقت طلاق سے عدت گزرنے پر شرعاً نذیراں بی بی کو اجازت ہے کہ حسبِ دستورِ شرع جہاں چاہے نکاح کرے قرآنِ کریم میں ہے فلا تعضلوهن ان ینکحن۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے عظام اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ کو تین مرتبہ سے زائد لفظ "چھوڑی" کا کہا ہے اپنی زبان سے، بھائی کی ناراضگی کی وجہ سے، جو بھی حکم ہو آگاہ فرمائیں۔

سوال نمبر۲ :- بکر نے اپنی عورت کو بیک وقت تین طلاق دی ہیں کیا اس سے رجعت ہوگی یا مغلظہ؟ ان دو جوابوں سے اپنی تحقیق سے آگاہ فرماویں، آپ کی نہایت ہی مہربانی ہوگی، والسلام فقط

نیازمند : اسلام الدین چوکیدار، ہوسٹل جامعہ اسلامیہ بہاولپور







۱- تصریحاتِ فقہیہ سے روزِ روشن کی طرح واضح کہ لفظ "چھوڑی" صریح طلاق نہیں، صریح وہ لفظ جس کا استعمال غالباً طلاق میں ہی ہو حالانکہ یہ لفظ صدہا چیزوں کے چھوڑنے پر کہا جاتا ہے اور بیوی کے حق میں بھی طلاق کے علاوہ کتنی اور طرح کے چھوڑنے پر بولا جاتا ہے، اس کے ہم مثل الفاظ عربی میں سرحتك، اطلقتك، مطلقہ وغیرہا ہیں جو طلاقِ صریح نہیں بلکہ کنایہ ہیں۔ مبسوط سرخسی ج ۶ ص ۷۸، بحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۱ وغیرہا میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم من الاول فان الرجل یقول سرحت ابلی وفارقت غریمی او صدیقی فهما کسائر الالفاظ المبهمة لا یقع بها الطلاق الا بالنیة، شامی ص ۶۳۹ کے کنایات میں ہے (قوله سرحتك) من السراح بفتح السین وهو الارسال ای ارسلتك لانی طلقتك او لحاجة لی۔ شامی ۵۶۹ میں بحر الرائق سے ہے، فلم یتوقف علی النیة فی طلقتك وانت مطلقة بالتشدید و یتوقف علیها فی اطلقتك ومطلقة بالتخفیف، اسی میں ہے قال فی البدائع هذا الاستعمال فی العرف وان کان المعنی فی اللفظین لا یختلف فی اللغة نیز شامی ج ۲ ص ۵۹۰ میں ہے (قوله ولو بالفارسیة) فما لا یستعمل فیها الا فی الطلاق فهو صریح یقع بلا نیة وما استعمل فیها استعمال الطلاق وغیره فحکمه حکم کنایات العربیة فی جمیع الاحکام، بلکہ قرآنِ کریم سے طلاق کے بغیر صرف عدمِ ادائیگی حقوقِ زوجہ



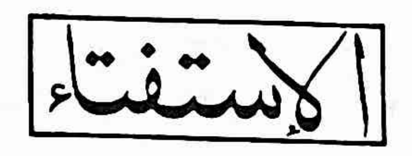
پر بھی زوجہ چھوڑنے کا اطلاق ثابت ہے، ارشاد ہوتا ہے فتذروھا کالمعلقۃ
ہاں یہ لفظ کنایہ طلاق بائن ہے، تو اگر نیت طلاق سے کہا یا قرینہ طلاق پایا گیا تو
طلاق بائن واقع ہو گئی مگر صرف ایک ۔ فتاوی عالمگیریہ ج ۲ ص ۶۳ وغیرہا میں ہے لا یلحق
البائن البائن ۔

نوٹ : سائل نے اجمال سے کام لیا ہے یہ بیان نہیں کیا کہ بھائی کی ناراضگی
کس طرح تھی اور زید نے کس معنی میں کہا لہٰذا واقعات سے قرینہ کا علم ہو سکتا ہے ۔
۲۔ رجعت ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ تین طلاقیں مغلظہ واقع ہو گئیں کما صرح
بہ الائمۃ الکرام والمشائخ العظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ
وصحبہ وبارک وسلم ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲ ۴/۶۵





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام شکر اللہ مساعیکم العظام اندریں
صورت کہ زید کا اپنے سسر کے ساتھ کھیتی کے حصہ کے بارے میں معمولی سا
جھگڑا ہو گیا، اس پر زید نے کہا کہ عرصہ پانچ سال ہو گئے ہیں نہ میرا باپ کوئی چیز
دیتا ہے اور نہ میرا سسر حاجی کچھ دیتا ہے، چنانچہ پنچایت نے فیصلہ کیا (جو زید
کا سسر بھی چاہتا تھا) کہ زید نہ اپنے باپ کے ساتھ کھیتی کرے نہ سسر کے ساتھ
بلکہ الگ کوئی کام کرے ۔



اس فیصلہ کے بعد واپسی پر جب تقریباً ایک مربع دور چلے گئے تو معززین پنچایت سے اس وقت محمد نواز کھچی اور سوہنا نمبردار اور زید مذکور اور اس کا باپ محمد علی یہ چار آدمی تھے کہ دوبارہ بات شروع ہوگئی۔ اب زید مذکور نے کہا کہ میرا کوئی فیصلہ نہیں ہوا، مجھے کوئی چیز لے کر دیں تو محمد نواز مذکور اور سوہنا نمبردار نے کہا کہ یہ فیصلہ منظور نہیں تو ہم سے کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا، اس پر زید مذکور نے کہا اپنے باپ کی طرف متوجہ ہوکر کہ تیری لڑکی تیرے گھر اور حاجی دی لڑکی حاجی دے گھر، میں چھوڑی چھوڑی چھوڑی، یہ الفاظ دونوں گواہوں نے لکھوائے ہیں مگر یہ بھی گواہ کہتے ہیں کہ طلاق کا کوئی ذکر نہیں ہوا البتہ یہ کہا کہ میں لودھراں جاکر لکھ کر بھیج دوں گا مگر زید مذکور اس خط کشیدہ کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے کہا تھا کہ میں بصیر پور پڑھنے جاتا ہوں، اب مجھے مت تلاش کرتے پھرو۔

نوٹ: زوجین کا شادی کے بعد آج تک کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا۔

یہ مندرجہ بالا بیان مولانا ابوالرضا محمد عبدالعزیز صاحب نوری مہتمم دارالعلوم غوثیہ حویلی لکھا (جو زید مذکور اور اس کے سسرال والوں کے قریبی برادری کے بھی ہیں) اور مولانا ابوالانعام محمد رمضان صاحب نوری بھی قریبی برادری کے ہیں۔ اور دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے فاضل محقق ہیں، نے وہاں جاکر پوری جستجو اور خیر خواہی سے معلومات حاصل کرنے کے بعد لکھوایا ہے، تو کیا حکم ہے طلاق ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کونسی؟ بینوا ماجورین من رب العلمین۔

نوٹ: گواہ دونوں شرعاً عادل نہیں ہیں، نیز زید نے حلفیہ کہا کہ چھوڑی چھوڑی سے میری مراد وہ چیز وست ہے جس کا میں نے مطالبہ کیا تھا۔

السائل: محمد علی والد زید مذکور

ابوالانعام محمد رمضان المحقق النوری مدرس غوثیہ حویلی لکھا تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال ۷۴/۴/۲۲

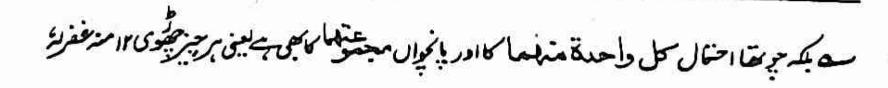


الوالرضا محمد عبدالعزیز نوری مہتمم دار العلوم غوثیہ حویلی لکھا
تحصیل دیپال پور ضلع ساہیوال ۲۲/۴/۷۴





اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو شرعاً بلاشک وشبہ وریب طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ زید نے کسی لفظ طلاق کی نسبت زوجہ کی طرف نہیں کی حالانکہ نسبت کے بغیر طلاق ہو سکتی ہی نہیں، اگرچہ طالق، طلقتُ جیسے صریح واصرح لفظ بھی کہے کما ھو مبین ومبرھن فی اسفار المذھب المھذب چنانچہ مبسوط ج ۶ ص ۹۰ میں ہے انما تتحقق بعد صحۃ الاضافۃ الی محلہ، شامی ج ۲ ص ۵۹۰ اور طحطاوی علی الدر ج ۲ ص ۱۱۲ میں ہے والنظم للشامی فانہا الشرط، سوال میں لفظِ "چھوڑی" ہی طلاق بن سکتا تھا مگر اس کی نسبت زوجہ کی طرف متعین نہیں بلکہ کئی احتمال ہیں کیونکہ زید نے اپنی بہن اور بیوی کا ذکر صراحۃً کیا اور کھیتی باڑی کا حصہ جو مبنائے نزاع ہے وہ بھی حکماً مذکور ہے جسے پنجابی میں "چیز وست" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور بعد میں لفظ "چھوڑی" کہا جس کی نسبت کسی چیز کی طرف صراحۃً نہیں کی تو ایک احتمال یہ ہے کہ چیز وست کی طرف نسبت ہو جو مؤنث سماعی ہے، دوسرا احتمال یہ کہ بہن کی طرف نسبت ہو اور تیسرا یہ کہ بیوی کی طرف نسبت ہو۔ یہ تینوں[1] احتمال ہیں اور مراد متعین کرنے کا حق صرف زید قائل ہی کا


[1] بلکہ چوتھا احتمال کل واحدۃ منہما کا اور پانچواں مجموعہما کا بھی ہے یعنی ہر چیز چھوڑی ۱۲ منہ غفرلہ



ہے کہ کس کا ارادہ کیا، مبسوط ج ۶ ص ۱۹ میں ہے فلو قال لامرأته ولاجنبية احدکما طالق فان قال عنیت امرأتی وقع الطلاق علیها و الا لم یقع لان اللفظ المذکور یصلح عبارة عن امرأته وعن المرأة الاخری۔

فتاوی ہندیہ ج ۲ ص ۵۱، تنویر الابصار، در المختار اور شامی ج ۲ ص ۶۳۲ میں ہے لہ امرأتان کلتاهما معروفة له صرفها الی ایتهما شاء۔ اور اس قسم کے بکثرت اور جزئیات بھی ہیں جن میں زوج کے بیان کا ہی اعتبار ہے حالانکہ زید حلفیہ کہتا ہے کہ "میری مراد چیز وست چھوڑنا ہے" تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔

رہا یہ لفظ کہ "میں لودھراں جا کر لکھ کر بھیج دوں گا" تو زید یہ کہنا مانتا ہی نہیں اور غیر عادل گواہوں کا کہنا معتبر نہیں اور اگر بالفرض اعتبار کیا بھی جائے تو یہ لفظ طلاق بن سکتے ہی نہیں کیونکہ ان میں یہ مذکور نہیں کہ کیا لکھے گا، اور اگر قرائن حالیہ سے یہ سمجھا جائے کہ جن الفاظ کو پہلے بولا ہے ان کا لکھنا مراد ہے تو وہ بھی طلاق نہیں اور پھر یہ لفظ صراحۃً استقبال کے ہیں حالانکہ استقبالی الفاظ طلاق نہیں بن سکتے لانه وعد لا تنجیز، بہرحال یہ بھی طلاق نہیں، پھر تعجب کہ بعض حضرات نے لفظ چھوڑی کو مطلقاً طلاق صریح کہہ دیا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ صریح طلاق کے لئے لفظ شرعاً وہ



لہ کما بین هذا المعنی الزیلعی فی التبیین ج ۲ ص ۱۹۷ فالصریح ما ظهر المراد منه ظهورا بینا حتی صار مکشوف المراد بحیث یسبق الی فهم السامع بمجرد السماع حقیقة کان او مجازا وکذا فی العنایة علی الهدایة ج ۳ ص ۴۵ وهذا الظهور بناء علی کثرة الاستعمال و غلبته وتعارفه فلذا عرفوه بما لم یستعمل الا فیه کما فی التنویر وغیره من کتب الکلمات فلو ظهر المراد من غیر استعمال وتعارف لا یکون





لفظ ہے جس کا استعمال بمعنائے طلاق عرف و رواج میں اس قدر زیادہ ہو کہ جب

صریحا وطلاقا من غیر نیۃ کما فی البدائع ج ۳ ص ۱۰۳ روی عن ابی یوسف انہ قال اذا قال لعبدہ ا ن ت ح ر او قال لزوجتہ ا ن ت ط ا ل ق تہجی ذلک ھجاء ان نوی العتق والطلاق وقع لانہ یفھم من ھٰذہ الحروف عند انفرادھا ما یفھم عند التركیب والتالیف الا انھا لیست بصریحۃ فی الدلالۃ علی المعنی و فی الفتح ج ۳ ص ۳۷ ویقع ایضا بالتہجی کانت ط ا ل ق وکذا وقیل لہ طلقتھا فقال ن ع م اذا نوی و فی الشامیۃ عن الذخیرۃ ج ۲ ص ۵۹۱ ثم ج ۲ ص ۶۳۱ وقدمناہ (ای فی ص ۵۹۱ ج ۲) ھناک عن الذخیرۃ لو قال لھا الف نون تا طا الف لام قاف ان نوی الطلاق تطلق لان ھٰذہ الحروف یفھم منھا ما ھو المفھوم من الصریح الا انھا لا تستعمل کذلک فصارت کالکنایۃ فی الافتقار الی النیۃ و فی کتاب الفقہ ج ۴ ص ۳۱۷ و اما ذکر الطلاق بحروف الھجاء مقطعۃ کأن یقول لھا ط ا ل ق او یقول لھا طا الف لام قاف فالتحقیق انھا کنایۃ لا یقع بھا الطلاق الا بالنیۃ و فی ج ۴ ص ۳۲۶ وذلک لان الحروف المقطعۃ لا تستعمل عادۃ فیما یستعمل فیہ اللفظ الصریح فلا بد فی وقوع الطلاق بھا من النیۃ و فی الطحطاوی ج ۲ ص ۱۱۲ قولہ او ط ا ل ق ای تہجی بہ یقع ان نوی کما فی الدر المنتقی و اما ما فی الخلاصۃ ج ۲ ص ۸۱ و الھندیۃ ج ۱ ص ۳۵۷ "وان قال لھا ابتداء انت ط ا ل ق یعنی طالق یقع" فھٰذا ایضا مقید بالنیۃ لان "یعنی" یدل علی النیۃ بلا ریب و فی الھندیۃ ج ۱ ص ۳۵۷ عن الخانیۃ "رجل قال لغیرہ اطلقت امرأتک فقال نعم بالھجاء او قال بلی بالھجاء ولم یتکلم بہ یقع الطلاق کذا فی فتاوی



قاضیخان" وفی البحر ج ۳ ص ۲۵۱ ویقع بالتہجی کانت طال ق وکذا لو
قیل له طلقتها فقال ن ع م او بلی بالهجاء وان لم یتکلم به اطلقه فی الخانیة
ولم یشترط النیة وشرطها فی البدائع قال الشامی ج ۲ ص ۵۹۲ بعد نقله
عن البحر قلت عدم التصریح بالاشتراط لاینافی الاشتراط علی ان الذی
فی الخانیة هو مسئلة الجواب بالتہجی والسوال بقول القائل طلقتها
قرینة علی ارادة جوابه فیقع بلانیة بخلاف قوله ابتداء انت طالق
بالتہجی تأمل ثم قال الشامی فی شرح قول الدر ولو قیل له طلقت امرأتک
فقال نعم او بلی بالهجاء طلقت بحر ای بلانیة علی ما قررناه آنفا
فعلم انه لابد من النیة الا اذا قام قرینة قویة تعین المراد کالجواب
فان السوال معاد فی الجواب کما قرره فی الاشباه والنظائر ص ۱۷۱ قال
فی الدر توقف علی النیة کما لو تہجی به او بالعتق قال الشامی ص ۵۹۵
ای فانه یتوقف علی النیة قال الطحطاوی ج ۲ ص ۱۱۵ بان قال انت طال ق
او انت ح ر فانه یتوقف علی نیة بناه علی ما فی الخانیة ففی المسئلة
نصان مشی علی احدهما سابقا وجری هنا علی الآخر انتہی تقریر
الطحطاوی عین تقریر البحر بالمعنی وزاد علیه ففی المسئلة نصان
ولکنه سهو عن البحر والدر والطحطاوی باعثه قلة التدبر
وقد اوضحه الشامی وبینه هذا۔

(فائدہ) النطق باسماء حروف الهجاء مثل الف نون تاء
طاء الف لام قاف والنطق بمسمیات الحروف مثل ان ت طال ق
حکمهما واحد ففی الطحطاوی ج ۲ ص ۱۱۲ (قوله بالهجاء) بان قطع





بولا جائے طلاق سمجھی جائے اور طلاق کے سوا کسی اور معنی میں مستعمل نہ ہو کما صرح بہ[عـہ]

الحروف ونطق بالمسمی ونطقہ باسماء الحروف کنطقہ بمسمیاتہا فیما یظہر وقال الشامی ص ۵۹۱ (قولہ او طلاق) ظاہر ما ہنا و مثلہ فی الفتح والبحران یأتی بمسمی احرف الہجاء والظاہر عدم الفرق بینہا وبین اسمائہا الخ الفقیر ابوالخیر النعیمی غفرلہ ۵ رجمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۴ھ ۲۸.۵.۷۴

عـہ الثابت من الہدایۃ وغیرہا من تعریف الطلاق الصریح "ہو ما یستعمل فیہ ولا یستعمل فی غیرہ" وقد قالوا فی التعلیل لغلبۃ الاستعمال وہنا ینبئ عن الاستعمال القلیل المغلوب فی غیرہ وانہ لا یخالف الصریح قد قال فی الفتح ج ۳ ص ۴۴ رتب الصراحۃ فی ہذہ الالفاظ بقولہ فکان صریحا علی الاستعمال فی معنی الطلاق دون غیرہ الا ان فی قولہ فی تعلیل عدم افتقارہا الی النیۃ لانہ صریح فیہ لغلبۃ الاستعمال تدافعا لان الموصوف بالغلبۃ ہنا ہو ما وصفہ بعدم الاستعمال فی غیرہ والغلبۃ فی مفہومہا الاستعمال فی الغیر قلیلا للتقابل بین الغلبۃ والاختصاص وقد قال الامام السرخسی فی المبسوط ج ۶ ص ۷۷ الصریح ما یکون مختصا بالاضافۃ الی النساء فلا یستعمل فی غیر النکاح ثم قال فی ص $\frac{۱۲۵}{ج ۶}$ و الحاصل ان کل لفظ لا یستعمل الا مضافا الی النساء فہو



عـہ نص شرح الوقایۃ والتنویر وغیرہما صریحہ ما استعمل فیہ دون غیرہ ونص الہدایۃ لان ہذہ الالفاظ تستعمل فی الطلاق ولا تستعمل فی غیرہ ۱۲ منہ غفرلہ



سادا تنا الكرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، چنانچہ مبسوط سرخسی ج ۶ ص ۷۷ و

صریح وکل ما یستعمل فی[1] النساء وغیر النساء فھو بمنزلۃ الکنایۃ وکذا فی الشامیۃ ج ۲ ص ۵۹۰

وقد قال فی المبسوط ص ۵۷ ایضا ان

ھذا اللفظ صریح فی الطلاق عن النکاح لغلبۃ الاستعمال فلاحاجۃ الی النیۃ فیہ ولانہ یختص بالنساء ولا یذکر لفظ الطلاق الامضافا الی النساء وھذا ایضا متدافع لان الاختصاص بالنساء وعدم الذکر فی غیرھا یقتضی عدم الاستعمال فی غیر النساء اصلا وغلبۃ الاستعمال دلیل الاستعمال القلیل وقد قال السعدی الچلپی مجیبا عن ھذا فی حاشیۃ الفتح قال المصنف (ای صاحب الھدایۃ) ولا تستعمل فی غیرہ اقول ای غالبا بقرینۃ قولہ لغلبۃ الاستعمال فیندفع التدافع بین کلامیہ وقد قال فی البحر ج ۳ ص ۲۵۱ بعد ذکر اشکال التدافع ولو حمل العبارۃ الاولیٰ علی الغالب لا ندفع وکذا قال الشامی ج ۳ ص ۵۹۰ (قولہ مالم یستعمل الا فیہ) ای غالبا ونبہ ادعلیٰ ھذا فی منحۃ الخالق ج ۲ ص ۲۵۱ فقال ای غالبا فیوافق قولہ لغلبۃ الاستعمال وقد قال السید الطحطاوی ج ۲ ص ۱۱۲ "الا ان یقال ان المراد بالحصر کثرۃ الاستعمال فعلی ھذا لوقال صریحہ ما کثر استعمالہ فیہ لکان اولیٰ" ومبناہ علیٰ ان الاستعمال القلیل النادر فی حکم العدم فلا ینافی الصراحۃ والاختصاص وقد اجاب الشامی فی المنحۃ



---

[1] ای فی رفع قید نکاح النساء ۱۲ منہ



ج ۶ ص ۱۴۵ ، بدائع صنائع ج ۳ ص ۱۰۱ ، ۱۰۶ ، جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۱۰۲ ، ہدایہ ج ۲ ص ۳۳۹ ،

ج ۳ ص ۱۵۱ ، ۲عن هذا الاشكال بجواب آخر قائلا وقد يجاب ايضا بانها فى اصل الوضع تستعمل فى الطلاق وغيره ثم غلب الاستعمال فيها على الاصل الوضعى فتخصصت بالطلاق فقط اى بسبب غلبة الاستعمال اختصت بالطلاق عرفا فمعنى غلبة الاستعمال هو الاستعمال العرفى الذى غلب على الاصل الوضعى وليس معناه انها تستعمل فى الطلاق غالبا وفى غيرها نادرا حتى ينافى قوله دون غيره اقول حاصل هذا ان هذه الالفاظ مختصة بالطلاق فى الاستعمال العرفى فلا يستعمل عرفا فى غير الطلاق ولو نادرا وقد قال فى الشامية ج ۲ ص ۵۹۲ الصريح ما غلب فى العرف استعماله فى الطلاق بحيث لا يستعمل عرفا الا فيه قد دينا فى قوله دون غيره ولا الاختصاص بالنساء عرفا استعمالها اللغوى القليل النادر فى غيره وضعا لان الوضع شيئ والعرف شيئ آخر ولا تدافع ولا تناقض الا بالوحدة كما بين فى محله ولا يخفى ان الفرق بين الجوابين متحقق ولكنه دقيق لطيف وكلا هما ينبأن عن الصريح قد يستعمل فى غير الطلاق اى رفع قيد النكاح ولو قليلا لغة وذا مما لا شك فى وجوده فان انت طالق مع انه اصرح صريح قد يطلق فيراد به غير الطلاق نفى المبسوط ج ۶ ص ۸۲ والبدائع ج ۳ ص ۱۰۱ والجوهرة ج ۲ ص ۱۰۲ والفتح ج ۳ ص ۴۷ والخلاصة ج ۲ ص ۸۰ والبزازية ج ۴ ص ۱۷۴ بكلمات متقاربات والنظم للسرخسى ولو قال انت طالق من وثاق لم يقع عليها شيئ قال فى البدائع فان المرأة قد توصف بانها طالق من وثاق وفى الدر والشامية ج ۲ ص ۵۹۳ والطحطاوية ج ۲ ص ۱۱۳ وتبيين الحقائق بكلمات متوافقات والنظم





بحر الرائق ج ۳ ص ۲۵۱، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۲، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۵۹۰،

للزیلعی و لو قال انت طالق عن وثاق لم یقع فی القضاء شیئ لانہ صرح بما یحتملہ اللفظ فیصدق قضاء و دیانۃ و کذا لو قال انت طالق من ھذا القید و ایضا فی المبسوط و البدائع و الھدایۃ و الفتح ج ۳ ص ۴۶ و الجوھرۃ و التبیین و الخلاصۃ و الدر و الشامیۃ والطحطاویۃ و البزازیۃ والھندیۃ ج ۱ ص ۳۵۴ و النظم منھا و لو قال لھا انت طالق و نوی بہ الطلاق عن وثاق لم یصدق قضاء و یدین فیما بینہ و بین اللہ تعالٰی فی البدائع وغیرھا لانہ نوی ما یحتملہ کلامہ فی الجملۃ واللہ تعالٰی مطلع علی قلبہ ففی ھذہ النصوص دلیل علی ان کلمۃ طلاق تحتمل معنی اٰخر غیر الطلاق وھو معتبر عند اللہ تعالٰی فلا شک فی وجودہ و استعمالہ غیر معروف وعدم اعتبار القاضی لا ینافی الوجود لان مبنی القضاء علی الظاھر و ھو غیر ظاھر لکونہ غیر معروف وتصریح الوثاق او القید قرینۃ قویۃ علی ارادتہ فیعتبر القاضی ایضا بل قد یکون المعنی الاٰخر معروفا ایضا باعتبار لغۃ عربیۃ ولکن العرف الشرعی یغلبہ فیبقی صریحا کما فی الطحطاویۃ ج ۲ ص ۱۱۲ ان الترکی یستعمل ھذا اللفظ (لفظ طلاق طلاق) للطحال الخ وھٰھنا اشکال اٰخر وھو انہ قد یکون لفظ صریحا فی الطلاق عرفا و لہ معنی اٰخر ایضا عرفا شرعیا کثیر الاستعمال کثرۃ لا تنکر فان لفظ الحرام صارت طلاقا صریحا باعتبار العرف ففی التنویر و الدر و الشامیۃ ج ۲ ص ۶۷ و الطحطاویۃ ج ۲ ص ۱۸۷ و النظم من التنویر قال لامرأتہ انت علی حرام (الی ان قال) ویفتی بانہ طلاق بائن و ان لم ینوہ قال الشامی و الفتوی علی قول المتاخرین بانصرافہ الی الطلاق البائن وایضا قال





طحطاوی علی الدر ج ۲ ص ۱۱۲، تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۹۷، فتاوی ہندیہ ج ۱ ص ۳۷۹

الصواب حمله على الطلاق لانه العرف الحادث المفتى به انتهى
مع انه ايضا يقال الخمر حرام والخنزير حرام والزنا حرام الى
غير ذلك من الاشياء والافعال المحرمة وكذا يطلق على النساء
المحرمات وكذا يطلق على المحرم بالحج والعمرة انه حرام
وكذا يكون الحرام يمينا فذا معان اخر معروفة شرعا مستعملة
عرفا وهذا واضح وهو ان المراد فى قولهم ما يستعمل فيه ولا يستعمل
فى غيره الفاظ تستعمل مضافة الى الازواج المنكوحات رفع قيد النكاح
وهو المراد من الاختصاص بالنساء لا الالفاظ المطلقة عن الاضافة
وذا مما لا خفاء عليه اصلا فلذا لم يصرحوا بهذا القيد فى التعريف
ويستأنس لهذا بعبارتهم السابقة ففى المبسوط ج ۶ ص ۷۵
اذا قال لها انت طالق يقع به طلقة رجعية نوى او لم ينو لان
هذا اللفظ صريح فى الطلاق عن النكاح لغلبة الاستعمال فلا حاجة
الى لنية فيه ولانه يختص بالنساء ولا يذكر لفظ الطلاق الا
مضافا الى النساء وانما يذكر فى غيرهن الاطلاق والمعنى
المختص بالنساء النكاح فتعين الطلاق عن النكاح عند الاضافة
وفى البدائع ج ۳ ص ۱۰۱ اما الصريح فهو اللفظ الذى لا يستعمل
الا فى حل قيد النكاح وفى ج ۳ ص ۱۰۶ ان الصريح فى الطلاق هو اللفظ الذى
لا يستعمل الا فى الطلاق عن قيد النكاح وفى ج ۳ ص ۱۰۲ الاصل



ــه وكذا فى الهداية فالصريح قوله انت طالق ومطلقة وطلقتك فهذا يقع الطلاق الرجعى لان هذه الالفاظ تستعمل فى الطلاق ولا تستعمل فى غيره ۱۲ منہ غفرلہ



وغیرہ با عتبارات فقہیہ میں بالفاظ متغایرہ ہیں۔ و النقض من انسیائکم ان صرتم۔

الذی علیہ الفتوی فی زماننا ھذا فی الطلاق بائن ہے سینہ ان کان فیہا لفظ لا یستعمل الا فی الطلاق فذلک اللفظ صریح یقع بہ الطلاق من غیر نیۃ اذا اضیف الی المرأۃ ومثلہ فی البحر ج ۳ ص ۳ و الہندیۃ ج ۲ ص ۳۷۹ والشامیۃ ج ۲ ص ۵۷۲، ۵۹۰، ۵۹۴ ولنا صرحوا بشرطیۃ الاضافۃ الی الزوجۃ کما ذکرت فی الفتوی وایضا ھذا القید ظاھر من ان المراد من کلمۃ "ما" فی ما یستعمل فیہ ولا یستعمل فی غیرہ لفظ مضاف الی الزوجۃ (لان الطلاق لا یکون الا بالاضافۃ الی الزوجۃ) وھو المبتدأ والجملتان یستعمل فیہ ولا یستعمل فی غیرہ خبراہ ای صفتاہ معنی وھو المرجع للضمیرین فی الفصلین فکیف لا یکون ما فی الجملۃ الثانیۃ مقیدا بقید الاضافۃ وکیف یرتفع القید الثابت من دون رافع وبعبارۃ اخری ان "ما" ھذا ھو المقسم والصریح والکنایۃ القسمان قسمان منہ فاذا کان الاضافۃ الی الزوجۃ ماخوذا فی المقسم فکیف ینفک القسمان عنہا فلذا صرح فی البدائع وغیرھا لانہ لا یستعمل الا فی حل قید النکاح والا فی الطلاق عن قید النکاح فحصحص الحق حصحصۃ الشمس نصف النہار والقمر منتصف الشہر ان مرادھم ان الصریح لفظ مضاف الی الزوجۃ لا یستعمل عرفا الا فی الطلاق مثل طالق فی انت طالق

سہ فالمقسم لفظ رفع قید النکاح مضافا الی النساء ۱۲ منہ غفرلہ

سہ ما یستعمل فیہ ولا یستعمل فی غیرہ ۱۲ منہ غفرلہ

صہ ما یستعمل فیہ و یستعمل فی غیرہ ایضا ۱۲ منہ غفرلہ



الطلاق هو اللفظ الذى لا يستعمل الا فى الطلاق عن

وحرام فى انت حرام فلفظ الطالق والحرام وان كان لهما معان اخر لغة بل للحرام عرفا ايضا ولكن فى هذين الجملتين لا يستعملان عرفا الا فى الطلاق وان نوى معنى آخر فيصدق ديانة لا قضاء الا اذا اراد ما يعين المراد كالوثاق فى انت طالق وكذلك ولحمك ودمك وغير ذلك لان انت حرام على يحتملها واما طالق فى جملة ان الدنيا طالق وحرام فى ان الخمر حرام فليسا بلفظى الطلاق لعدم الاضافة الى الزوجة هذا - فان قيل قد ذكرت فى الفتوى عن المبسوط والبدائع والتبيين والجوهرة ان سرحتك ليس بصريح لان الصريح لا يستعمل الا فى غير النكاح وهذا اللفظ يستعمل فى الغير فان الرجل يقول سرحت ابلى وليس فيها الاضافة الى الزوجة فعلم انه ليس قيد الاضافة الى الزوجة معتبرا فى ما لا يستعمل فى غيره - قلت ان الحق لا ينتقض بامثال هذه الشبهة الواهية التى عرضت عن عدم التدبر فى نصوصهم المباركة فان مرادهم بهذا ان سرحت فى سرحتك خطابا للزوجة ليس صريحا فان سرحت فى سرحتك يحتمل معنى آخر يجوز استعماله فيه لعدم العرف الغاشى فى كونه طلاقا فان تسريح الزوجة اى ارسالها كما يكون للطلاق يكون لغير الطلاق ايضا كما ان الرجل يقول سرحت ابلى والابل ليس محلا للطلاق فلا يتصور فيه معنى الطلاق بل معناه غير الطلاق فكذا يتصور فى سرحتك معنى غير الطلاق فتعبيرهم هذا دعوى مع الدليل فما الطفه هو وادقه واحسنه وقد اختصره الشامى عليه الرحمة فى ج٢ ص ٩٣٦ حيث قال (قوله سرحتك) من السراح بفتح السين





قید النکاح نیز اسی میں ہے اما الصریح فھو اللفظ الذی لا یستعمل الا فی حل قید النکاح الخ

اس بیان سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ ایسا لفظ جو طلاق کے ساتھ خاص نہیں بلکہ طلاق کے علاوہ کسی اور معنی میں بھی مستعمل ہو تو صریح نہیں بلکہ کنایہ طلاق ہے کہ بلا نیت طلاق یا قرینہ طلاق طلاق نہیں بنتا وقد صرحوا بہ ایضاً حالانکہ لفظ چھوڑی کا استعمال طلاق کے علاوہ اور کئی معنوں میں بھی عام ہے اور پنجابیوں میں رائج و معروف ہے کہا جاتا ہے' ڈاچی چھوڑی، گھوڑی چھوڑی، بھینس گائے چھوڑی، بھیڑ بکری چھوڑی، ا بیہ وستی یا گلی چھوڑی بلکہ بیوی کے متعلق بھی

وھو الارسال ای ارسلتک لانی طلقتک او لحاجۃ لی وقد صرح بھذا القید الشیخ الکامل قدوۃ السالکین عمدۃ العارفین مستند العلماء والفضلاء سیدنا خواجہ مہر علی شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی فتاوٰہ السلکہ حیث قال والتحقیق ان الصریح ھو الظاھر المتبادر فی رفع قید النکاح مجردا عن القرائن (الی ان قال رضی اللہ عنہ) فمھما اطلق الرجل فی حق عرسہ لفظا یتبادر منہ ارادۃ الطلاق من غیر احتیاج الی القرینۃ ای حالۃ الغضب و مذاکرۃ الطلاق یکون صریحا والا فلا فی الصریح لیس شرط زائد بعد حفظ الاضافۃ من الزوج الی الزوجۃ انتہیٰ۔

فھذا ھو الحق المبین وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ربنا ارحم الراحمین فللہ الحمد والمنۃ علی ھدایتنا لحق وارادتہ وصلی اللہ علی محبوب ای محبوب ارسلہ لھدایتہ وارادتہ وعلیٰ آلہ واصحابہ حسب ھدایتہ وارادتہ۔ الفقیر ابو الخیر المنیبی غفرلہ ۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ ۲۵.۴.۷۴

سہ کما یأتی فی ھذہ الفتوی ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲ منہ غفرلہ

عہ او شتی ۱۲ منہ غفرلہ



طلاق کے علاوہ کبھی بولا جاتا ہے جیسے نہایت معروف کا رد: بار ہی یا طالب علم وغیرہ شادی شدہ لوگ جو اپنی بیوی ساتھ نہ رکھیں، کہا کرتے ہیں کہ بیوی اس کے باپ کے پاس چھوڑی یا اپنے باپ کے گھر چھوڑی یا اپنے بھائی کے گھر چھوڑی ہے یعنی وہاں ٹھہرائی ہوئی ہے لہذا یہ صریح نہیں بلکہ کنایہ ہے، بعینہ اسی دلیل سے ہمارے مشائخ عظام نے "سرحتک کر جو "تجھے چھوڑی" کا عربی ترجمہ ہے) صریح طلاق نہیں بنایا بلکہ کنایہ شمار فرمایا، مبسوط ج ۶ ص ۷۷، بدائع صنائع ج ۳ ص ۱۰۶، تبیین الحقائق ج ۲ ص ۲۱۶، جوہرہ نیرہ ج ۲ ص ۱۰۴، بحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۱، شامی ج ۲ ص ۶۳۹ وغیرہا میں ہے بالفاظ متقاربہ والنظم من المبسوط ولو قال لامرأته سرحتک او فارقتک ولم ینو الطلاق لم یقع شیئ (الی ان قال) الصریح ما یکون مختصا بالاضافة الی النساء فلا یستعمل فی غیر النکاح وھذا لا یوجد فی ھذین اللفظین فان الرجل یقول سرحت ابلی الخ شامی کے لفظ یہ ہیں (قوله سرحتک) من السراح بفتح السین وھو الارسال ای ارسلتک لانی طلقتک او لحاجة لی الخ اور یونہی بالخصوص غیر عربی الفاظ کے متعلق بھی ہمارے مشائخ عظام نے بھی تصریح فرمائی ہے: مبسوط ج ۶ ص ۱۴۴، ص ۱۴۵، بدائع صنائع ج ۳ ص ۱۰۲، بزازیہ ج ۴ ص ۲۰۰، ہندیہ ج ۱ ص ۳۷۹، بحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۰، شامی ج ۲ ص ۵۹۰ میں بالفاظ متقاربہ ہے والنظم للامام السرخسی والحاصل ان کل لفظ لا یستعمل الا مضافا الی النساء فھو صریح وکل ما یستعمل فی النساء وغیر النساء



ـه و مثله ترکت ففی کنایات الھندیة ج ۱ ص ۳۷۶ رجل قال لآخر ان کنت تضربنی لاجل فلانة التی تزوجتھا فانی ترکتھا فخذھا ونوی الطلاق تقع واحدة بائنة کما فی الخلاصة ۱۲ منه غفر له



فهو بمنزلة الكناية. طحطاوی علی الدر ج ۲ ص ۱۱۲ میں ہے (قوله بالفارسية) مراده بها غير العربية، شامی ج ۲ ص ۵۹۴ میں ہے من ای لغة كانت، بدائع ج ۳ ص ۱۰۲، بحر ج ۳ ص ۳۰۰ میں ہے ان الصريح لا يختلف باختلاف اللغات۔

الحاصل لفظ چھوڑدی ہمارے روزمرہ محاورات میں صرف عورت یا منکوحہ کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ بکثرت اور چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسے عربی میں سرحت البنة پاکستان یا ہندوستان کے کسی ضلع یا صوبہ میں یہ لفظ صرف طلاق کے لئے ہی خاص اور عرف بن جائے تو اس علاقہ میں طلاق صریح ضرور شمار ہوگا مگر ہمارے علاقہ میں یوں نہیں لہذا طلاق صریح نہیں پھر مسئلہ ہذا میں جبکہ زید قسم اٹھا کر کہتا ہے کہ میری نیت جیز دست کی ہے حالانکہ بلا قرینہ کنایات میں زوج کا قول ہی معتبر ہوتا ہے کما فی معتبرات المذهبية چنانچہ مبسوط ج ۶ ص ۷۹۔ ہدایہ ۲ ص ۳۵۵ میں ہے والنظم من المبسوط انه امين والقول قول الامين مع اليمين اور زید اور اس کی زوجہ کے مابین مذاکرہ یا مغاضبہ کبھی نہیں ہوا بلکہ اس وقت زوجہ حاضر ہی نہیں اور زوجہ کا والد بھی حاضر نہیں، پھر زید یہ بھی ساتھ ہی کہتا ہے " میں بصیر پور پڑھنے جاتا ہوں اباجی، اور پھر نسبت متعینہ بھی نہیں تو طلاق بنانا ہرگز ہرگز جائز نہیں اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ ان



عہ فتاوی مبارکہ مسریہ شریفہ ص ۱۶۸ کے کتنے پیارے کلمات مبارکہ ہیں ولما كان العرف مدار المقام ففي اي موطن يطلق لفظ "چھوڑی" من الزوج الى عرسه ويتبادر منه انفهام معنى رفع قيد النكاح مجردا عن قرينة الغضب والمذاكرة تكون صريحا عند اهله واى موضع يكون فيه بخلافه يكون بائنا عند اهله الخ ۱۲ منه غفرله



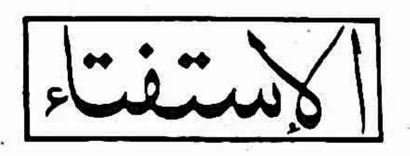
بعض حضرات نے لفظ "چھوڑی" کو صرف صریح طلاق ہی نہیں بنایا بلکہ "تکرار چھوڑی" سے تین طلاقیں بنا کر مغلظہ قرار دیا کر بغیر حلالہ کے تجدید نکاح بھی جائز نہیں حالانکہ بالفرض بقول ان کے صریح بن بھی جائے تو مغلظہ نہیں بن سکتی کیونکہ حرام کی طرح اپنے اصل معنی کی بنا پر بائن بنے گی۔ فقہائے کرام کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ بائن طلاق بائن کو لاحق نہیں ہوتی کما فی التنویر والدر والشامیۃ ج ۲ ص ۶۳۵ میں ہے قال ولا یرد انت علی حرام علی المفتی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ مع انہ لا یلحق البائن ولا یلحقہ البائن لکونہ بائنا لما ان عدم توقفہ علی النیۃ امر عرض لہ لا بحسب اصل وضعہ۔

بہرحال ماہِ نیم ماہ و مہر نیمروز کی طرح نمایاں ہوا کہ صورتِ سوال میں زید کی بیوی باقاعدہ زید کی بیوی ہی ہے، اس پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان والجواب بالانصاف وقد بقی الخبایا فی زوایا الکلام۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ $\frac{5}{74}$ ۱۶





الاستفتاء

علماءِ دین اور مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، ایک شخص نے اپنی بیوی کو گواہوں کے روبرو طلاق دی اور حروف یہ استعمال کئے کہ حرام حرام



حرام، میری ماں اور بہن ہے۔

فقیر چراغ دین، چک ۲۴۲/گ ب





سائل نے زبانی بیان کیا کہ اس شخص نے خود بخود گواہوں کو بلایا اور اپنی بیوی کے متعلق یہ لفظ کہے، اگر یہ تحریر اور زبانی بیان صحیح ہے تو اس کی بیوی کو ایک طلاق بائن پڑ گئی ہے اور باقی لغو، شامی ج ۲ ص ۴۹۵ میں ہے افتی المتأخرون فی انت علی حرام بانہ طلاق بائن للعرف بلا نیۃ نیز ج ۲ ص ۶۴۵ میں ہے کہ انت علی حرام کے بعد انت علی حرام کہنے سے اور طلاق نہیں پڑتی نصہ ولا یرد انت علی حرام علی المفتٰی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ مع انہ لا یلحق البائن ولا یلحقہ البائن لکونہ بائنا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۰ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ

۲۸ ۶/۷۷



الاستفتاء

بخدمت جناب حضرتِ قبلہ وکعبہ استاذ العلماء فقیہ اعظم پاکستان محدث عرب و
عجم الحاج مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی دامت برکاتہم العالی

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص نے اپنے سسر کی طرف اپنی بیوی کے متعلق اس طرح لکھا ہے، ہمیں افسوس سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ آپ نے گاؤں میں آنا ترک کر دیا ہے، اس کا مطلب کہ شہزادی کو ہم اپنے پاس رکھ لیں، اگر آؤ گے خود لے آنا ورنہ اس کو اپنے پاس قابو کر لو، میرا آخری فیصلہ ایک ہے طلاق طلاق طلاق، اس سے زیادہ ذلیل ہونا ہے، کچھ بھی ہو جائے میں طلاق دوں گا، اتنا وقت گذر گیا ہے آئی نہیں ہے، میں طلاق دوں گا، شہر بسے یا گاؤں بسے،



اب علماءِ کرام سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ مذکورہ شخص آخری فیصلہ کر کے لکھ کر دے رہا ہے کہ میرا آخری فیصلہ ایک ہے طلاق طلاق طلاق۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ میں طلاق دوں گا، آخری فیصلہ کرنے کے بعد مستقبل کا جملہ کہ" میں طلاق دوں گا"، شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام موجب کیا حکم رکھتی ہے؟

بینوا وتوجروا۔

السائل: ابوالنور مولا بخش سکندری متعلم دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری گیٹ لاہور

و

ساکن خیرپور (سندھ)





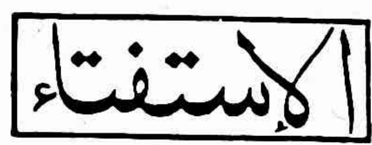
یہ "آخری فیصلہ" کئی احتمالوں والا ہے مثلاً یہ کہ شہزادی (جو اس کی زوجہ ہے) اس کے حق میں فیصلہ ہے یا یہ کہ اس کی یہ عادت ہے کہ اس نے اپنی سابقہ بیویوں کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہوا ہے لہٰذا اسٹور جاؤ اور اس معنیٰ کا قرینہ جملہ مکررہ "میں طلاق دوں گا، میں طلاق دوں گا" لہٰذا ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہو سکتی، نیز پہلے معنیٰ میں بھی دو احتمال ہیں کہ شہزادی کو طلاق طلاق طلاق ہے یا دوں گا، اور اس دوسرے احتمال کو وہی استقبالیہ مکررہ جملے تائید دیتے ہیں، چونکہ شہزادی کا نکاح متعین ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الیقین لا یرتفع بالشک لہٰذا نکاح باقی ہے، طلاق واقع نہیں ہوئی وھذہ القاعدۃ من اجلی البدیہیات فلاحاجۃ الی ذکر الحوالجات۔

ان دو دلیلوں کے علاوہ عدمِ وقوعِ طلاق کی یہ بھی دلیل بین ہے کہ اس جملۂ فیصلہ میں زوجہ کی طرف نسبت نہیں اور نسبت الی الزوجہ کے بغیر کسی بھی لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، فتاویٰ خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۷۶، ۷۷ اور درالمختار شامی علی الدر ج ۲ ص ۵۹۰ اور ج ۲ ص ۵۹۱، طحطاوی علی الدر ج ۲ ص ۱۱۲، البحرالرائق ج ۳ ص ۲۵۳ میں ہے چنانچہ خلاصہ میں فرمایا جنس آخر فی الاضافۃ۔ پھر کئی مسائل ذکر کئے کہ ان میں طلاق لعدم الاضافۃ واقع نہیں ہوتی چنانچہ اسی صفحہ میں فرمایا ولو

سه وقد ذکرما فی الاشباہ والنظائر ص۵۷ قاعدۃ ثالثۃ فی اوراق کثیرۃ من شاء فلیطالعھا منہ غفرلہ [۱۲]

قالت طلقنی فضربها وقال اینک طلاق لایقع نیز اسی میں ہے
فقال بالفارسیۃ سرطلاق ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل
شیئا لایقع نیز وفی المحیط "دار طلاق" ینوی لعدم الاضافۃ درمختار
میں فرمایا لوقال ان خرجت یقع الطلاق او لا تخرجی الا باذنی
فخرجت لم یقع لترکہ الاضافۃ الیہا، شامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ای
المعنویۃ فانہا الشرط والخطاب من الاضافۃ المعنویۃ
وکذا الاشارۃ الخ اور یونہی ابن نجیم علیہ الرحمہ نے بھی بحر الرائق میں فرمایا و
قید بخطابہا لانہ لوقال حلفت بالطلاق ولم ینسب الیہا
لایقع (الی ان قال) وذکر اسمہا واضافتہا الیہ کخطابہ۔
بہر حال صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی اور جملہ " میں طلاق دونگا"
فیصلہ والے جملہ کا مبین ومظہر بنے گا۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم و
علی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔
حررہ: ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ خادم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور
ضلع ساہیوال
۵ صفر المظفر ۱۳۹۸ھ 15/11/78





حضور عالی جناب راس المفسرین فخر المحدثین قطب عصر قبلہ اباجی صاحب
ادام اللہ فیوضہم ابدا۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :-





ایک مسئلہ ارشاد فرمایا جائے۔ زید فاطمہ سے نکاح کرسکتا ہے جبکہ فاطمہ زید کی ہمشیرہ عائشہ کے ساتھ مل کر زید کی والدہ کا دودھ پی چکی ہو؟ فتاوی نوریہ ج۲ ص ۳۶ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے لیکن چونکہ مسئلہ ۲ بھی دریافت طلب تھا لہذا یہ بھی عرض کردیا ہے۔

مسئلہ ۲ :

جو شخص زید سے زید کی منکوحہ کے حق میں تین بار حرام حرام حرام کہلواتا ہے اور زید کی نیت طلاق ہو تو وہ زید کی منکوحہ کے حق میں زید کے لئے بائن ہے یا مغلظہ؟ فتاوی عالمگیری (طبع مصری) ج۱ ص ۱۰۴ ولو قال انا منك بائن او انا عليك حرام و نوى الطلاق يقع، شرح وقایہ ج۲ ص ۸۲ ومنها اعتدى واستبرئى الخ (الی ان قال) حرام خلية برية تقع واحدة بائنة۔ بہار شریعت ج۸ ص ۱۳ "اپنی عورت سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو ایک بائن طلاق ہوگی" ہدایہ شریف ج۲ ص ۳۴۶ ولو قال انا منك بائن او عليك حرام ينوى الطلاق فهى طالق۔ الدر المختار ج۲ ص ۱۳۹ ونحو خلية وبرية حرام بائن۔



عرض ہے کہ حرام سے بائن تو ہے، کیا ایک بار حرام کہنے سے بائن ہے تو متعدد بار حرام کہنے پر بھی بائن ہے یعنی تین یا تین سے زیادہ بار کہنے پر بائن ہی ہے، جیسا کہ ظہار میں ایک بار اپنی عورت کو مثل ماں بہن کہنا یا دس بار کہنا آیا کفارۂ ظہار ایک ہی بار ہوتا ہے یا مغلظہ ہوگی؟

حضور فیض گنجور ہم لاکھ کتابیں دیکھ لیں تشنگی برقرار، محتاجی کا اظہار ہوتا ہے کہ اپنے آقا سے وابستگی قائم رہے، دعا ہے کہ نظر کرم رہے آمین ثم آمین۔

حضرت صاحبزادہ صاحب سے سلام عرض اور اساتذہ کرام سے بھی مؤدبانہ اور سب سے



سب کی خدمت میں سلام دعا۔

آپ حضور کا فرزند : محمد فیض الرحمٰن سجادہ نشین آستانہ عالیہ ناتالی شریف
تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال ۷۹/۴/۴





۱۔ مسماۃ فاطمہ نے جب زید کی والدہ کا دودھ پیا، زید کے ساتھ یا کسی اور بہن بھائی کے ساتھ تو وہ زید کی رضاعی بہن بن گئی اور بحکم و اخواتکم من الرضاعۃ حرام ہوگئی لہذا زید کے نکاح میں ہرگز ہرگز نہیں آسکتی۔

۲۔ زید کا اپنی منکوحہ کو تین بار حرام حرام حرام کہنا صرف ایک طلاق بائن ہے، کیونکہ قاعدۂ فقہیہ ہے لایلحق البائن البائن ، فتاوی ہندیہ (عالمگیریہ) ج ۲ ص ۶۳ فی آخر الفصل الخامس فی الکنایات۔ اور تنویر الابصار، درالمختار شامی ج ۲ ص ۶۴۵ ۔ ۶۴۶ میں ہے الصریح یلحق الصریح (الی ان قال) لا یلحق البائن البائن۔

البتہ اگر ایک مرتبہ انت علی حرام میں تین کی نیت کرے تو صحیح ہے شامی ج ۲ ص ۵۹۶ میں ہے فقد صرحوا بانہ تصح نیۃ الثلاث فی انت علی حرام کیونکہ "حرام" مصدر ہے، اس میں تین کی نیت ہوسکتی ہے ولفظہ لان الطلاق مذکور بلفظ المصدر وقد علمت صحتہا فیہ وکذا فی قولہ علی الحرام اور بہار شریعت ج ۸ ص ۲۴ میں بڑی تفصیل سے ہے

ھ رحمۃ اللہ علیہ ۔ م ۲۸ دسمبر ۱۹۷۹ء (مرتب)



خود پڑھ لیں۔

واللہ تعالیٰ علم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

١٦ جمادی الاولیٰ ١٣٩٩ھ $\frac{4}{79}$ ۴

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین مفتیان محدثین اس مسئلہ میں کہ عرصہ ٦ ماہ کا ہوا ہوگا کہ مسمی شمشیر ولد گوماں بلوچ چک ۵۹ موضع تلے والا خان پور کٹورہ میرے گھر چار بجے شام آیا اور اپنی بیوہ مسماۃ حنیفاں عرف صغریٰ دختر ام کو بلا کہ کہنے لگا کہ میں نے تم کو تین طلاق دے دی، جہاں تیرا دل چاہے نکاح ثانی کر سکتی ہے، تو میرے اوپر چہار مذہب اسلام میں حرام ہے۔ اس وقت میرے پاس دو تین آدمی بھی بیٹھے تھے۔

علی الصبح میں نے اس کو بلا کر پوچھا کہ آپ تحریری طلاق بھی لکھ کر دیں تو اس نے کہا جبکہ میں اپنی زبان سے تین طلاق دے چکا ہوں تو اب لکھنے کی کیا ضرورت؟ لہٰذا براہ مہربانی کتب احادیث وفقہ وآیات قرآن مجید کا ثبوت دیں کہ کل کو اگر وہ منحرف ہو تو ثبوت دکھلایا جائے، جواب دیکر مشکور فرمائیں، جناب کی مہربانی ہوگی۔

العارض

السائل: میاں خان ولد عبداللہ چک ٣٦ A/ 4.L ڈاکخانہ اوکاڑہ کینٹ تحصیل اوکاڑہ ضلع ساہیوال



گواہ شد
فلک شیر ولد صادق خان بلوچ
چک ۳۶۹/4.L ڈاک خانہ اوکاڑہ کینٹ
تحصیل اوکاڑہ ضلع ساہیوال

گواہ شد
مہر کبیر خاں ولد نور شیر خاں
چک ۳۷/4.L تحصیل اوکاڑہ ضلع ساہیوال



اگر صورتِ سوال صحیح ہے تو بحکم قرآنِ کریم اور حدیث پاک اور فقہ مذہبِ مہذب حنفی تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں۔

قرآنِ کریم میں ہے الطلاق مرتٰن اور فان طلقها الآیۃ اور حدیث ابنِ ماجہ میں ہے الطلاق لمن اخذ بالساق اور فتاوے عالمگیری اور فتاوے قاضی خان اور سب فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔ ہاں گورنمنٹ کا قانون ہے کہ سرکاری طور پر یونین کونسل میں طلاق دی جائے تو معتبر ہے، مگر یہ گورنمنٹ کا قانون ہے اور شرع شریعت میں باقاعدہ طلاق مکمل ہو گئی ہے اور مسماۃ صغرے مسمی شمیر پر حرام ہو گئی ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ 19 . ۲ . ۸۰







الاستفتاء

بخدمتِ اقدس محترم ومکرم قبلہ وکعبہ آقائے نعمت پیرِ طریقت رہبرِ شریعت صوفئ باصفا عاشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، قبلہ ابا جان (دامت برکاتہم العالیہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے بعد عرض ہے کہ بندہ کے سامنے چند مسائل پیش ہوئے ہیں، حضور آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں :۔



۱۔ ایک آدمی نے سوال کیا ہے کہ مثلاً ایک آدمی کی شادی نئی ہوئی ہے یا پہلے ہے اس نے اپنی بیوی کے پستان محبت میں آکر چوسے، کیا اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے یا نہیں؟ اگر نکاح نہیں ٹوٹا تو فتویٰ کے ذریعے اس کی تنبیہ فرمائیں اور پورے دلائل اور فتوے کے ساتھ جواب دیں۔

۲۔ اگر امام فجر کی نماز میں ۲۶ سیپارے میں سے ایک رکوع پڑھے اور دوسری رکعت میں ۲۴ سیپارے کا پڑھ دے، کیا جماعت ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو تمام نمازی نماز قضا پڑھیں یا کہ نہیں؟

۳۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، دس بارہ دنوں کے بعد دونوں میاں بیوی کی صلح ہو گئی اور انہوں نے مباشرت بھی کی، کیا نکاح تو ختم ہو چکا تھا اب اس کی بیوی اس پر حلال ہے یا نہیں؟ اور ان کے لئے کیا شرعی حکم ہے؟

۴۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو غصہ میں آکر طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا اور بعد میں اپنی بیوی سے معافی مانگی کہ میں غصہ میں آکر تجھ کو طلاق دے بیٹھا ہوں اور غلطی کر لی ہے، کیا وہ طلاق ہو گئی یا کہ نہیں ہوئی؟

۵۔ مسجد سے راستہ بنانا اور آمد و رفت رکھنا، کوئی مسجد کا احترام نہ کرنا اور عورتوں کا



حیض و نفاس استحاضہ خون آنے کے باوجود مسجد سے گزرنا،

اس کے متعلق آپ حضور مہربانی فرماکر دلائل اور فتوے کے ساتھ جواب دیں،

ان تمام کا حل ہونا میرے لئے باعثِ شرف و عزت ہے۔

السائل : حافظ قاری محمد سعید احمد سلطانی خطیب جامع مسجد غوثیہ بریلویہ

المینار، مکھن پورہ نزد نیو شادباغ لاہور 11.3.80





وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :-

مولانا! مجھے اتنی فرصت نہیں کہ میں دلائل کے ساتھ لکھ سکوں کیونکہ مجھے اسباق بھی پڑھانے ہوتے ہیں اور دارالعلوم کی دیکھ بھال بھی کرنی ہوتی ہے اور سوالات بھی کافی آتے ہیں اور آپ حضرات ایک مسئلہ نہیں بلکہ مسائل کی فہرست دیتے ہیں۔ صرف جوابِ شرعی لکھ دیتا ہوں، دلائل دیکھنے ہوں تو بوقتِ فرصت ملیں تو ہو سکتا ہے۔

۱۔ نکاح نہیں ٹوٹتا کہ مدت رضاعت کی ڈھائی سال ہے۔

۲۔ ہاں نماز صحیح ہو جائے گی کہ سب قرآن مجید ہی ہے۔

۳۔ طلاق دے دی، ایک یا دو یا تین؟ رجعی یا بائن؟ ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے، تفصیل سے سوال کریں۔

۴۔ طلاق دینے کے بعد معافی مانگنے کا کوئی مسئلہ نہیں، اگر یہ کہا ہے کہ تجھے طلاق، طلاق، طلاق ہے تو طلاقِ مغلظہ ہو گئی، ہزار معافی مانگے، بلا حلالہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا کوئی اور صورت تو کیا!



۵۔ یہ غلط ہے مسجد کا احترام شرعاً ضروری ہے اور حائض اور نفساء و جنب کے لئے گذرنا ناجائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ابداً ابداً۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ بقلمہ
۲۵ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ ۱۳۔۳۔۸۰



معلّق ومشروط طلاق

باب الطلاق بالشرط

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید اقرار نامہ میں یہ لفظ لکھ دیتا ہے کہ اگر میں اپنی بیوی مذکورہ[1] کو اس کے والدین کی مرضی کے خلاف اپنے والدین کے پاس یا کسی اور جگہ آباد کرنے کی کوشش کروں یا لے جاؤں گا تو میرا نکاح نہیں رہے گا اور زبانی بھی یہ کہا کہ میری طرف سے طلاق ہوگی مگر اب اس نے اپنی بیوی کو والدین بیوی کی مرضی کے خلاف اور جگہ آباد کرنے کی کوشش بذریعہ پولیس کی ہے تو کیا طلاق بائن واقع ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

احمد دین سائل از ڈوگرا متصل منڈی ہیرا سنگھ تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

۱۸ رجب المرجب ۱۳۷۳ھ

---

[1] جس کا باقاعدہ اس اقرارنامہ میں ذکر اوپر مذکور ہے ۱۲ ابوالخیر غفرلہٗ

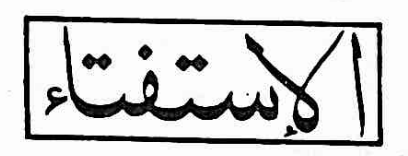




اگر سوال درست اور واقعی ہے تو بلاشک وشبہہ مذہب حنفیہ کی رُو سے طلاق بائن واقع ہوگئی کہ شرط کے پائے جانے پر طلاق واقع ہو جاتی ہے، بحر الرائق ج ۴ ص ۵ میں ہے قولہ فیقع بعدہ ای یقع الطلاق بعد وجود الشرط۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۳ رجب المرجب ۷۳ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ مسمی بشیر احمد حسب ذیل تحریر کر دیتا ہے، مسمی بشیر احمد ولد محمد رمضان قوم شیخ صدیقی سکنہ حال کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ اپنی بیوی بنام رشیداں بیگم ولد امام بخش قوم شیخ صدیقی کو مبلغ ۳۰ روپے ماہوار مورخہ $\frac{۳}{۵۵}$ ۱۵ کو مبلغ ۱۵ روپیہ اور دوسری تنخواہ مبلغ ۱۵ روپیہ مورخہ $\frac{۳}{۵۵}$ ۳۰ تک تنخواہ ۳۰ روپیہ لوپے کر دونگا، بذریعہ منی آرڈر مدت دس ماہ ادا کرتا رہونگا، اگر میں ان تاریخوں میں اپنی بیوی کو یہ رقم مذکورہ نہ ادا کر سکوں تو میری بیوی کو میری طرف سے تین طلاق بائن ہیں میرے اوپر کسی قسم کا کسی کا زور نہیں ہے، میں نے اپنی رضامندی سے تحریر کر دی ہے، بعقل ہوش وحواس خمسہ روبرو گواہان دستخط کر دیئے ہیں خدا کو حاضر ناظر جان کر، فقط

کاتب محمد شفیق سکنہ بصیر لوپہ ۵۵/۳/۲



گواہ شد　　گواہ شد　　دستخط

نشان انگوٹھا　　محمد شفیع بقلم خود　　مسمی بشیر احمد

مسمی مذکور نے روبرو گواہان اپنی بیوی رشیداں بیگم کو نان و نفقہ تحریر کر دیا تھا، آج تک ایک ماہ کی تنخواہ بھی نہیں ادا کی ہے، عرصہ کافی ہو گیا ہے تحریر کو، اس مسئلہ میں علماء کیا فرماتے ہیں کہ اس کی بیوی کو تین طلاقیں ہو گئی یا نہیں؟





اگر سوال صحیح و درست ہے تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں، ہدایہ ج ۲ ص ۳۵۹ میں ہے اذا اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط، شامی ج ۲ ص ۶۷۸ میں ہے و وجود الیمین شرط الحنث فیحنث۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ رجمادی الاولیٰ ۷۶ھ

الجواب ھو الجواب والحق واتباع الحق بلاشک وشبہ احق ومنکر الجواب بلاریب عنید الحق۔

کتبہ زید احمد غفرلہ خطیب جامع مسجد دربار شیخ فاضل صاحب علیہ الرحمہ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نیاز احمد نے اپنی بیوی ایک شخص کے یہاں جانے سے روکا مگر وہ نہ مانی بالآخر اس نے کاغذ پر یہ لکھا کہ اگر تو فلاں کے گھر آنے جانے سے نہ رکی تو میں تجھے مطلقہ کردونگا۔

یہ کاغذ اپنی بیوی تک پہنچا دیا، چند دن بعد شادی کی تقریب پر وہ اپنے میکے چلی گئی تو انہوں نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ نیاز احمد نے ہماری لڑکی کو مطلقہ کردیا۔ جب نیاز احمد نے یہ بات سنی تو سسرال گیا، انہیں اصل واقعہ سنایا اور مزید یہ بھی کہا کہ اگر وہ کاغذ طلاقنامہ ہے تو ظاہر کرو، انہوں نے اپنی لڑکی (نیاز احمد کی بیوی) سے کاغذ لیا تو اس نے کہا میں نے اسی وقت پھاڑ ڈالا تھا، نیاز احمد بار بار کہتا رہا کہ میں نے طلاق نہیں دی، البتہ دو شخصوں نے جب نیاز احمد سے پوچھا کہ کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے تو نیاز احمد صاحب کا بیان ہے کہ میں نے کہا ہاں کہ میرا ارادہ اس لفظ بولنے سے جھوٹ تھا کہ ایک جلسہ کے موقع پر نیاز کی برادری سے مندرجہ بالا سارا حال واعظ قسم کے علماء کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں کہنے سے مطلقہ ہو چکی ہے۔



اس جواب پر برادری نے نیاز احمد کو طلاقنامہ لکھنے پر مجبور کیا، نیاز احمد نے کہا کہ میں نے نہ طلاق دی اور نہ ہی لکھ دیتا ہوں مگر انہوں نے زور سے مجلس میں بٹھلا دیا اور ایک آدمی نے بغیر نیاز احمد کے کہنے کے طلاقنامہ لکھنا شروع کیا جس کی نقل روانہ ہے، جب تحریر سے فارغ ہوئے تو نیاز احمد کو دستخط کرنے پر مجبور کیا، نیاز احمد کا بیان ہے کہ انہوں نے لکھا ہوا کاغذ مجھے پڑھ کر نہیں سنایا اور نہ ہی اس کے اندراج کے مطابق مجھے الفاظ لکھوائے، میں نے اس تحریر شدہ کارڈ کو پڑھے بغیر روتے ہوئے



زدوکوب کے اندیشہ سے دستخط کردئے مگر میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اس مجلس سے چھٹکارا حاصل کرکے اس کے خلاف کارروائی کرونگا چنانچہ بعد کو میں طلاق کی نفی کرتا رہا اور کہتا رہا کہ مجھے مجبور کرکے دستخط کرائے گئے ہیں، میں نے اندراج کے مطابق لفظ کبھی نہیں لکھے اور نہ طلاق نامہ کو پڑھا ہے اور نہ لکھنے والے کو کہا ہے کہ لکھ۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا مندرجہ بالا صورت میں اس عورت پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی تو کونسی؟ رجعی، بائن یا مغلظہ؟ نیز کیا محض زدوکوب کے اندیشہ سے اکراہ پایا گیا یا نہیں؟ علاوہ ازیں تحریری طلاق کے وقوع میں کونسا اکراہ معتبر ہے؟ اکراہ ملجی یا غیر ملجی اور صورت مسئولہ میں کونسا اکراہ پایا جارہا ہے؟ نیز عالمگیری کی عبارت رجل اکرہ بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان فکتب امرأتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان طالق لا یطلق امرأتہ میں ضرب اور حبس سے کونسا ضرب و حبس مراد ہے، کیا معمولی ضرب و حبس کے اندیشہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، بینوا بالدلائل الواضحہ۔

محمد اسمٰعیل زاویہ قادریہ ریلوے روڈ ملتان



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی حبیبہ الکریم



سوال میں کافی اجمال سے کام لیا گیا ہے اور پھر سوال سے سوالات بنالئے گئے ہیں حالانکہ اصل میں سوال کے صرف دو ہی پہلو ہیں، نیاز احمد کا "ہاں" کہنا طلاق ہے یا نہیں؟ اور یونہی طلاق نامہ پر مجبوراً دستخط کرنے۔

سوالات استفتاء سے نمبر ۱ اور نمبر ۲ کا تعلق تو ان دونوں پہلوؤں سے ہے



اور باقی صرف دوسرے سے متعلق ہیں، نیاز احمد صاحب کا صرف یہ کہہ دینا کہ مطلقہ کردونگا ہرگز ہرگز طلاق نہیں البتہ سائلین کے استفسار پر "ہاں" کہہ دینا ضرور نقصان دہ ہے، درالمختار میں ہے لو قیل لہ طلقت امرأتک فقال نعم او بلی بالھجاء طلقت، بحر، شامی نے فرمایا ای بلا نیۃ (ج۲ص۵۹۲) اور جھوٹے طور پر بولنے کا دعوی بھی مفید نہیں، بحر الرائق ج۳ص۲۴۶، شامی ج۲ص۵۷۹ وغیرہما میں بالفاظ متقاربہ ہے لو اقر بالطلاق کاذبا او ھازلا وقع قضاء لا دیانۃ، فتح القدیر ج۳ص۳۵۲ میں ہے قال طلقتک امس وھو کاذب کان طلاقا فی القضاء، ہندیہ ج۲ص۵۲ میں ہے زعم انہ کان کاذبا لا یصدق بالقضاء کذا فی التتارخانیۃ، تو اگر یہ معاملہ نیاز احمد اور چند مخصوص افراد میں ہی رہتا تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوتی مگر جب کہ یہ معاملہ برادری اور بیوی کو معلوم ہوگیا تو شرعًا بیوی کے حق میں یہ ہاں کہہ دینا طلاق بن گیا حتّٰی کہ بیوی کے لئے یہ حلال نہیں کہ نیاز احمد کے پاس بطور بیوی رہے کہ بیوی کے حق میں قاضی کی طرح ظاہر کا ہی اعتبار ہے اور دعوائے کذب غیر معتبر، مبسوط ج۶ص۸۰ و ۸۲، فتح القدیر ج۳ص۳۵۳ و ۴۰۸، کفایہ ج۳ص۳۵۳، فتاوی غزی ص۵۳، ہندیہ ج۲ص۴۹، بدائع صنائع ج۳ص۱۰۱، تبیین الحقائق ج۲ص۱۹۸ و ۲۱۸، بحر الرائق ج۳ص۲۵۷، شامی ج۲ص۵۹۴ میں ہے والنظم منھما والمرأۃ کالقاضی اذا سمعتہ او اخبرھا عدل لا یحل لھا تمکینہ[سه]، تو بیوی کے حق میں بیوی پر ضرور طلاق واقع ہوگئی، رہا رجعی بائن یا مغلظہ ہونا تو ظاہر سوال یہی ہے کہ نیاز احمد سے ان دو شخصوں کا سوال کہ کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، اسی طلاق کے تذکرہ میں تھا جس کا پروپیگنڈہ سسرال میں کیا گیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ پروپیگنڈہ طلاق مغلظہ کا ہی ہوگا، تو اگر یہی حقیقت ہے تو

سه ای اذا کان الواقع بھذا اللفظ بائنا والا فلہ الرجوع فی الرجعی رضیت المرأۃ ام ابت فکیف لا یحل لھا التمکین ۱۲ منہ غفر لہ



طلاقِ مغلظ واقع ہوگئی کہ قاعدہ ہے الجواب یتضمن اعادۃ فی السوال،
(بحر ج ۳ ص ۲۴۶، اشباہ ص ۱۷۱) اور اگر صرف طلاق کا ہی پروپیگنڈہ تھا یا ان دو شخصوں نے
اس پروپیگنڈہ والی طلاق کا صراحۃً یا اشارۃً تذکرہ ہی نہ کیا بلکہ اپنی طرف سے ہی یہی
لفظ کہے جو سوال میں مذکور ہیں تو ایک طلاقِ رجعی واقع ہوئی۔

دوسرے پہلو کے جوابات ایک تمہید پر موقوف ہیں جو مبسوط، خانیہ، غرر،
درر، تنویر، در، شامی، ہندیہ، بدائع صنائع، مجمع الانہر، در المنتقی، بحر الرائق، تبیین
الحقائق، جوہرہ نیرہ وغیرہا معتبرات مذہب سے ماخوذ ہے، وہ یہ کہ کسی کو ڈرا دھمکا کر
اس کی مرضی کے خلاف کام کرنے کا مطالبہ کرنا مخصوص شرائط پائے جانے کی صورت
میں شرعاً اکراہ کہلاتا ہے اور ڈرانا دھمکانا عام ہے کہ بالفعل ہو یا دلالۃً، بایں طور کہ ایسا
شخص مطالبہ کرے جس کے متعلق واضح ہو کہ اگر کام نہ کیا، قتل یا قید وغیرہ سے سخت
ستائے گا، مطالبہ کرنے والے کو مُکرِہ اور جس سے مطالبہ کیا جائے اسے مُکرَہ کہا جاتا
ہے اور اکراہ دو قسم پر ہے



۱۔ اکراہِ تام یا ملجی، جس میں قتل یا تلفِ عضو کی دھمکی ہو
۲۔ اکراہِ ناقص یا غیر ملجی، جیسے قید و بند اور مار پٹائی کی دھمکی،

اکراہ کے شرائط یہ ہیں:۔
۱۔ مکرِہ جس چیز کی دھمکی دے اس پر عملاً بھی قادر ہو۔
۲۔ مکرَہ کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر مطالبہ پورا نہ کروں تو مکرِہ اپنی دھمکی کو عملی حقیقت
بنا دے گا۔
۳۔ جس چیز کی دھمکی دی جائے اس سے جان یا کوئی عضو ضائع ہوتا ہو یا ایسا غم
پیدا ہوتا ہو جو اس کام کے متعلق خوشی اور رضا مندی ختم کر دے اور اس میں
لوگ اپنے طبائع اور احوال کے لحاظ سے مختلف ہیں، شریف اور ذی جاہ خفیف
سی قید و بند اور ضرب بلکہ سخت کلامی بھی برداشت نہیں کر سکتے اور ذلیل و رذیل



کے لئے یہ کوئی چیز نہیں بلکہ شدید ضرب اور طویل قید و بند سے ہی متاثر ہوتا ہے۔
۴۔ مکرَہ اپنے طور پر وہ کام کرنا نہ چاہتا ہو۔
اس تمہید کے بعد جوابات مندرجہ ذیل ہیں :۔
۳۔ اگر زدوکوب کا اندیشہ تمہیدی وضاحت کے مطابق پایا گیا تو اکراہ پایا گیا ورنہ نہیں۔
۴۔ اکراہ کے دونوں قسم تحریری طلاق کے وقوع میں نہیں بلکہ عدمِ وقوع میں معتبر ہیں کہ جزئیہ ہندیہ میں جس کا سائل نے بھی ذکر کیا ہے اور بکثرت معتبراتِ مذہب موجود ہیں اکراہ بالجبر والحبس کا ذکر ہے جو غیر ملجی ہے اور جب غیر ملجی معتبر ہے تو ملجی بطریق اولیٰ معتبر ہوگا۔ وذا اظهر من ان يظهر، فتاوی ہندیہ ج ۳ ص ۵۹۸ میں اقرارِ طلاق وغیرہ کے متعلق ہے والاكراه بالحبس والقتل في هذا سواء حالانکہ اکراہ بالحبس غیر ملجی اور بالقتل ملجئ ہے۔
۵۔ اس کا جواب تفصیل تمہید سے ہی واضح ہے۔
۶۔ اس ضرب وحبس سے وہی ضرب وحبس مراد ہیں جو موجب اکراہ ہیں اور اختلافِ اشخاص سے مختلف ہیں کما مر۔
۷۔ اگر معمولی ضرب وحبس شخصِ متعلق کے حق میں اکراہ ہیں تو طلاق واقع نہ ہوگی ورنہ واقع ہو جائے گی۔



۸ ۱ ۲۔ اگر نیاز احمد مکرہ تھا تو کوئی طلاق بھی واقع نہیں ہوئی اور اگر مکرہ نہیں تھا تو پھر بھی ظاہر یہی ہے کہ واقع نہیں ہوئی کہ تحریر خود اس کی نہیں اور نہ ہی اس نے لکھائی ہے اور نہ ہی پڑھی سنی ہے، صرف دستخط کئے جو خوشی سے ہرگز نہیں تو وہ بھی طلاق نہیں بن سکتے، قلم زبان کا ترجمان ہے تو جس طرح الفاظِ طلاق وہی ہیں جو اپنی زبان سے کہے جائیں یا دوسرے کو وکیل بنا کر کہلائے جائیں اور بلا وجہ دوسرے کی زبان سے کوئی لفظ بھی طلاق نہیں بن سکتا، یونہی دوسرے کے قلم سے بھی نہیں اور جس طرح کہ اپنا نام بول دینا طلاق نہیں، ایسی دستخط کر دینا بھی طلاق نہیں جبکہ بطور تصدیق تحریر



طلاق واقرار نہ ہوں اور یہاں یہی ظاہر کہ کوئی تصدیقی واقراری لفظ نہیں لکھا اور یونہی نیت تصدیق واقرار کا منتفی ہونا بھی روزِ روشن کی طرح روشن ہے تو یہ یوں ہوا جیسے زبان سے نیاز احمد کہہ دیا حالانکہ یہ طلاق نہیں تو وہ بھی نہیں کہ قلم ترجمانِ زبان ہے۔ یہ حقیقت چمکتے ہوئے سورج سے بھی زیادہ واضح ہے، مبسوط ج ۶ ص ۱۴۳ میں ہے

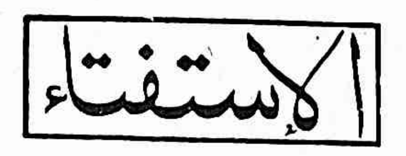
والاصل ان البیان بالکتاب بمنزلۃ البیان باللسان

فتاوی قاضی خان ص ۲۱۹، خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۹۱، فتح القدیر ج ۳ ص ۴۰۴، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۴۶، شامی ج ۲ ص ۵۷۹ وغیرہا میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظر من الخانیۃ ان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھھنا۔ نیز ہندیہ ج ۲ ص ۶۴، شامی ج ۲ ص ۵۸۹ میں ہے وکذلک کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع بہ الطلاق اذا لم یقر انہ کتابہ کذا فی المحیط۔

بہر حال بادلِ نخواستہ ایسی حالت میں صرف دستخط کر دینے جبکہ قرائنِ ظاہرہ سے واضح ہو رہا ہو کہ عبارتِ مندرجہ بالا کی تصدیق مطلوب و مراد نہیں، کسی صورت بھی طلاق نہیں بن سکتے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۳ صفر المظفر ۱۳۸۴ھ ۲۵ / ۶ / ۶۴



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں :



میں مسمی علی شیر ولد رحمت علی قوم ۔۔۔ نے معمولی گھریلو جھگڑے کی بنا پر اپنی منکوحہ مسماۃ ست بھرائی کو جو کہ دو روز قبل اپنے میکے چلی گئی تھی، ایک تنبیہی پیغام بھیجا جس میں دھمکی کے طور پر یہ الفاظ درج کیے کہ اگر تم واپس گھر آنے کو تیار نہیں ہو میں تم کو سہ بار طلاق دیتا ہوں ۔ اس پیغام کو اب تقریباً تیرہ یا چودہ دن گزر چکے ہیں، اب میں خود اور مسماۃ مذکورہ دونوں اپنے کیے پر پشیمان ہیں اور ایک سال شیر خورد ماں کی عدم توجگی سے بالکل کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ برائے نوازش کوئی صحیح اور شرعی جواز عطا فرمایا جاوے جبکہ میں خود اپنے کیے پر پشیمان ہوں۔

سائل مسمی علی شیر ولد رحمت علی



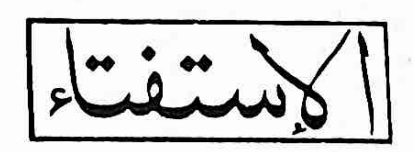


اگر مسماۃ ست بھرائی اس وقت گھر واپس آنے کو تیار تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور اگر اس وقت تیار نہ تھی تو تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں کیونکہ "اگر" کلمہ شرط ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بانی و مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۲۷-۹-۷۱



سعید الجبار، عبدالستار پسران قائم دین دو سگے بھائی ہیں، دونوں بھائیوں نے



ایک دوسرے کو رشتے دئے ہوئے ہیں، جھگڑے اور رنج میں عبدالستار نے اپنے بڑے بھائی عبدالجبار سے کہا کہ اگر میں تمہیں رشتہ دوں یا تجھ سے رشتہ لوں تو میں اپنی بیوی کو طلاق دوں، یہ صرف ایک دفعہ کہا گیا ہے۔

دونوں بھائیوں کی صلح ہے، عبدالستار اور اس کی بیوی دونوں رشتہ دینا چاہتے ہیں، احکام شریعت اس سلسلے میں کیا رہنمائی فرماتے ہیں؟ فتویٰ صادر فرماکر ممنون فرمائیں۔





صلح اور بھائیوں کا آپس میں رشتے کرنا بہترین کام ہے، بڑی خوشی سے لے دے لیں تو اس کہنے کے سبب عبدالستار کی بیوی پر ایک طلاق رجعی پڑے گی جس سے فوراً رجوع کر لیں تو معاملہ درست ہی درست ہے، قرآنِ کریم میں ہے والصلح خیر (پ ۵ ع ۱۶)، نیز فرمایا وبعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ

۱۲/۴/۷۶



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ کیا تو یہ چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں؟ اس کی بیوی نے کہا کہ ہاں، تو زید نے کہا کہ اگر تو میری بیوی ہے تو ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، تو اٹھ جا اور میرے پاس سے چلی جا۔

اب زید قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے، ایسی صورت میں اگر زید اپنی بیوی کو رکھے تو زید اور اس کی بیوی گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

بعض اصحاب یہ کہتے ہیں کہ طلاق کی اضافت زید کی بیوی کی طرف نہیں ہے، اس لئے طلاق نہیں ہوئی اور بعض دیگر اصحاب یہ کہتے ہیں کہ زید نے طلاق کے الفاظ سے پہلے دو مرتبہ اپنی بیوی سے خطاب کیا ہے اور طلاق کے الفاظ کے بعد بھی دو مرتبہ اس نے اپنی بیوی سے خطاب کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ زید نے اپنی بیوی ہی کو طلاق دی ہے اس لئے زید پر اس کی بیوی حرام ہو چکی ہے، لہذا آپ سے گذارش ہے کہ جواب باصواب حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں تاکہ اختلاف ختم ہو۔

منجانب مرسلہ: سید محمد ظفر شاہ صاحب (بمقام فیصل آباد)





اگر زید کے عقل و حواس صحیح ہیں، جب یہ الفاظ کہے تو اس کی عورت پر طلاق مغلظ

واقع ہو گی، رہا بعض کا فرمانا کہ بیوی کی طرف طلاق کی اضافت نہیں لہذا طلاق واقع نہیں ہوئی، تو یہ صحیح نہیں کیونکہ اضافتِ لفظیہ شرط نہیں بلکہ اضافتِ معنویہ ہی کافی ہے چنانچہ شامی ج۲ ص ۵۹۰ میں (قوله لترك الاضافة) ای المعنویة فانها الشرط والخطاب من الاضافة المعنوية نیز اسی صفحہ میں ہے ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامہ، اور اس عبارت سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس طلاق سے مراد وہی طلاق تیرے اوپر ہے، سیاق و سباق سے بھی واضح ہے۔ عالمگیری[1] کے جزئیہ ۱ میں سیاق و سباق نہیں اور ۲ میں سکران کی بابت ہے تو اس پر اس عبارت کو کیوں قیاس کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۹ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ



---

[1] سائل نے عالمگیری اور شامی کی دو عبارتیں تحریر کر کے بھیجی تھیں یہ جملہ اس کے جواب میں تحریر کیا گیا۔ ۱۲ (مرتب)

حلاله

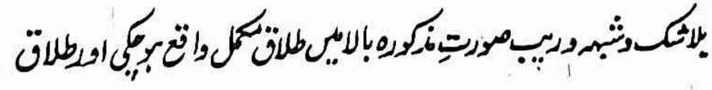
باب الحلالہ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ ایک شخص اپنی عورت مدخول بہا یعنی جسے بساتا رہا کو مجلس میں روبرو گواہاں شرعی کے ان لفظوں سے طلاق دی کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی، میں نے اپنی عورت کو طلاق دی، میں نے اپنی عورت کو طلاق دی۔ اس نے اپنی عورت معینہ کے حق میں یہ لفظ تین بار کہے آیا یہ طلاق مکمل آچکی یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا کہ ایک بار طلاق نامہ کاغذ پر لکھنے سے طلاق عائد نہیں ہوتی، طلاق دینے والا ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو چاول کھلائے۔ آیا یہ فتویٰ اس کا صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا۔




بلاشک وشبہ وریب صورتِ مذکورہ بالا میں طلاق مکمل واقع ہو چکی اور طلاق



بھی مغلظہ، کہ بدون تحلیل شرعی شوہر طلاق دینے والے پر ہرگز ہرگز حلال نہیں ہوسکتی۔ قرآن کریم کا فتویٰ ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره یعنی اگر تیسری طلاق اسے دے تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے (پ۲ ع ۱۳)

سنن ابن ماجہ مطبوعہ ص ۱۴۷ باب من طلق ثلاثا فی مجلس واحد میں ہے فاطمہ بنت قیس سے کہ مجھے میرے خاوند نے تین طلاقیں دیں جب وہ یمن جا رہا تھا فلجاز ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معتبر رکھا۔ صحیح مسلم، مطبوعہ علیمی دہلی ج ۱ ص ۴۷۸ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی فتویٰ دیا فامضاه عليهم۔ موطا امام مالک مطبوعہ جید برقی پریس دہلی مع الشرحین ج ۲ ص ۴۶، ۴۷ میں ہے کہ اگر ایک لفظ سے تین طلاقیں دے یا زیادہ تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اس پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتویٰ نقل فرمائے اور ص ۴۷، ۴۸ میں عبداللہ بن عباس و ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے فتوے ہیں کہ جو شخص دخول سے قبل تین طلاقیں دے تو طلاقیں مغلظہ طور پر واقع ہو جاتی ہیں اور ایسے ہی یہ فتویٰ مذکورہ بالا حضرات سے امام طحاوی شرح معانی الآثار مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ص ۳۳، ۳۴ پر نقل فرماتے ہیں اور ایسے ہی تمام اسفار مذہب مہذب حنفیہ کے متون و شروح و فتاویٰ میں مشرح مصرح ہے کہ اگر ایک لفظ سے تین طلاقیں دے اگرچہ عورت غیر مدخول بہا ہو، تب بھی طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی ہے، تو جب ایک لفظ سے غیر مدخول بہا تک کو طلاق مغلظہ کامل طور پر واقع ہو جاتی ہے تو مدخول بہا کو تین متفرق لفظوں سے طلاق مغلظہ کیونکر واقع نہ ہو۔ اس پر قرآن کریم کا فتویٰ سن چکے، حدیث شریف سے معلوم ہو چکا، فتویٰ حضرت فاروق اعظم مرقوم ہوا، نیز یہ فتویٰ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۲





پر نقل فرمایا اور یہ فرمایا کہ صحابہ کرام نے اسے تسلیم کیا تو یہ حکم اجماعًا ثابت ہوا۔

امام محی السنہ نووی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ میں فرماتے ہیں قال الشافعی و مالک و ابوحنیفۃ و احمد و جماھیر العلماء من السلف والخلف علیہم الرحمۃ یقع الثلاث۔ شامی ج ۲ ص ۵۷۶، ۵۷۷ (مطبوعہ استنبول)، بحر الرائق (مطبوعہ مصر) ج ۳ ص ۲۳۹ و ۲۴۰، ہدایہ (مطبع مجیدی) ج ۲ ص ۳۲۵، فتح القدیر (مطبوعہ مصر) ج ۳ ص ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، فتاوی عالمگیری (مطبع مجیدی) ص ۴۶ میں تفصیلًا مشرح ہے۔ فتح القدیر ص ۳۳۰ کے یہ لفظ ہیں وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین و من بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع الثلاث یعنی جمہور صحابہ کرام و تابعین عظام اور تمام امامان مسلمین کا یہی مذہب ہے کہ تین طلاقیں پڑ جاتی ہیں، پس آفتاب نیمروز و ماہ نیم ماہ کی طرح واضح طور پر ثابت ہو چکا کہ قرآن کریم و احادیث شریفہ و کتب مذہب مہذب حنفیہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایسی صورت میں طلاق مغلظ واقع ہو جاتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔



اور اس مفتی کا فتویٰ فتویٰ نہیں بلکہ فتنہ ہے اور دل سے شرع مطہر پر افترا و اجترا ہے، اگر سچا ہے تو جیسے ہم نے ثبوت دیا وہ بھی ثبوت دے کہ کس آیت و حدیث اور کس کتاب فقہ میں یہ مذکور ہوا کہ یوں طلاق دینے والا ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ فقیروں کو چاول کھلائے اور یہ بیان اس کا مضحکہ خیز ہے کہ ایسے ایک بار طلاقنامہ کاغذ پر لکھنے سے طلاق عائد نہیں ہوتی، کیا تین بار کاغذ پر لکھنے سے طلاق عائد ہو گی یا کیا مطلب ہے؟ سوال تو یہ ہے کہ اس نے تین بار کہا تو اب لکھنے کی ایک بار بھی ضرورت نہیں، اس کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے بلکہ فتاویٰ عالمگیری، شامی، بحر الرائق، فتح القدیر وغیرہ کتب مستندہ معتبرہ میں ہے کہ حسب دستور لکھنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے چہ جائیکہ زبان سے بھی کہے اور جب اس کے پاس ثبوت نہیں تو شرع مطہر پر جرأت کرنے اور غلط من گھڑت جھوٹے فتوے دینے سے توبہ کرے اور اپنی جہالت کا علاج کرے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک و
سلم مع التکریم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ

الاستفتاء



جناب فیض مآب حضرت مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب دام الطافکم واشفاقکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

معروض آنکہ زید نے پندرہ شوال ہندہ کو طلاق صریح ثلاثہ دے کر فارغ کر دیا، ہندہ کا نکاح بعد انقطاع حیض سوم وطہر چہارم میں بکر سے روبرو گواہاں نکاح کیا گیا اور اسی یوم دخول صحیح کے بعد بکر نے ہندہ کو طلاق ثلاثہ کہہ کر فارغ کر دیا اور دوسری عدت گزرنے کے بعد ۲۸ صفر المظفر کو ہندہ کا زید سے نکاح کیا گیا ہے، ان تاریخوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے۔

(السائل) محمد فاضل ۲۹/۲/۴۴



اگر حقیقت واقعیہ یہی ہے کہ طلاق اول کی عدت حیض ثلاثہ تمام ہونے کے بعد



بکر نے نکاحِ صحیح کے ساتھ دخول صحیح کر کے طلاق دی اور حیض ثلاثہ سے اس طلاق کی عدت پوری ہونے کے بعد زید نے نکاح کیا تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہے اور مدت مندرجۂ سوال میں چونکہ انقضائے عدتین کا احتمال ہے اور عورت اس کی مدعیہ اور زید تکذیب نہیں کرتا تو انقضائے عدتین کا انکار رد کیا جائے گا اور حکم صحت نکاح مذکورہ دیا جائے گا، فتاوٰے عالمگیر (مجیدی) ج ۲ ص ۱۱۱، ہدایہ مع الفتح (مصر) ج ۴ ص ۳۸؛ تنویر الابصار و در المختار و رد المحتار (استنبول) ج ۲ ص ۶۴۶، ۶۴۷، کنز الدقائق مع بحر الرائق (مصر) ج ۴ ص ۵۹ میں ہے و النظم من الهندية اذا طلقها ثلاثا ثم قالت قد انقضت عدتي وتزوجت و دخل بي الزوج وطلقني وانقضت عدتي والمدة تحتمل ذلك جاز للزوج ان يصدقها اذا كان في غالب ظنه انه صادقة كذا في الهداية۔ اور ایک عورت کی ادنٰی مدتِ محتملہ من حیث الحیض عند الامام الہمام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ عنا ساٹھ دن ہیں، فتاوٰی ہندیہ ج ۲ ص ۱۱۱، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۶۴۶، ۶۴۷، فتح القدیر ج ۴ ص ۳۹، کفایہ ج ۴ ص ۳۹، عنایہ ج ۴ ص ۳۸، بحر الرائق ج ۴ ص ۵۹، فتاوٰی سراجیہ کشوری ص ۴۷ والنظم من السراجية اقرت بانقضاء عدتها بالحيض لم يصدق في اقل من ستين يوما تو حسب تحریر محرر مذہب مہذب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک سو بیس دن میں دونوں عدتیں ہو سکتی ہیں اور مدتِ مندرجۂ سوال اس سے ازید ہے فبالطریق الاولٰی مبسوط سرخسی ج ۶ ص ۲۶ میں ہے قال ابي بن كعب رضي الله تعالى عنه ان من الامانة ان تؤمن المرأة على ما في رحمها واذا اخبرت بذلك وكان محتملا وجب قبول خبرها من غير بينة وان اتاها الزوج حلفها انتهى ومثله في العناية ج ۴ ص ۳۸۔ بحر الرائق ج ۴ ص ۵۹ میں بدائع و کافی حاکم سے اور رد المحتار ج ۲ ص ۶۴۷ میں بحر سے ہے مع زيادة الزين[1] اشاد



---

[1] ای ابن نجیم صاحب البحر

بہ الیٰ ان عدالتها لیست شرطا ولهذا قال فی البدائع و کافی الحاکم وغیرهما لا بأس ان یصدقها ان کانت ثقة عنده او وقع فی قلبه صدقها۔ اور نکاح بشرطِ تحلیل اگرچہ مکروہ تحریمہ ہے مگر مفید حلت ہے، فتاویٰ عالمگیر ج۲ ص ۱۱۱، تنویر الابصار و در المختار و رد المحتار ج۲ ص ۴۳۷، بحر الرائق ج۴ ص ۵۸، مبسوط سرخسی ج۶ ص۱۰، ہدایہ، فتح القدیر وغیرہا میں ہے والنظم من المبسوط فان شرط ان یحللها للاول فعند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ الجواب کذلك ویکره هذا الشرط۔ اور ایسے ہی جس طہر میں وطی ہوئی طلاق دینی اور ایک طہر میں تین طلاقیں تمام سخت مکروہ ہیں، ان سے احتیاط چاہئے تھا مگر نکاحِ زید بشروطِ مذکورہ ضرور بلاشبہہ صحیح ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہٖ و صحبہٖ و بارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۵، ربیع الاول ۶۳ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک پرچہ کاغذ پر لکھا کہ میں نے اپنی منکوحہ فلانہ بنت فلانہ کو طلاق کوکی ہے اور تین روز طلاق کا لفظ تحریر کیا مگر زبان سے نہیں کہا، اس کا ارادہ یہ تھا کہ اگر نزاع چھوڑ دیں تو کاغذ مذکورہ تحریر شدہ پھاڑ دوں گا، پھر نزاع ختم نہ ہوا، پھر اس نے اپنی عورت کو کہا کہ میں تجھے



کاغذ دینے کو تیار ہوں، اس نے کہا تمہاری مرضی، میں کیا کروں، پھر اس مرد نے اپنی عورت سے کہا کہ لے یہ کاغذ تجھ کو تین طلاق دفعۃً معاً کہدیا اور چلایا۔ اب آیا یہ طلاق رجعی ہے یا بائن یا مغلظہ ثلاثہ مفصل طور پر فتوٰی تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

فقیر عبد الرحمن بقلم خود از حویلی ۲ رجب ۱۳۶۴ھ





بلاشک وشبہہ وریب بہ اجماع ائمہ افتاء تینوں طلاقیں واقع ہوچکیں اور مغلظہ بہ تطلیقاتِ ثلاثہ کا نکاح بلا تحلیل نہیں ہوسکتا، فتاوٰی عالمگیری ج ۲ ص ۱۱۱ میں ہے وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ وثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا ویدخل بھا ثم یطلقھا او یموت عنھا کذا فی الھدایۃ، شامی ج ۲ ص ۵۷٦ میں ہے ذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع الثلاث۔

واللہ ورسولہ اعلم جل جلال ربی وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم فی کل غداۃ وعشی۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ مسمی عمر الدین نے



اپنی بیوی مسماۃ راج بی بی کو باقاعدہ طلاق نامہ اسٹامپ لکھ کر دے دیا ہے جس میں مندرجہ ذیل کلمات درج ہیں، میں رضامندی خود بہ قائمی ہوش و حواس ثبات عقل کے مسماۃ مذکورہ کو بموجب شرع محمدی بری طلاق نامہ روبرو گواہان کے طلاق ۱ وطلاق ۲ وطلاق ۳ دیتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ مسماۃ مذکور یہ جہاں چاہے اپنا گذارہ کرے، خواہ وہ خاوند کرے یا یونہی بیٹھ کر اپنی زندگی بسر کرے، میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں رہا، مظہر آج کی تاریخ روبرو گواہان حاشیہ کے مسماۃ مذکورہ کے ساتھ قطع تعلق کر لیا ہے اور اس کو اپنے جسم سے حرام کر کے چھوڑ دیا ہے، آیا طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟ مسمی عمر الدین نے اسٹامپ طلاق نامہ مذکورہ مسماۃ مذکورہ کو دے دیا اور وہ اپنے باپ کے گھر رہتی ہے مگر تین ماہ کے بعد کسی بہانہ سے اسٹامپ مسماۃ مذکورہ سے لے کر دہروں کے بیچ سوراخ کر دیا اور پشت پر لکھ دیا منسوخ کیا گیا تو کیا تین طلاقیں دے کر بعد میں منسوخ کی جا سکتی ہیں اور مسماۃ مذکورہ مدخول بہا ہے، بینوا توجروا۔

سائل: مستری خیر الدین والد مسماۃ مذکورہ از کنگن پور





بلاشک و شبہ و گنجائش ریب تین طلاقیں وارد ہو گئیں اور مسماۃ مذکورہ حرمت مغلظہ سے حرام ہو گئی اور بدون تحلیل و تجدید نکاح کے خاوند اول پر حلال نہیں ہو سکتی، جمہور علمائے کرام و ائمہ عظام و صحابہ فخام کا یہی فتویٰ ہے بلکہ خود حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خود حضرت رب العالمین جل جلالہ وعم نوالہ کا یہی فتویٰ ہے۔ تصریحات علمائے کرام ائمہ کرام اس قدر بکثرت ہیں کہ احصار متعذر و مشکل ہے لہٰذا صرف ایک تصریح پر ہی اکتفار



کیا جاتا ہے۔

علامہ محی السنہ نووی علیہ الرحمہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں ج ۱ ص ۴۷۸ قال الشافعی ومالک وابوحنیفۃ واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث۔ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوٰی مبارک سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۹، وسنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷ و ۳۳۸ میں آٹھ اسنادوں سے ہے جن کا خلاصہ خود ابوداؤد اور بیہقی نے یہ ذکر فرمایا والنظم للبیہقی کلھم عن ابن عباس انہ اجاز الطلاق الثلاث یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اکٹھی تین طلاقوں کو جائز رکھا اور ان کے واقع ہونے کا حکم دیا اور ایسے ہی مؤطا امام مالک نے ج ۲ ص ۴۶ مع الشرح اور کتاب الآثار امام محمد علیہ الرحمہ ص ۱۶۵، جامع المسانید امام اعظم علیہ الرحمہ ج ۲ ص ۱۴۸ میں ہے ایک ایک اسناد سے حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا فتوٰی مبارکہ کی چار حدیثیں کنز العمال ج ۵ ص ۱۵۸ اور ایک ج ۵ ص ۱۶۲ اور پانچ حدیثیں ج ۵ ص ۱۷۰، یہ دس حدیثیں شیر خدا کی ہم معنی ہیں، ان میں سے ایک کے کلمات یہ ہیں اذا طلق الرجل امرأتہ ثلاثا فی مجلس واحد فقد بانت منہ لاتحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ اور سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۴ میں ایک حدیث اور ص ۳۳۵ میں دو اور ص ۳۳۶ میں ایک اور ج ۷ ص ۳۳۴ میں ایک حدیث حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتوٰی مبارکہ کنز الاعمال ج ۵ ص ۱۶۳ نیز ج ۵ ص ۱۷۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۴ والنظم من البیہقی قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الرجل یطلق امرأتہ ثلاثا قبل ان یدخل بہا قال ھی ثلاث لاتحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ، نیز حضرت فاروق اعظم کا یہ فتوٰی مبارکہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۹۹، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۶ میں مروی ہے اور اس حدیث کے صدر سے جو اشتباہ و توہم ہوتا ہے، اس کا شافی و کافی جواب اور ازالہ ارتیاب سنن ابی داؤد سے متبین اور سنن بیہقی میں تفصیلا متبین و مبرہن اور ایسے ہی شرح معانی الآثار و شرح صحیح مسلم وغیرہا





ہیں محقق طور پر مفصل۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۵
نیز ج ۷ ص ۳۳۶ میں ہے ان رجلا سأل ابن عمر فقال طلقت امرأتی
ثلاثا وھی حائض فقال عصیت ربك وفارقت امرأتك۔ سیدنا
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا فتویٰ مبارکہ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۵، شرح معانی الآثار ج ۲
ص ۳۳ و ۳۴ تین تین حدیثیں ہیں والنظم للطحاوی عن عبداللہ بن مسعود
قال فی الرجل یطلق البکر ثلاثا انها لا تحل حتی تنکح زوجا غیرہ۔
حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہم کا فتویٰ شریفہ: موطا امام مالک ج ۲ ص ۲۷، ۲۸
شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۴، سنن بیہقی ص ۳۳۵ میں تین تین حدیثیں ہیں اور موطا امام مالک
ج ۲ ص ۳۴ میں ایک حدیث ہے، نیز ان دونوں حضرات کے ساتھ حضرت عبداللہ بن
عمر کی معیت بھی، شرح معانی الآثار ص ۳۳ میں ہے ان رجلا سأل ابن عباس
وابا هریرۃ وابن عمر عن طلاق البکر ثلاثا وهو معهم فکلهم قالوا
حرمت علیك۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی فرمان ہے، سنن بیہقی
ص ۳۳۶ میں ہے سأل رجل المغیرۃ بن شعبۃ وانا شاهد عن رجل
طلق امرأته مائۃ قال ثلاث تحرم وسبع وتسعون فضل
نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لا تحل حتی تنکح زوجا غیرہ
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو حدیثیں مرفوع، کنز العمال ج ۵ ص ۱۵۶
میں ہیں کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی
منکوحہ کو ہزار طلاقیں دیں، جواب میں ارشاد فرمایا اور یہ فتویٰ دیا ان اباکم لم یتق
اللہ فیجعل له من امرہ مخرجا بانت منه بثلاث علی غیر السنۃ
وتسع مائۃ وسبع وتسعون اثما فی عنقه۔

احادیث مذکورہ سے شمس و امس کی طرح واضح و نمایاں ہوا کہ صورت مسئولہ میں
مسماۃ مذکورہ تینوں طلاقوں سے مغلظہ ہو کر حرام ہو گئی، بدون تحلیل زوج اول پر حلال



نہیں ہو سکتی اور قرآن کریم کا بھی یہی فیصلہ ہے، ارشاد ہوتا ہے الطلاق مرتٰن
یعنی ایسی طلاق جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے، دو ہیں اور مسمی عمر الدین نے تین سے
بھی زیادہ طلاقیں دیں جیسے سوال سے ظاہر ہے تو زیادہ لغو اور تین واقع ہو گئیں، اب
رجوع کا حق نہ رہا، نیز ارشاد ہوتا ہے فامساک بمعروف او تسریح
باحسان یعنی دو طلاقوں کے بعد یا معروف سے ٹھہرانا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا،
اور اس نے دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دی اور تصریح کی کہ حرام کر کے چھوڑ دیا ہے
تو اب اس کا حق کیسے ہو سکتا ہے؟ نیز قرآن کریم میں بالتصریح موجود ہے فان
طلقها فلا تحل له... حتی تنکح زوجا غیره یعنی اگر تیسری طلاق
دیدے تو عورت اس کے لئے حلال نہیں ہوتی اس حد تک کہ کسی اور سے نکاح کرے۔
اور اس نے طلاق ۳ واقع کر دی تو اس پر حلال بدون تحلیل نہیں ہو سکتی، یہ قرآن کریم کا اور
احادیث شریفہ کا متفقہ فیصلہ اور فتویٰ ہے، روئے زمین کی تمام شیطانی طاقتیں اپنے
پورے پورے انتظام سے مقابلہ کریں اور چاہیں کہ اس فیصلہ کو اٹھا یا بدلا ڈالیں تو قطعاً
یقیناً یہ نہ بدل سکتا ہے، نہ اٹھ سکتا ہے تو بیچارے عمر الدین کی کیا حقیقت کہ اٹھا سکے،
صرف سوراخ ہی نہیں بلکہ اشٹام کو پھاڑ دے یا جلا دے، دریا برد کر دے تب بھی
کچھ نہیں ہو سکتا، حضرت رب العالمین کا فرمان مبین ہے وما کان لمؤمن ولا
مؤمنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من
امرهم ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبینا۔ حاصل
ترجمہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں تو کسی ایماندار مرد اور
ایماندار عورت کو اپنے کام کا کچھ اختیار نہیں رہتا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی
کرے تو ضرور گمراہ ہوا، گمراہ ہونا ظاہر۔

پس صاف طور پر ثابت ہوا کہ مسماۃ راج بی بی باقاعدہ مسمی عمر الدین
پر حرام ہے۔



واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم الاعظم وکل اصحابہ وآلہ المکرم وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمی جمیل اپنی عورت کو دو بائن طلاق دیتا ہے اور تقریباً آٹھ ماہ کے بعد عورت اور مرد کا اتفاق ہو جاتا ہے اور اتفاق ہونے کے بعد نکاح کر لیتے ہیں اور ان کے نکاح میں لوگ کچھ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے، آیا ان کا نکاح بحکمِ شریعت جائز ہے یا نہیں؟ کیا حلالہ کی ضرورت تو نہیں؟

سائل مولوی فضل حق صاحب از پنسپ آباد، مؤرخہ ۱۲ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۷۱ھ



صورتِ مذکورہ بالا میں بلاشک وشبہ نکاح جائز ہے، حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ صرف تین طلاقوں سے لازم ہو سکتا ہے اور یہ حرہ دو طلاقوں سے مطلقہ ہے، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۱۱ میں ہے اذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فلہ ان یتزوجھا فی العدۃ و بعد انقضائھا یکہ جب



عورت مرد دونوں اتفاق سے نکاح کرنا چاہتے ہوں تو ایسے نکاح سے روکنے والا سخت گنہگار، موردِ غضبِ جبار، سزاوارِ عذاب نار ہو جاتا ہے، اس پر لازم ہے کہ فوراً توبہ کرے، قرآنِ مجید میں صاف صاف فرمایا واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن اذا تراضوا بینهم بالمعروف الآیۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ





الاستفتاء

جنابِ عالی

علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ زید نے اپنی عورت منکوحہ غیر مدخولہ کو روبرو گواہوں کے سہ بار طلاق دے دی کہ تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق، اگر وہ دوبارہ نکاح اس عورت سے کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر فتویٰ دے کر مشکور فرمائیں، عین نوازش ہوگی، اور دونوں کسی مکان اکیلے بھی نہیں ہوتے۔

۱۸ شوال ۱۳۷۳ھ

العبد امام مسجد چک نمبر ۸-۲۸/ ۴-L

العبد: نمبردار چک نمبر ۸-۲۸/ ۴-L
تحریر کنندہ: محمد حسین بقلم خود

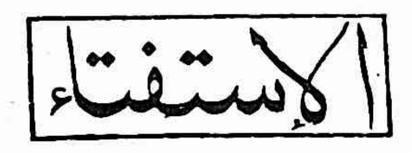


اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو دوبارہ نکاح جائز ہے، فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۶۰ فان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیۃ والثالثۃ الخ یعنی اگر قبل دخول وخلوت الگ الگ کر کے طلاقیں دے تو پہلی کے ساتھ بائن ہو جاتی ہے اور دوسری اور تیسری طلاق نہیں پڑتی اور جب صرف ایک طلاق واقع ہوئی تو بلا شبہ نکاح جدید جائز ہوگا۔[۱]

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۸ شوال المکرم ۱۳۷۳ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں اور اس کی عدت گزر گئی، بعد ازاں ایک اور مرد

---

[۱] اور عدت بھی نہیں ۱۲

سے اس عورت نے باقاعدہ نکاح کیا اور ہمبستری بھی ہوئی، پھر اس مرد نے بھی باقاعدہ گواہوں کے سامنے طلاق دے دی ہے اور اس کی عدت بھی گذر چکی ہے، تو آیا اس پہلے مرد کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل : حاجی جمال الدین مہاجر از حویلی لکھا





بلا شک وشبہ اس پہلے طلاق دینے والے سے نکاح کر سکتی ہے، قرآن کریم میں ہے فلا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ، پھر حدیث شریف سے بھی ثابت ہے اور اسی طرح تمام کتب فقہ حنفیہ وغیرہ میں مصرح ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا وحبیبنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ



علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں جناب مولانا صاحب! آپس میں دو فریق ہیں جنہوں نے آپس میں اپنی لڑکیوں کی شادی آپس میں ایک دوسرے کے رشتہ کیا تھا، عرصہ تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا جس کی بنا پر

ہر دونوں فریقین اب ان لڑکیوں کو رجع کرنا چاہتے ہیں، ہم اَن پڑھ ہیں ہمیں کچھ معلوم نہیں، ایک مولوی صاحب نے اس رجع کرنے کو درست بنا دیا ہے۔ اب اس مسئلہ کو صاف صاف مفصل جواب سے مطلع فرماؤ گے اور مہر لگا کر مشکور فرماؤ گے فقط والسلام۔

سائل نے زبانی بیان کیا کہ تین تین طلاقیں ہر ایک لڑکی کو دی گئی ہیں اور دونوں خاوندوں کے ساتھ باقاعدہ رہی ہیں۔

سائل۔ مسمی وریام ولد نتھو قوم پڑھیار از چک بدیں تحصیل پاکپتن شریف

۲۲ رجب ۱۳۷۵ھ





جبکہ وہ دونوں لڑکیاں اپنے خاوندوں کی نزدیکی کر چکی ہیں اور خاوندوں نے تین تین طلاقیں دے دی ہیں تو رجوع نہیں ہو سکتا اور نہ ہی نکاح کر سکتے ہیں جبتک عدت گزار کر نئے خاوندوں سے باقاعدہ نکاح و نزدیکی کے بعد طلاق حاصل کر کے عدت پوری نہ کر لیں، پہلے خاوندوں کے لئے حلال نہیں ہیں کسی ناواقف مولوی صاحب کا کہنا حلال نہیں کر سکتا جبکہ قرآن کریم میں آ گیا فلا تحل له حتى تنكح زوجا غيره اور حدیث عسیلہ مشہور و معروف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام کے فتوے آفتاب سے بھی زیادہ واضح، سنن بیہقی وغیرہ میں مسند و مذکور ہیں، پھر ائمہ کرام کے فتاوی متفقہ موجود ہیں، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۱۱۱ میں ہے وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها



او یموت عنہا کذا فی الھدایۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ و صحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۰ شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ

الاستفتاء

بکر نے اپنی بیوی رشیدہ کو طلاق مغلظہ دی، بعدازیں مسمی چراغ دین کے ساتھ نکاح کیا بطور حلالہ کے اور بقول محلل اور شاہدین کے کہ جس روز نکاح ہوا اس یوم سے لے کر ۴ دن صرف حلالہ کا نکاح رہا، پھر طلاق لی گئی اور محلل قرآن مجید کو ہاتھ لگا کر حلفیہ بیان کرتا ہے کہ نکاح تو بجا رہا میں اس کے قریب بھی نہیں بیٹھا یعنی خلوتِ صحیحہ بھی بقول محلل ثابت نہیں اور شاہد کہتے ہیں اور عوام الناس بالحلف کہتے ہیں کہ محلل محلل کا نکاح کے ایام میں چالیس میل کا فاصلہ رہا مگر رشیدہ محلل کہتی ہے کہ میرے ساتھ چراغ محلل نے جماع کیا ہے، آیا بکر پر رشیدہ حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔



شرعاً تحلیل کے لئے کئی دن یا ماہ یا سال نکاح رہنا شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ

نکاح صحیح کے ساتھ صرف ایک مرتبہ مجامعت ہوجائے خواہ دس منٹ کے بعد ہی طلاق ہوجائے، قرآنِ کریم نے فرمایا حتی تنکح زوجا غیرہ اور حدیثِ عسیلہ تو مشہور ہی ہے، شاہد اور عوام الناس رات اور دن کا چودہ دن کا پہرہ نہیں دیتے رہے ہوں گے اور نکاح کے بعد چالیس میل کا ظاہری فاصلہ بھی مضر نہیں، خصوصاً تیز رفتار ذرائع آمد و رفت کے دور میں، سال کی مسافت والا جزئیہ غربی و شرقیہ والا در المختار، شامی، فتح القدیر وغیرہ میں موجود ہے۔ در المختار کے لفظ یہ ہیں کتزوج المغربی بمشرقیة بینهما سنة فولدت لستة اشهر مذ تزوجها لتصوره کرامة او استخداما فتح۔ بہرحال شاہد و عوام الناس کا کہنا اثر انداز نہیں ہوسکتا، رہا چراغدین محلل کا انکار تو شرعاً وہ بھی معتبر نہیں کہ اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہے بشرطیکہ زوجِ اول عورت کی تصدیق کرے اور سچا جانے، در المختار شامی ج ۲ ص ۷۴۶، فتاوی ہندیہ ج ۲ ص ۱۱۱، بحر الرائق ج ۴ ص ۵۹، فتح القدیر ج ۴ ص ۳۸ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم من الفتح ولو قالت دخل بی الثانی والثانی منکر فالمعتبر قولها کہ یہ امر معاملات یا دیانات سے ہے اور ان دونوں میں ایک کا قول مقبول ہے، ہدایہ وغیرہا میں ہے والنظم من الشامی ج ۲ ص ۷۴۷ لانه اما من المعاملات لکون البضع متقوما عند الدخول او الدیانات لتعلق الحل به وقول الواحد مقبول فیهما، اور عنایہ شرح ہدایہ ج ۴ ص ۳۸ میں ہے لانها امینة اخبرت بما هو محتمل فوجب قبول قولها، حتی کہ عورت کی عدالت بھی شرط نہیں، شامی ج ۲ ص ۷۴۷ میں ہے (قوله ان غلب علی ظنه صدقها) اشار به الی ان عدالتها لیست شرطا ولهذا قال فی البدائع وکافی الحکم وغیرهما لا بأس ان یصدقها ان کانت ثقة عنده او وقع فی قلبه صدقها اور خصوصاً اس صورت میں تو چراغدین متہم بھی ہے کہ سوال میں ہے "طلاق لی گئی" جس کا معنی یہ ہے کہ مجبوراً اسے طلاق دینی پڑی لہٰذا وہ خوش نہیں تو بکر زوجِ اول اگر





رشیدہ کو اچھا جانتا ہے اور اس کا کہا معتبر مانتا ہے کہ چراغ دین جماع کر چکا ہے تو بکر پر رشیدہ کا نکاح حلال ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ
۳ ذوالقعدہ ۷۷ھ

الاستفتاء



بیانات
محمد طفیل ولد میاں شاب دین، سلھوترہ سکنہ منٹگمری
عزیز بیگم دختر میاں اللہ دتہ سلھوترہ سکنہ منٹگمری

(۱) میں نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ تین دفعہ ارسال کیا ہے۔

(۲) پہلی دفعہ بدست طالب حسین جس پر دو آنہ کے ٹکٹ چسپاں تھے، دوسری دفعہ بدست بھائی عزیز بیگم جو کہ دس روپے کے اسٹامپ پر لکھی ہوئی تھی، تیسری دفعہ بدستِ خود جس پہ دو آنہ کے ٹکٹ چسپاں تھے۔

(۳) گواہ طلاقنامہ : ۱- اللہ دتہ ٹکر ٹھار اسکنہ منٹگمری۔
۲- دوسرا گواہ مجھے اس وقت یاد نہیں۔

(۴) میں نے ہوش و حواس و رضامندی سے طلاق دی ہے۔

(۵) وجہِ طلاق : ۱- لڑکا اور لڑکی آپس میں نکاح پڑھنے پر رضامند نہیں تھے لیکن یہ دونوں سگے بھائیوں کی اولاد ہیں، اسی وجہ سے ان کی دادی نے اپنے بیٹوں کو مجبور کر کے زبردستی ان کا نکاح کروا دیا۔

۲۔ جب لڑکی کو گانا باندھا گیا تو لڑکی نے گانا توڑ دیا بلکہ کئی دفعہ باندھا گیا اور توڑا گیا اور لڑکا بھی بھاگتا رہا۔

۳۔ والدین لڑکے اور لڑکی نے زبردستی ان کا بیاہ کر دیا۔

۴۔ شادی ہونے سے پہلے لڑکی اور لڑکے کے درمیان حالات کشیدگی رہی اور ایک دوسرے کو فضول بکواس کرتے رہے۔ زبانی محمد طفیل۔

۵۔ عزیزہ بیگم قرآن مجید لے کر میرے سرہانے کھڑے ہو کر یہ کہتی تھی کہ تم میرے بھائی ہو اور میں تمہاری بہن ہوں لہذا مجھے طلاق دے دو، عزیزہ بیگم نے اپنی خودکشی کرنے کے لئے نازیبا حرکات کیں مثلاً زہر ملی گیس، گلی چونہ، چوبارہ سے چھلانگ لگانے تک گئی۔

۶۔ مجھے یہ دھمکیاں دیتی تھی کہ میں خودکشی کر کے تم سب کو قید کرا دوں گی۔

۷۔ عزیزہ بیگم کے حقیقی بھائی محمد اقبال، محمد اکرام نے بھی مجھے دھمکیاں دیں اور چاقو وغیرہ مجھے مارنے کے لئے دکھائے اور مجھے طلاق دینے پر مجبور کرتے رہے، پہلی رات لڑکے نے زبردستی بیوی سے محبت کی، طلاق کو تقریباً چھ سال کا عرصہ ہو گیا ہے، لڑکی اور لڑکا بدستور بیٹھے ہیں۔

۸۔ عزیزہ بیگم نے طلاق نامہ آگ میں جلا دیا ہے روبرو اپنی والدہ اور پھوپھی کے اور کوئی ثبوت اپنے پاس نہیں رکھا۔

۹۔ نکاح، حق مہر اسلامی طریقہ پر پڑھا گیا تھا۔

کیا مذکورہ بالا واقعات کے مدنظر طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

برائے فتویٰ یہ تمام بیانات، حالات یونین نے قلمبند کئے ہیں جو کہ تمام کمیٹی کے روبرو لئے گئے ہیں (اور بالکل قسمیہ درست ہے)

از طرف دی سلہونتہ یونین شیر گڑھ ضلع منٹگمری پاکستان

۲۔۶۔۵۷



صورتِ مذکورہ میں طلاق یقیناً واقع ہوگئی تفصیل ذیل سے اگر پہلی تحریری طلاق کی عدت گزرنے پر دوسری تحریر ہوئی تو صرف ایک ہی ہوئی اور اگر دوسری تحریر پہلی کی عدت میں ہوئی اور تیسری بعد از عدت تو دو واقع ہوئیں اور اگر تیسری تحریر بھی عدت میں ہی ہوگئی تو تین طلاقیں واقع ہوئیں۔ بہرحال طلاق ضرور واقع ہوچکی اور نکاح ختم ہوچکا ہے، فتاوٰی عالمگیری ج ۲ ص ۶۳ میں ہے وان کانت موسومۃ یقع الطلاق نوی او لم ینو، نیز ص ۵۰ میں ہے متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو او بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق وان عنی بالثانی الاول لم یصدق فی القضاء، تو اگر ایک یا دو طلاقیں واقع ہوئی ہیں تو نئے سرے سے نکاح کرسکتے ہیں اور اگر تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں تو نکاح بھی نہیں ہوسکتا ہاں اگر عزیز بیگم کسی دوسرے خاوند کے ساتھ صحیح طور پر نکاح کرے اور باقاعدہ ہم بستری کرنے کے بعد وہ نیا خاوند طلاق دے دے اور پھر عدت بھی گزر جائے تو محمد طفیل سے نکاح کرسکتی ہے، قرآنِ کریم میں ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ و لحدیث العسیلۃ المشهورۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ ذی الحجہ ۷۶ھ





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی زوجہ کے ساتھ جھگڑتے جھگڑتے روبرو گواہاں کے کہتا ہے کہ تو میری ماں ہے اور بہن ہے اور میرے اوپر تو حرام ہے، میری طرف سے تجھے طلاق ہے ایک دفعہ نہیں بلکہ بے شمار دفعہ غصہ میں کہتا ہے، ایک ماہ کے بعد ایک آدمی کو اپنی بیوی کے پاس معافی کے لئے بھیجتا ہے مگر بیوی نے نہیں مانا، انکار کر دیا، اس کشمکش میں کسی مقدمہ کی وجہ تین سال قید ہو جاتا ہے، آتے ہی اس مسئلہ کی بابت تحقیق کیلئے سوال پیش کر رہا ہے مگر اب عورت بھی رضامند ہے کہ میں اپنے شوہر کے گھر آباد ہو جاؤں۔

تحریر کنندہ محمد اسحٰق از لدھیوال



نوٹ :

زوجہ مدخول بہا ہے اور اس واقعہ سے پہلے کافی مدت تک مرد کے گھر آباد رہی ہے۔

گواہ شد : اللہ بخش ولد مولوی عبد الحکیم سکنہ محل داخلی لدھیوال

گواہ شد : جہانہ چوکیدار سکنہ لدھیوال

گواہ شد : پیر بخش ولد محمد قوم ماچھی

محمد شریف بقلم خود از لدھیوال







اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو زوجہ پر یکے بعد دیگرے تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں کہ جملہ " میرے اوپر تو حرام ہے " طلاقِ صریح ہے کما فی الشامیۃ والھندیۃ وغیرھما، پھر جملہ " میری طرف سے تجھے طلاق ہے " بھی صریح طلاق ہے، اور جب یہ جملہ ایک دفعہ نہیں بلکہ بے شمار دفعہ کہہ چکا ہے تو تین طلاقیں یقیناً واقع ہو گئیں اور جو تین سے زائد کہیں، وہ لغو ہو گئیں۔ سننِ بیہقی ج ۷ ص ۳۳۷ میں ہے کہ ایک شخص نے ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی ہے تو آپ نے فرمایا تأخذ ثلاثا وتدع تسعمائۃ وسبعۃ وتسعین۔ اور یونہی سو طلاق دینے والے کو بھی فرمایا اور یہ بھی فرمایا عصیت ربک وبانت منک امرأتک، ان سب کا یہی حاصل کہ تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں تو بلا حلالہ ان کا نکاح اگرچہ عورت رضامند ہو، ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا، قرآنِ کریم میں ہے فان طلقہا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ (ترجمہ از شاہ رفیع الدین صاحب" پس اگر (تیسری) طلاق دے اس کو پس نہیں حلال ہوتی واسطے اس کے پیچھے اس کے یہاں تک کہ نکاح کرے اور خصم سے سوائے اس کے "

باقی سائل نے غصہ کا ذکر کیا ہے تو واضح رہے کہ غصہ کی حالت مانعِ طلاق نہیں بلکہ عموماً غصہ کی حالت میں ہی طلاق دی جاتی ہے بلکہ ہمارے ائمہ و مشائخ عظام نے تو صاف صاف تصریح فرمائی کہ غصہ ارادۂ طلاق کی علامت ہے، بدائع

بدائع ج ۳ ص ۱۰۲، ہدایہ ج ۲ ص ۳۴۷، شامی ج ۲ ص ۵۹۷ میں ہے (ای النخلم لسلك العلماء) حال الغضب ومذاكرة الطلاق دليل ارادة الطلاق الخ والتحقيق فی فتاوٰنا بتوفيقه وفضله۔

والله تعالیٰ اعلم وصلی الله تعالیٰ علیٰ حبیبه وآله واصحابه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
مؤرخہ ۳۰ جمادی الاخریٰ ۷۹ھ

الاستفتاء



بخدمت حضرت قبلہ مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب النعیمی
بانی و مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور دامت برکاتکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ:۔

معروض کہ عرصہ تقریباً چار سال ہوا میری شادی مسماۃ فجاں دختر شاماں ساکن چک پُران کے ساتھ بطور شرعی نکاح بلا اندراج رجسٹر ہوئی تھی اور مسماۃ مذکورہ میرے گھر ہرگز آباد نہیں ہوتی اور نہ ہی میں نے آج تک چھوا تک ہے اور نہ ہی ہم دونوں الگ کمرے میں خلوت پذیر ہوئے ہیں بلکہ نکاح خوانی کے بعد ہی ہماری آپس میں ناچاکی شروع ہو گئی تھی اور مسماۃ مذکورہ کے والد شاماں نے مجھ سے اپنی بیٹی کی طلاق طلب کرنی شروع کر دی تھی جس پر عرصہ قریباً تین سال ہوا کہ میں نے اسے ایک طلاق دے دی تھی جس کے بعد مسماۃ مذکورہ نے کسی دیگر شخص کے ساتھ آج تک نکاح نہیں کیا، لہذا کیا اب مسماۃ مذکورہ کے ساتھ میرا دوبارہ نکاح کر لینا



جائز ہے یا نہیں ؟

گواہ شد | گواہ شد
(دستخط بحروفِ اردو) | نشان انگوٹھا
عبدالحق ، امام مسجد ٹیپلانی | بہادر ولد مولابخش بہاریہ ٹیپلانی
٦٦ ۔ ١٠ ۔ ٢١ | ٦٦ ۔ ١٠ ۔ ٢١

نشان انگوٹھا
شاماں ولد نظام ، قوم کھوکھر
ساکن موضع ٹیپلانی

نحمدہ ونصلی ونسلم علی حبیبہ الکریم





اگر صرف ایک ہی طلاق دی تھی تو نکاح بلا شک وشبہہ و ریب جائز ہے کسی دوسرے شخص سے نکاح کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جبکہ تین طلاقیں ہو جائیں، تعجب ہے کہ ایسی واضح صورت میں سوال کی کیا ضرورت ہے، بہر صورت صرف ایک یا دو طلاقیں ہوں تو دوبارہ بلا حلالہ نکاح جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ
٦ رجب المرجب ١٣٨٦ھ ٢٢ ١٠ ٦٦

الاستفتاء

مؤدبانہ گذارش ہے کہ:

سائلہ حنفیہ مذہب مسلمان عورت ہے۔ یہ کہ عرصہ ۵ سال کا ہوا میرا نکاح مسمی محمد اقبال تھانیدار پولیس کے ساتھ ہوا تھا جو کہ بالکل میری بلا مرضی تھا کیونکہ اس وقت میری عمر ۱۴ سال اور اس کی عمر ۴۸ سال کی تھی اور یہ نکاح محض دباؤ سے ہوا تھا۔

یہ کہ فدویہ نے ایس پی صاحب منٹگمری کی خدمت میں واقعات بالا کی درخواست دی اور انہوں نے بذریعہ انسپکٹر صاحب پولیس تحقیقات فرمائی جو درست ثابت ہوئی،

چنانچہ مذکورہ نے ۱۹۶۲ء میں مبلغ دو سو روپیہ کے کاغذ پر فدویہ کو تین طلاق طلاق طلاق روبرو گواہاں دے دی، بعد گذرنے عرصہ چھ ماہ کے مذکور یہ ہمارے ملحقہ تھانہ میں تعینات ہو کر آگیا اور میرے غریب رشتہ داروں پر پھر دباؤ ڈالا اور کہا کہ ہمارا سابق نکاح جائز ہے اور سابق طلاق ناجائز ہے چنانچہ میں اس کے ساتھ بطور بیوی روانہ کر دی گئی اور تھوڑا عرصہ اس کے گھر رہنے کے بعد واپس آگئی،

آنحضرات علمائے دین سے استدعا ہے کہ فدویہ کو فتاویٰ صادر فرمایا جائے کہ:۔

۱۔ تین طلاق ہو جانے کے بعد اور عدت گزر جانے کے بعد سابق نکاح جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ میرا اس کے گھر بطور بیوی آباد ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۳۔ اندریں حالات وہ میرا جائز شوہر ہے یا نہیں؟





مکرر آنکہ واقعہ ہذا عائلی قانون نافذ ہونے سے پیشتر تین طلاقیں ہوئی تھیں۔

سائلہ : نور بانو دختر محمد ہاشم قوم کھوکھر قصاب ساکن بصیر پور ضلع منٹگمری

دستخط نور بانو بقلم خود



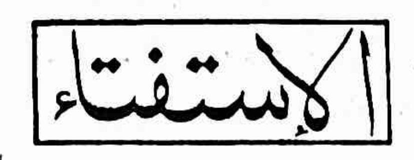
طلاق اگرچہ ایک ہی ہو عدت پوری ہونے کے بعد بطور بیوی بلا نکاحِ جدید سابق خاوند کے گھر آباد ہونا حرام کر دیتی ہے تو جبکہ تین طلاقیں ہو چکیں جو مغلظہ میں تو پھر کس طرح اجازت ہو سکتی ہے ؟

اگر سائلہ کا بیان صحیح اور واقعی ہے تو اس پر فرض کہ سائلہ خاوند کے گھر آباد نہ ہو، ہاں اگر حلالہ کے بعد جائز نکاحِ جدید کریں تو کوئی حرج نہیں۔ یہ فیصلہ قرآنِ کریم اور حدیث شریف اور فقہِ حنفی کا فیصلہ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

$3\frac{4}{65}$



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی اللہ دوایا



ولد محمد قوم بلوچ چک ۳۶/۴ ۔ ل تحصیل اوکاڑہ نے مسماۃ سکینہ بی بی دختر صادن قوم بلوچ چک ہذا کو تین طلاق بذریعہ یونین کونسل روبرو گواہوں کے تحریری و تقریری دی، اور تین نوٹس بخدمت چیئرمین صاحب روانہ کیے اور تین نوٹس طلاقنامہ مسماۃ مذکورہ کو بذریعہ سرکاری ڈاک روانہ کیے لیکن ہر چہار نوٹس یعنی چیئرمین صاحب اور مسماۃ نے واپس اللہ دوھایا مذکور کر دیئے، آنجناب تحریری جواب بمع مصدقہ ثبوت قرآن شریف و احادیث شریف کے کریں کہ مسماۃ مذکورہ مسمی مذکور کے ہاں دوبارہ بیوی بن سکتی ہے یا نہ؟ کیونکہ اس کو تین طلاق ہو چکی ہیں اور میعاد بھی ختم ہے، جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

السائل محمد اسمٰعیل ولد سلطان قوم بلوچ چک ۳۶/۴ ۔ ل ڈاکخانہ ۳۴/۴ ۔ ل
تحصیل اوکاڑہ





اللہ دوھایا کے ہاں مسماۃ سکینہ بی بی دوبارہ بیوی بن سکتی ہے مگر اس شرط پر کہ کسی اور شخص کے ساتھ سکینہ بی بی صحیح نکاح کرے اور وہ شخص باقاعدہ پوری طرح ہم بستری کرنے کے بعد طلاق دے اور اس طلاق کی عدت گزر جائے یا مر جائے اور عدت پوری ہو جائے تو اللہ دوھایا کے ساتھ حسبِ دستورِ شرع نکاح کر سکتی ہے، یہ حکم قرآنِ کریم اور حدیث شریف کا حکم ہے اور فقہ پاک کا مضبوط فیصلہ ہے، قرآنِ کریم پارہ دوم ع ۱۲ آیت نمبر ۲۳۰ میں ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره ۔ صحیح بخاری شریف ص ۷۹۱ میں ہے ان رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ

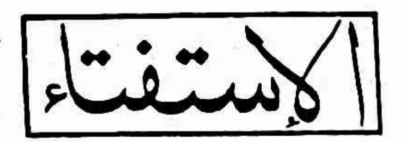


علیہ وسلم اتحل للاول قال لاحتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۱۱ میں ہے وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ و ثنتین فی الامۃ لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها کذا فی الهدایۃ اور اسی پر حضرات اربعہ وغیرہم کا اجماع واتفاق ہے۔ میزان شعرانی ج ۲ ص ۱۲۹، رحمۃ الامہ ج ۲ ص ۸۶ میں ہے والنظم منها اتفقوا علیٰ ان من طلق زوجته ثلاثا لاتحل له حتی تنکح زوجا غیرہ ویطأها فی نکاح صحیح وان المراد بالنکاح هنا الوطئ وانه شرط فی جواز حلها للاول۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبه سیدنا ومولانا محمد وآله واصحابه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرله خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور بقلم خود
۴ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مفتیان اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بنام اسمار بی بی دختر رحماں قوم بلوچ چک ۳۶/۴ ۔ ایل تھانہ شاہ کوٹ تحصیل اوکاڑہ ضلع ساہیوال کی شادی مسمی حشمت علی ولد وریام قوم بلوچ چک ہذا سے عرصہ سات آٹھ سال کا ہوا، ہوئی لڑکی نیک اور پابند صوم وصلوٰۃ تھی اور اس کا شوہر مذکورہ زانی یعنی وہ غیر عورتوں سے ناجائز تعلق رکھتا تھا، اسمار بی بی مذکورہ بیا اپنے شوہر کو بار بار روکتی رہی جس پر حشمت علی نے اسے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا تو مسمی رحماں والد اسمار بی بی نے چند آدمی بطور پنچایت



حشمت کے پاس بھیجے کہ وہ اپنی مسمات اسماربی بی کو اپنے گھر لے آئے محسن پر جی حشمت علی نے ان آدمیوں کو کہا کہ میں نے اپنی زوجہ مسماۃ اسمار بی بی کو طلاق طلاق طلاق یعنی تین طلاق دے دی ہیں، میرا اس کا معاملہ ختم ہے، اجناب مفتیان صاحب عرصہ ۵ سال سے مسماۃ اپنے باپ کے ہاں بیٹھی۔ آپ کتب فقہ فتاوٰی سے مدلل ثبوت دیں تاکہ مسماۃ اسماربی بی دیگر نکاح کرکے اپنی بقایا زندگی گزار سکے۔

السائلان و گواہان

العبد

نوشیر ولد بھٹیلہ قوم بلوچ
۳۶/۴-ایل

مہر محمد نمبردار ولد محرم خاں بلوچ
۳۶/۴-ایل

گاہرا ولد دلو قوم بلوچ
۳۶/۴-ایل





اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو مسماۃ اسمار بی بی پر تین طلاقیں پڑ چکی ہیں اور اپنے سابقہ خاوند حشمت علی پر ایسی حرام ہو چکی ہے کہ اب حلالہ کے بغیر اس سے نکاح بھی نہیں کرسکتی لہذا عدت پوری ہونے کے بعد جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے، اس کے لئے کتب فقہ کے کافی حوالے ہیں مگر یہ ایسا مسئلہ ہے کہ قرآنِ کریم کی واضح ہدایات سے ثابت ہے، دوسرے پارے کے تیسرے پاؤ کے آخری رکوع میں دیکھیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ و

اصحابہ و بارک وسلم۔
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ بانی و مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور
۲۵؍۹؍۱

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں مسمی لال دین ولد چراغ دین قوم ارائیں چک ۹۳ گ ب تحصیل جڑانوالہ ضلع لائلپور کا ہوں، یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا ہے جو ذیل عرض ہے۔

یہ کہ میں عرصہ دو ماہ اور دس دن ہوئے یعنی ۲۵ جنوری ۱۹۷۸ء کو اپنی بیوی مسماۃ صابراں بی بی دختر محمد شریف چک ۲۱۹/ای۔بی تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال کو بیک وقت تین طلاقیں دے کر زوجیت سے علیحدہ کر دیا ہوا ہے، ازاں بعد مجھے میرے وارثان و رشتہ داران نے مجبور کر کے صلح کرا دی ہے اور میں نے اپنی مرضی سے رجوع کر لیا ہے کیونکہ میرا میری بیوی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں تھا، صرف معمولی سی بات پر میں نے اشتعال میں آ کر طلاق بھیج دیا تھا جس پر میں خود مغموم ہوں لہٰذا علمائے دین سے سوال ہے کہ بوجوہاتِ مذکورہ بالا یہ رجوع میرا شرعاً جائز ہے یا کہ نہیں، جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ ثبوت موجود ہے کذب بیگانی ہوگی تو میں ذمہ دار ہونگا، تصدیق فرمائی جاوے۔

۴۔۴۔۷۸
مسمی لال دین مذکور

(نوٹ) جوابِ ذیل بھی سوال کے ساتھ ہی آیا ہے۔ ابوالخیر النعیمی غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الجواب

امابعد، بشرطیکہ صورت مسئولہ مذکورہ مطلوب الجواب صداقت پر مبنی ہے تو ایک مجلس میں بیک وقت تین طلاق دینے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رجعی طلاق قرار دیا ہے، فرمایا یہ ایک طلاق رجعی کی حیثیت رکھتی ہے جس میں رجوع جائز ہے اور اگر خاوند طلاق سہ بار کے بعد اندر میعاد رجوع کرے تو طلاق کالعدم ہو جاتا ہے اور نکاح بدستور قائم رہتا ہے۔ دیکھو حدیث وعن محمود بن لبید اخبر رسول اللہ عن رجل طلق امرأۃ ثلاث تطلیقات جمیعا فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللہ عزوجل وانا اظہرکم حتی قام رجل فقال رسول اللہ الا اقتلہ، رواہ النسائی، مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۲۸۴۔



دوسری جگہ حدیث ملاحظہ ہو: عن عبد اللہ بن عباس قال طلق رکانۃ بن عبد یزید اخو بنی عبد المطلب امرأتہ ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیہا حزنا شدیدا قال فسألہ رسول اللہ کیف طلقتہا فقال طلقتہا ثلاثۃ فقال فی مجلس واحد قال نعم انما تلک واحدۃ ارجعہا ان شئت قال فراجعہا۔ (مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۶۵)

پس حاصل کلام کا اہل علم سے مخفی نہیں ہے اور جو شخص ایک مجلس میں تین طلاق دے دے، وہ اگر رجوع کرے تو وہ تین ایک ہی طلاق رجعی تصور ہوگی جس میں رجوع جائز ہے اور نکاح پہلا ہی بدستور قائم ہے، مزید ضرورت نہیں ہے اور



جو حضرت عمر نے لوگوں کو بطور تنبیہ فرمایا تھا کہ اب اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو میں رجوع نہیں کرنے دونگا صرف عبرت واسطے ایک سیاسی حکم تھا، شریعت میں تھا کیونکہ نبی اکرم کا حکم قیامت تک شریعت ہے۔ ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالغیب۔ مؤرخہ ۲۳۔۷۔۴۰۔۴

المؤلف : عبد الغفور خطیب جامع معارف القرآن دار الافتار مفید عام رجسٹرڈ گورنمنٹ پاک چک ۲۴۰ گ ب تحصیل جڑانوالہ ضلع لائلپور

از فقیر ابو الخیر النعیمی غفرلہٗ





یہ رجوع صحیح نہیں ہے کیونکہ جب تین طلاقیں آجائیں، ایک وقت اور ایک مجلس یا ایک طہر یا تین طہروں میں جیسے بھی آئیں تو عورت بائن ہو جاتی ہے اور رجوع تو رجوع دوبارہ نکاح بھی حلالہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، قرآن کریم میں ہے فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ اور یہی فتوٰی ہے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا، دیکھو سنن بیہقی ج ۷، ص ۳۳۲ سے ص ۳۴۰ تک حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس عبد اللہ بن عمرو بن عاص، عبد اللہ بن عمر، مغیرہ بن شعبہ، حسن بن علی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین

سے مفتی صاحب نے یونہی لکھا اور اپنی جہالت ظاہر کی ۱۲ منہ غفرلہٗ

کی سند حدیثیں اور فتوے۔ اور یہی مذہب ہے امام مالک، امام شافعی، امام احمد، ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا، رحمۃ الامہ ج ۲ ص ۸۰، میزانِ شعرانی ج ۲ ص ۱۲۶ میں ہے و النظم من الرحمۃ اتفق الائمۃ الاربعۃ علی ان الطلاق فی الحیض لمدخول بہا او فی طہر جامع فیہ محرم الا انہ یقع وکذلک جمع الطلاق الثلاث محرم و یقع اور یہی جمہور اہلِ اسلام سلف صالحین کا مذہب ہے، احکام القرآن ج ۱ ص ۴۵۹ میں ہے فالکتاب و السنۃ واجماع السلف توجب ایقاع الثلاث معا اس کی شہادت غیر مقلدین حضرات کے مسلم امام بھی دے رہے ہیں، تفسیر فتح القدیر ج ۱ ص ۲۱۲ میں قاضی شوکانی اور تفسیر فتح البیان ج ۱ ص ۳۷۰ میں نواب صدیق حسن خاں بھوپالی فرماتے ہیں وقد اختلف اھل العلم فی ارسال الثلاث دفعۃ واحدۃ ھل تقع ثلاث او واحدۃ فقط فذھب الی الاول الجمہور۔



رہی حدیثِ فتویٰ ۱ تو اس میں کوئی ایسی تصریح نہیں اور حدیث ۲ کے متعلق امام بیہقی کا ارشاد ہے کہ یہ قابلِ استدلال نہیں کیونکہ اس کے راوی حضرتِ ابنِ عباس کا فتویٰ ہے جسے آٹھ راوی روایت کرتے ہیں، اس کے خلاف ہے اور خود رکانہ کی اولاد راوی ہے کہ رکانہ نے ایک طلاق دی تھی۔ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹ میں ہے وھذا الاسناد لا تقوم بہ الحجۃ مع ثمانیۃ رووا عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فتیاہ بخلاف ذلک ومع روایۃ اولاد رکانۃ ان طلاق رکانۃ کان واحدۃ وباللہ التوفیق۔

پھر حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ پر یہ الزام کہ شریعت پاک کے خلاف سیاسی حکم دیا، ایک افسوسناک چیز ہے جو اس نازک دور میں حکومت کو یہ سبق دینا ہے کہ سیاسی احکام قرآن و حدیث کے خلاف جائز ہیں، یہ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ ہے؟ معاذ اللہ معاذ اللہ! حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو شرعی احکام ہی نافذ فرماتے تھے جس کی شہادت کفار بھی دیتے ہیں۔

الحاصل قرآن کریم اور حدیث شریف، صحابہ کرام اور جمہور اہل علم سلف صالحین کے ارشادات کے موافق ہمارے حنفی مذہب پر فتویٰ یہی ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور رجوع حلال نہیں بلکہ حلالہ کے بغیر نکاح جدید بھی جائز نہیں کما فی اسفار المذہب المہذب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بانی ومہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۲۲.۵.۷۳





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اندریں مسئلہ کہ ایک عورت کو اس کا خاوند تین طلاقیں دینے کے بعد واپس نکاح میں لانا چاہتا ہے، اس کی کیا صورت ہوگی؟ اور اگر چند آدمی مل کر اس عورت کو اس کے خاوند کے پاس بھیج دیتے ہیں، میاں بیوی کے تعلقات کی بناء پر تو ان آدمیوں کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہوگا؟ اور اس حالت میں اگر دوبارہ نکاح کر لیں تو اس بارے میں کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

السائل:

منظور احمد شاہ چک ۱۴/۲ ٹھیکوان والا

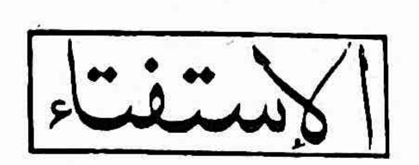


اس کی صورت حلالہ ہے یعنی عدت پوری ہونے کے بعد کسی اور سے صحیح نکاح کرے اور اگر وہ جماع کے بعد طلاق دیدے تو اس کی عدت پوری ہونے کے بعد پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے، جو شخص بلا نکاح پہلے خاوند کے پاس بطور بیوی بھیجدیں تو وہ شخص بڑے ظالم اور فاسق اور بدکار ہیں، مستحق نار و سزاوار غضب جبار و قہار ہیں، حکومت اسلامیہ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو سخت ترین سزا دے تاکہ دوسروں کیلئے بھی عبرت ہو، بلا حلالہ دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا، اگر کریں تو وہ بھی سخت ترین مجرم و ظالم ہیں اور سخت ترین سزا کے مستحق ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ از بصیر پور
۷/۷ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ شرعیہ کے کہ زید نے اپنی بیوی کو جھگڑے کے دوران ایک وقت میں تین مرتبہ طلاق دی، تفصیل یوں ہے کہ زید کی بیوی نے اسے



خنزیر کہا تو اس نے پہلی طلاق دی، اس پر بھی بیوی خاموش نہ ہوئی تو اس نے دوسری مرتبہ طلاق دی، پھر بھی اس کی بیوی چپ نہ ہوئی تو زید نے تیسری طلاق دی جس کا مطلب اور آخری تھا، یہ سب کچھ بقائمی ہوش وحواس ہوا، اب زید کی بیوی رجوع چاہتی ہے، فقہ حنفی کی رُو سے اس کا کوئی حل ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کیا؟ براہِ کرم وضاحت فرمائیں۔

سائل: حاجی بشیر احمد بٹ مکان ۱۱/۵ بیرون قاضی محلہ لاہوری چھاؤنی صدر بازار



شرعاً ہرگز ہرگز حلال نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، اس کا صرف ایک ہی حل ہے کہ وہ عورت عدت گزارنے کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرے اور وہ باقاعدہ ہم بستری کے بعد طلاق دے اور پھر عدت گزارنے کے بعد زید کے لئے اس کا نکاح حلال ہے، یہ حکم فقہ شریف اور حدیث شریف اور قرآنِ کریم کا ہے، قرآنِ کریم میں ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومحبوبنا الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۳/۵/۶۹

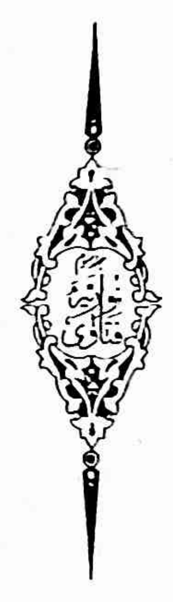


الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ مسمی محمد یوسف ولد شادی شاہ نے چند معزز آدمیوں کے سامنے اپنی منکوحہ مسماۃ نسیم اختر دختر محمد صدیق شاہ کو یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دے دی، میری بچی مجھے واپس کر دو، میں نے تجھے طلاق دے دی اور طلاق دینے کے متعلق واضح الفاظ میں متعدد بار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی، کیا شرع کے نزدیک طلاق ہو چکی ؟

السائل : محمد صدیق شاہ





شرعاً طلاق ضرور واقع ہو گئی اور الفاظ " میں نے تجھے طلاق دے دی " اگر صرف دو بار کہے تو رجعی ہے یعنی خاوند عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور اگر تین بار کہے تو طلاق مغلظ واقع ہو گئی، یعنی دوبارہ محمد یوسف مسماۃ نسیم کے ساتھ نکاح بھی نہیں کر سکتا جبکہ حلالہ نہ ہو کما فی القرآن الکریم۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ
۲۵ صفر المظفر ۱۳۹۲ھ ۱۰/۴/۷۲

الاستفتاء

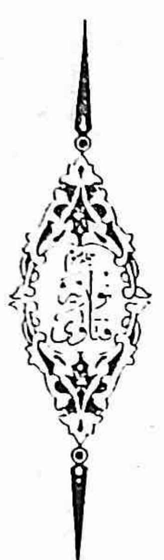
بخدمت حضرت مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے بعد عرض ہے کہ مسمی محمد شریف ولد اکبر قوم باولی کسی وجہ سے اپنی عورت کو برائے رنج وغصہ میں آکر طلاق ثلاثہ یکبار لکھ چکا ہے اور اب اپنی ہوش وحواس کو قائم کرکے دونوں گھر آپس میں صلح کرتے ہیں اور ابھی ایک ماہ بھی نہیں گزرا کہ آیا وہ عورت اس پر حلال ہے یا نہیں، اگر حلال ہو تو کیا بات کرکے حلال کرنی چاہیئے کیونکہ آپ کا فتویٰ ہر ایک کو منظور ہے۔ فقط

گواہ شد | گواہ شد

چوہدری سکندر علی بقلم خود | چوہدری محمد شریف بقلم خود

دونوں چوہدری کہتے ہیں کہ فتویٰ ضرور بضرور لکھ دیویں۔





تین طلاق کے بعد عورت کب حلال ہوسکتی ہے، جب عدت گزار کر کسی اور کے ساتھ نکاح کرے اور وہ دوسرا خاوند ایک جماع کے بعد طلاق دے تو حسب دستور شرع دوبارہ نکاح عدت گزارنے کے بعد ہوسکتا ہے، قرآن کریم میں ہے

فان طلقها فلا تحل له حتى تنكح زوجا غيره اور حدیث

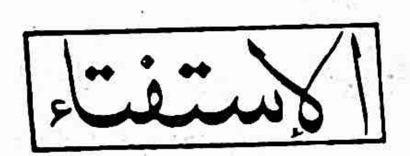
عید بھی مشہور حدیث ہے اور سب فقہائے کرام اور مشائخ عظام نے بھی یہی فرمایا ہے کما فی الھندیۃ والھدایۃ وغیرھما من اسفار المذھب المھذب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

(نوٹ) غصہ کوئی عذر نہیں، طلاق ہوتی ہی ناراضگی پر ہے۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۵ رشوال المکرم ۱۳۹۸ھ ۹/۹/۷۸



کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ میں بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ تجھے طلاق ثلاثہ دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں اور یہ الفاظ تحریر بھی کر دیتا ہے، عدت بھی گزر چکی ہے، کیا طلاقِ ثلاثہ اس طرح مؤثر ہو جاتی ہے اور بدوں حلالہ رجوع کی کوئی صورت بمطابق شریعتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء باقی ہے، بینوا توجروا۔

المستفتی:

حافظ محمد یوسف عفی عنہ نکاح رجسٹرار بصیر پور ضلع ساہیوال

۳/۵/۷۹







بلاشک وشبہ وریب زید کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں اور مغلظہ بن گئی ہیں، زید پر اس کی بیوی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوچکی ہے چنانچہ خود زید نے بھی تحریر طلاق میں تصریح کی ہے لہذا حلالہ کے بغیر اس عورت کے ساتھ نکاح جدید نہیں کرسکتا چہ جائیکہ صرف رجوع کرے چنانچہ ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے نزدیک یہ متفق علیہ ہے کہ تین طلاقوں کے بعد بلاحلالہ بیوی جائز نہیں، چنانچہ میزان شعرانی ج ۲ ص ۱۲۶ اور رحمۃ الامہ ج ۲ ص ۸۰ میں ہے والنظم من المیزان اتفقوا (الی ان قال) وکذلک جمع الطلاق الثلاث یقع اور ہمارے تمام متون وفتاوٰے حنفیہ میں بھی ہے چنانچہ فتاوٰی عالمگیری ج ۲ ص ۳۴۶ میں ہے فالذی یعود الی العدد ان یطلقہا ثلاثا فی طھر واحد بکلمۃ واحدۃ (الی ان قالوا) فاذا فعل ذالک وقع الطلاق بلکہ امام محرر مذہب حنفیہ امام محمد علیہ الرحمہ سے شامی ج ۲ ص ۶۲۵ میں ہے ونص محمد رحمہ اللہ تعالیٰ قال واذا طلق الرجل امرأتہ ثلاثا جمیعا فقد خالف السنۃ واثم ان دخل بہا اولم یدخل سواء بلغنا ذالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعن علی وابن مسعود وابن عباس وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مجموعہ قوانین اسلام جلد دوم مصنفہ مشیر قانون مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، راولپنڈی کے صفحہ ۷۰۳ میں ہے "جمہور

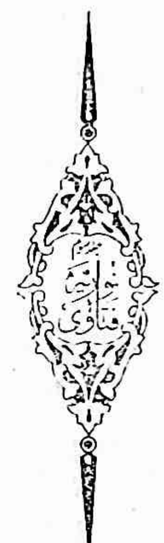
فقہاء کے نزدیک طلاق بائن کبریٰ یا مغلظہ اس وقت واقع ہوتی ہے جبکہ مرد اپنی بیوی کو بیک وقت یا متفرق اوقات میں لفظِ واحد یا متفرق کلمات سے تین طلاقیں دیدے اور اس کے پہلے طلاق بائن کبریٰ یا مغلظہ کا یہ حکم بیان کیا کہ ایسی طلاق مراد ہے جس کے نتیجہ میں اس عورت سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا تا وقتیکہ اس کی مطلقہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح کرکے الخ"

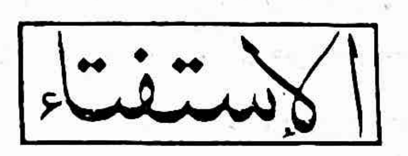
اور یونہی اس کے ج ۲ ص ۴۹۶ میں ہے" اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو بیک وقت ایک کلمہ سے طلاق دے یا متفرق کلمات سے تین مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق کہے تو اسی وقت تین طلاق بائن (مغلظہ) واقع ہوجائیں گی اور وہ اپنی زوجہ سے رجوع نہیں کرسکے گا اِلّا یہ کہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کرے الخ"

اور یونہی کتب حدیث شریف سنن بیہقی وغیرہا میں کئی متعدد حدیثوں میں صحابہ کرام سے تشریحاً ہے۔ بہرحال یہ مسئلہ آفتاب عالمتاب سے بھی زیادہ واضح ہے، کہ بلا حلالہ نکاح بھی نہیں کرسکتا اور خود قرآن کریم پارہ دوم سے بھی ثابت ہے، ارشاد ہوتا ہے فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجا غیره۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی سیدنا حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ ، جمادی الاخریٰ ۱۳۹۹ھ ۴ ؁۷۹





الاستفتاء

بخدمت جناب حضرت مولانا علامہ الحاج پیر طریقت راہبر شریعت
مفتی اعظم پاکستان ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب النعیمی قادری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ :- مزاج گرامی!



کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے غصے میں آکر اپنی بیوی کو کہا طلاق، طلاق، طلاق، اب تو مجھ پر حرام ہے۔ اب وہ رجوع کرنا چاہتا ہے، کیا وہ حلالہ کے بغیر نکاح کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟ جواب سے مشکور فرماویں۔

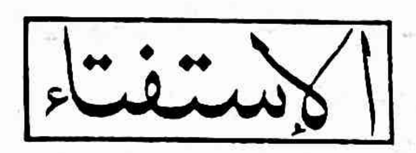
السائل: قاری بشیر احمد عرف گڈی ولد منشی نور احمد صاحب
بمقام چک دھرمیوالا تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال



وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:-
اب حلالہ کے بغیر کوئی صورت نہیں، حلالہ کے بعد ہی نکاح ہو سکتا ہے۔
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۰۔۳۔۸۰





کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں:
۱۔ یہ کہ میرا خاوند جب بھی میرا اس سے کسی بات پر کوئی تنازعہ ہو جائے تو مجھے بے ساختہ غیر مردوں اور عورتوں کے سامنے طلاق دینا شروع ہو جاتا ہے

اور طلاق کا لفظ یک وقت کئی کئی مرتبہ کہہ جاتا ہے جس کے گواہ بھی موجود ہیں اور پھر طلاق پر بھی صبر نہیں کرتا۔ مجھے یک وقت ماں بہن کہنا شروع ہو جاتا ہے اور غیر مردوں اور عورتوں کی پرواہ بھی نہیں کرتا۔

۲۔ ہمارا میاں بیوی کا جب بھی کبھی کسی بات پر جھگڑا ہوتا ہے تو مجھے بات بات پر طلاق دیتا ہے اور بات بات پر ماں بہن کہتا ہے کہ تم آج سے میری ماں ہو!

۳۔ میرے خاوند کے بار بار طلاق دینے اور ماں بہن کہنے کے باوجود بھی میرا خاوند زبردستی میرے ساتھ میاں بیوی والے تعلق قائم کئے ہوئے ہے۔ اگر میں بولوں تو مجھے گھر والے تنگ کرتے ہیں۔

۴۔ کیا میرے خاوند کے بار بار طلاق دینے سے ہمارا نکاح رہ جاتا ہے کیونکہ میرا خاوند کہتا ہے کہ بیوی کو بار بار طلاق دینے اور ماں بہن کہنے سے نکاح اور مضبوط ہوتا ہے مگر لوگ بھی اس کے برعکس بتلاتے ہیں۔

۵۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلا دیں کہ مندرجہ بالا الفاظ کہنے سے یک وقت پہلے طلاق دینے سے اور ماں بہن کہنے سے ہمارا نکاح قائم رہ جاتا ہے؟ اگر ہمارا نکاح ختم ہو گیا تو کیا پہلے عدت پوری کر کے دوسرا نکاح کرنا چاہیئے۔



۶۔ مذکورہ بالا سوالات میں نے خدا اور رسول کو حاضر ناظر جان کر بالکل حرف بحرف کئے ہیں اور میں نے اپنی طرف سے کوئی جھوٹ نہیں کہا ہے جس کا خدا گواہ ہے یا وہ حضرات جنہوں نے میرے خاوند سے مندرجہ بالا سوالات کے متعلق دریافت کئے اور میرے خاوند نے ان کی موجودگی میں ہاں کی ہے کہ میں نے کئی بار اپنی بیوی کو ماں بہن کہا ہے اور کئی مرتبہ طلاق دی ہے۔

نشان انگوٹھا — مسماۃ سیدن زوجہ قاسم علی ولد محرم خان خضر ابراہیم
معرفت قاری غلام رسول امام مسجد عارف والا









اگر سوال صحیح ہے تو جب خاوند نے تین بار لفظِ طلاق عورت کو بیک وقت یا کئی وقتوں میں کہہ دیا تو عورت اس پر سخت حرام ہوگئی اور عدت گزار کر بھی اس خاوند سے نکاح نہیں ہوسکتا جبکہ شرعی حلالہ نہ کیا جائے۔ یہ جاہلیت کے زمانہ میں مشرکوں کا رواج تھا کہ کئی کئی بار طلاق دیتے اور رجوع کرتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا الطلاق مرتٰن کہ صرف دو طلاقوں سے رجوع ہوسکتا ہے اور تیسری مرتبہ طلاق دینے سے ہمیشہ کے لئے عورت حرام ہوجاتی ہے اور حلالہ کے ماسوا اس خاوند سے نکاح بھی نہیں ہوسکتا، دیکھو دوسرا پارہ سورہ البقرہ آیت ۲۲۹ اور ۲۳۰ رکوع ۱۳، اور یونہی حدیث پاک میں آیا ہے اور اس پر ساری امت کا اجماع ہے لہٰذا بیوی والے تعلقات رکھنے حرام ہیں اور سخت ترین گناہ ہے ہاں قانونی طور پر اجازت حکومت سے حاصل کرلے تو بہتر کہ حکومت کی پکڑ سے بچے ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ عورت آزاد ہے، عدت گزار کر شرع کے مطابق کسی اور مرد سے نکاح کرسکتی ہے بحکم قرآنِ کریم و حدیثِ پاک اور فقہ کے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ابداً ابداً۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
بانی ومہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور
ضلع ساہیوال بقلم خود
۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ ۴/۳/۸۰

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین دریں صورت کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق کا نوٹس اول دیا، بعدازیں ایک ماہ کے اندر ہی دوسرا نوٹس برائے رجوع از طلاق اپنی بیوی کو بھیج دیا جن کی نقلیں ہمراہ استفتار ہیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ باعتبار اس نوٹس کونسی طلاق واقع ہوگی اور رجوع ہوگیا یا دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا یا حلالہ کی ضرورت ہوگی؟ فقط

نوٹس طلاق ۷۶-۴-۱۹ کو دیا گیا، نوٹس رجوع ۷۶-۵-۱۵ کو دیا گیا۔

السائل: محمد زمان ولد محمد بخش سکنہ ۶۸/۹-R معرفت حاجی محمد ابراہیم محمد اسمٰعیل آڑھتیان غلہ منڈی ہارون آباد ضلع بہاولنگر تحریر ۷۶-۷-۹



نوٹس طلاق زیر دفعہ ۷ عائلی قانون آرڈی نینس مجریہ ۱۹۶۱ء

بنام زبیدہ بی بی دختر غلام رسول قوم ارائیں سکنہ ۶۸/۴-R تحصیل ہارون آباد ضلع بہاولنگر

منکہ محمد زمان ولد محمد بخش قوم ارائیں سکنہ ۶۸/۴-R تحصیل ہارون آباد ضلع بہاولنگر

۱- یہ کہ میری شادی عرصہ تقریباً ۵ سال قبل آپ کے ساتھ سرانجام پائی تھی، کچھ عرصہ تک اپنے درمیان تعلقات بہت اچھے رہے اور بعدازاں عرصہ تقریباً ۳ $\frac{1}{2}$ سال سے اپنے درمیان گھریلو اختلافات پیدا ہوگئے اور باوجود برادری کی کوشش کے کوئی ایسی صورت نہ نکل سکی جس سے تعلقات خوشگوار ہوسکیں اور کوئی مزید ایسی صورت بھی نظر نہیں آئی جس سے ہمارے ازدواجی تعلقات بحال ہوسکیں اور سوائے علیحدگی کے اور کوئی صورت نہ رہی۔

۲- یہ کہ میں آج سے تمہیں طلاق اول دے کر اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں اور آج



کے بعد تم میری بیوی نہیں ہو، تمہیں یہ آزادی ہے کہ تم جہاں چاہو اپنی من پسند شادی کرو۔

۳- یہ کہ تم اپنا سامان واپس لے سکتی ہو بشرطیکہ میرے زیورات وغیرہ واپس کرو۔

العبد: محمد زمان ولد محمد بخش قوم ارائیں سکنہ چک R-۴-۶۸/

تحصیل ہارون آباد، ۱۹-۴-۷۶

نوٹس منسوخی طلاق

بنام زبیدہ بی بی دختر غلام رسول قوم ارائیں سکنہ ۶۸/۴۰R تحصیل ہارون آباد ضلع بہاول نگر

یہ کہ میں نے مؤرخہ ۷۶-۴-۱۹ کو آپ کو طلاق اول کا نوٹس دیا تھا جو کہ میں اب نوٹس ہذا واپس لے کر آپ سے رجوع کرنا چاہتا ہوں، اس امر کی اطلاع چیئرمین مصالحتی عدالت چک ۶۲/۴۰R یونین کونسل نمبر۵ کو بھی دے رہا ہوں۔

العبد: محمد زمان ولد محمد بخش قوم ارائیں سکنہ ۶۸/۴۰R

تحصیل ہارون آباد ضلع بہاولنگر



نوٹس اول مجریہ مؤرخہ ۷۶-۴-۱۹ دیکھا، ظاہر یہی ہے کہ ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ لفظ طلاق اول سے قبل اس نے لکھا ہے کہ سوائے علیحدگی کے اور کوئی صورت نہ ہے اور بعد میں لکھا ہے "دیکھا اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں الخ" تو روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ طلاق بائن دے رہا ہے لہذا یہ ایک طلاق بائن ہے، حسب دستور شرع نکاح ہو سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں کیونکہ طلاق صرف ایک ہے، تین نہیں، کیونکہ بعد کے

الفاظِ کنائیہ لاحق نہیں ہوتے بلکہ بائن ہونا اسی طلاقِ اول کا اظہار ہے، شامی ج۲ ص۴۴۶ میں ہے (قولہ لا یلحق البائن) المراد بالبائن الذی لا یلحق ھو ما کان بلفظ الکنایۃ لانہ ھو الذی لیس ظاھرا فی انشاء الطلاق۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلّی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ من دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال
۲۶ر شوال المکرم ۱۳۹۶ھ

۲۱-۱۰-۷۶



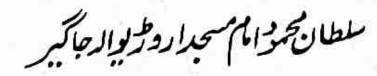
الاستفتاء

بخدمتِ اقدس اعلٰی حضرت عظیم البرکت جناب قبلہ نعیمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

جناب عالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، : مزاجِ اقدس!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں زبانی ایک ہی وقت میں دی تھیں جس کو عرصہ تقریباً ایک سال ہو چکا ہے اب زید مذکور اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح کرنے کا خواہشمند ہے تو فرمادیں اب کیا صورت ہو سکتی ہے جس سے سائل شرعِ محمدی کے مطابق نکاح کر سکے، فقط والسلام


سلطان محمود امام مسجد اروڑ یوالہ جاگیر



ہاں یقیناً جائز ہے، قرآنِ کریم وحدیثِ پاک اور فقہ کے متفقہ حکم سے پارہ دوم کے بارہویں رکوع کی آخری آیت ۲۲۸ میں ہے و بعولتھن احق بردھن یعنی مطلقہ عورت کا طلاق دہندہ خاوند واپس کرنے کا زیادہ حق دار ہے، حسب دستورِ شرع باقاعدہ نکاح کرلیں، یہ مطلقہ ایک طلاق والی ہو یا دو والی سب کو عام ہے، البتہ اگر تین طلاقیں ہوجائیں تو حلالہ کے بغیر جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ از بصیر پور شریف

۲۷۔۱۱۔۷۸



الاستفتاء

السلام علیکم : بعد تسلیمات عرض ہے کہ بندہ کو مندرجہ ذیل مسئلہ میں آپ کی راہنمائی کی ضرورت ہے اور بعد التماس ہے کہ جناب والا آپ نے خداداد علم کی روشنی میں بمطابق شرع فتویٰ صادر فرمائیں۔

۱۔ ایک آدمی غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین بار دیا اس سے زیادہ



دفعہ) اس حالت میں طلاق دیتا ہے کہ بیوی گھر پاں موجود نہیں لیکن
چند اہلِ خانہ مثلاً بیوی کی ساس یا دیور موجود ہیں۔

۲۔ بیوی کو اس طلاق کے متعلق کوئی پتہ نہیں چلتا، نہ ہی خاوند بتاتا ہے،
اور نہ ہی ساس یا کوئی اور فرد، بیوی دو تین ماہ گھر میں رہتی ہے
اور اس دوران میاں بیوی حقوقِ انسانی بھی ادا کرتے ہیں۔

۳۔ دو تین ماہ بعد میاں بیوی کے درمیان کسی اور مسئلہ پر اختلاف ہو جاتا ہے،
بیوی ناراض ہو کر میکے چلی جاتی ہے اور اس کے والدین طلاق کی
فرمائش کرتے ہیں، خاوند بیوی کو عدم موجودگی میں زبانی طلاق دے دیتا
ہے حتیٰ کہ وہ دوسری شادی کر لیتا ہے۔

۴۔ ازاں بعد بیوی گھر لوٹ آئی ہے، خاوند اسے بتاتا ہے کہ میں نے
تو تمہیں طلاق دے دی ہے لیکن بیوی جواب دیتی ہے کہ مجھے
تو اس کا آج تک علم نہیں ہوا۔

براہِ کرم اس مسئلہ میں فتویٰ صادر فرمائیں کہ آیا طلاق ہوتی ہے
یا نہیں؟ اگر طلاق ہوئی ہے تو کونسی طلاق؟

العبد : محمد رفیق از رشید آباد تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خاں





اگر فی الواقع خاوند نے تین طلاقیں دے دی ہیں تو عورت
پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی ہے جو بغیر حلالہ شرعیہ کے خاوند سے نکاح نہیں



کر سکتی کما فی الفتاوی الحنفیہ کلہا۔

واللہ اعلم وصلی اللہ علیہ وسلم

حررہ الفقیر الی الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۱۶ ذوالقعدۃ المبارکہ ۱۴۰۰ھ

۲۶ ۹/۸۰

الاستفتاء

علامۂ زماں بیہقیٔ دوراں شیخ الحدیث فقیہ اعظم جناب مولنا
مولوی محمد نور اللہ صاحب نعیمی دامت برکاتہ



السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :۔ مندرجہ ذیل مسائل کا حل ازحد مطلوب ہے، مہربانی فرماکر ان مسائل کو ہم پر عیاں کردیں :۔

۱۔ زید کا ایک بیوہ سے ناجائز تعلق ہے، بیوہ کی پہلے خاوند کی لڑکیاں ہیں، کیا بیوہ کی لڑکی زید کے بھائیوں کے نکاح میں آسکتی ہیں اور زید کی بہنیں بیوہ کے لڑکوں کے نکاح میں آسکتی ہیں ؟

۲۔ نکاح خواں ایک نکاح پر نکاح دیدہ دانستہ پڑھاتا ہے اور گواہوں کو پہلے نکاح کا علم نہیں یا گواہوں کو پہلے نکاح کا علم ہے مگر نکاح خواں کو علم نہیں، ہر دو صورتوں میں باوجود علم نکاح کے نکاح پر نکاح پڑھانا یا گواہ بننے والوں کی کیا سزا ہے ؟

۳۔ غیر مدخولہ بالغہ مطلقہ عورت بغیر حلالہ کے طلاق دہندہ کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہ ؟ زید کہتا ہے ،صاحب فتاوٰی نورالہدٰی نے جائز لکھا ہے لہذا بغیر حلالہ کے نکاح جائز ہے۔ بعد دعوے کے



یہ کہتا ہے کہ میں پڑھاؤں گا، بکر اس کی سخت تردید کرتا ہے، ان دونوں میں سچا کون ہے، اگر زید جھوٹا ہے تو از روئے شریعت اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے۔

السائل: سید محمد عبد الغفار شاہ غفرلہ، سکنہ تھانہ ساہوکا بقلم خود

۴۔ ایک نقشہ اوقاتِ نماز انجمن حزب الاحناف لاہور کی طرف سے ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ تمام مقامات کے اوقات کی کمی بیشی کی مکمل معلومات ومسائل کے لئے رسالہ مبارکہ موذن الاوقات ملاحظہ فرمائیں، اس رسالہ کے بارہ میں آنجناب سے سوال ہے کہ رسالہ مذکورہ کس صاحب کی تصنیف ہے اور کہاں سے مل سکتا ہے، اوقاتِ نماز معلوم کرنے کے لئے کوئی مخصوص حساب ہو تو اس بارہ میں آگاہ فرماویں،

سائل: اللہ بخش پوشل پنشنر مسجد بیت الرحمٰن، تھانہ ساہوکا
معرفت سید محمد عبد الغفار شاہ غفرلہ سکنہ ساہوکا،
ڈاک خانہ خاص تحصیل بوریوالہ ضلع وہاڑی۔





۱۔ اس بیوہ کی لڑکیاں زید کے بھائیوں کے نکاح اور یونہی زید کی بہنیں اس بیوہ کے لڑکوں کے نکاح میں آسکتی ہیں، قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذلکم۔

۲۔ نکاح خواں کا دیدہ دانستہ نکاح پر نکاح کرنا ایسے ناجائز نکاح کا



دیدہ دانستہ گواہ بننا گناہ کبیرہ ہے۔ اگر حرام جان کر ہو اور اگر حلال جانے تو کافر ہے، باقی رہی سزا تو وہ اسلامی حکومت کا کام ہے جس کے قائم کرنے کی جد وجہد ہم کر رہے ہیں، اندریں حالات تو برادری طور پر جتنا دباؤ ڈال سکتے ہیں، ڈالیں حتیٰ کہ درست ہو جائیں اور یونہی زید اور اس بیوہ کو بھی مجبور کریں کہ بُرے تعلقات ختم کریں۔

۳۔ غیر مدخولہ بالغہ یا نابالغہ کو ایک یا دو طلاقیں آئیں تو بلا حلالہ نکاح ہو سکتا ہے، اگر تین طلاقیں ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ الگ الگ طلاقیں دے، ایک وقت یا اوقاتِ مختلفہ میں مثلاً کہے کہ تجھے طلاق ہے۔ تجھے طلاق ہے۔ تجھے طلاق ہے اور دوسری صورت یہ کہ ایک لفظ میں اکٹھی تین طلاقیں دے مثلاً کہے کہ تجھے تین طلاقیں دیتا ہوں تو پہلی صورت میں صرف ایک پہلی طلاق واقع ہوئی اور باقی لغو جاتی ہیں تو بلا حلالہ نکاح ہو سکتا ہے اور دوسری صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں لہٰذا بلا حلالہ نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تین طلاقیں پڑ جائیں تو بحکم قرآنِ کریم حلالہ کے بغیر طلاق دہندہ نکاح نہیں کر سکتا، قرآنِ کریم میں ہے فان طلقہا فلا تحل لہ الآیۃ۔



۴۔ وہ رسالہ حضرت مولانا ظفر الدین صاحب کی تصنیف ہے اور انجمن حزب الاحناف لاہور سے ملا کرتا تھا اور اب امید ہے کہ مل جائے

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۲۲ صفر المظفر ۱۳۹۷ھ ۱۲ ۲ ۷۷



تفریق قاضی

باب تفریق القاضی

الاستفتاء



فاضلِ اجل مولانا الاکمل

السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم : بعدا دائے سنتِ اسلام واضح رائے شریفہ باد کہ اس جگہ خیریت، حضور کی مطلوب، صورتِ احوال یہ ہے کہ ایک مسئلہ کی آپ کو تکلیف دیجاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک بالغہ لڑکی کا نکاح کیا گیا، ایک یا دو ہفتہ خاوند کے گھر اتفاق سے رہی، لبعدہ بہ سبب لڑائی اور فساد کے اپنے والد کے گھر آگئی، کچھ مدت کے بعد اس کے خاوند نے دوسری شادی کر لی۔ جب اس لڑکی کو اپنے والد کے گھر یارہ یا بارہ سال گزر چکے تو اس نے اپنے خاوند پر دعوٰی طلاق اور خرچہ لینے کا عدالت میں کیا حکم فیصلہ کا عدالت نے اس طرح سنایا کہ تو نکاح سے بَری ہے اور جس شخص سے تو چاہے بغیر طلاق کے نکاح کر سکتی ہے اور خرچہ کی ڈگری کا حکم بھی سنایا گیا اب وہ لڑکی حکمِ شرع کی طلبگار ہے، آیا وہ لڑکی بغیر طلاق لئے شرع کے حکم سے



نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟
یہ مسئلہ تحریر فرماکر بندہ کو سرفراز فرمائیں کیونکہ بندہ کے پاس کتابیں موجود نہیں۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
الراقم: محمد اسماعیل از نہال مہار، بقلم خود



شریعتِ غرا نے نکاح خاوند کے قبضہ میں رکھا ہے، قرآنِ کریم کا فرمان مبین ہے او یعفوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح اور جب خاوند کے قبضہ میں ہے تو دوسرا یہ حکم شرعاً نہیں دے سکتا کہ عورت نکاح سے بری ہے جہاں چاہے نکاح کرے، ایسی صورت میں شرعاً عورت کو یہ اختیار نہیں کہ دوسری جگہ نکاح کرسکے، حضرتِ رب العالمین کا ارشادِ متین روزِ روشن کی طرح موجود ہے والمحصنٰت من النساء یعنی نکاح والی عورتیں حرام ہیں تو لازم اور سخت لازم کہ بلا طلاق حاصل کئے عورتِ مذکورہ نکاح ثانی کا ارادہ نہ کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ،

۲۶ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ

المجیب مصیب
نصیر الدین بقلم خود از رکن پورہ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں کہ ہند زوجۂ عمرو کو اس کے والد نے عیسائی بنایا تاکہ نکاح عمرو سے بری ہو تو کسی حاکم برطانوی نے اسے برائت از نکاح کا حکم دیا تو اس ہند کا نکاح بکر سے کیا گیا، نکاح خواں اور گواہوں کو معلوم تھا کہ ہند کا نکاح شرعاً عمرو کے ساتھ قائم ہے صرف قانونا فسخ قرار دیا گیا ہے، پس ہند کا پہلا نکاح باقی ہے یا نہیں اور نکاح و گواہانِ نکاحِ ثانی کا حکم کیا ہے اور بکر کا باپ امامت کرتا ہے اور بکر کے ساتھ پورے پورے تعلقات رکھتا ہے تو اس کی امامت جائز ہے یا کہ نہیں؟ بینوا ماجورین من رب العلمین۔

المستفتی: محمد رمضان از ٹھٹنگنی داخلی کوٹھہ تحصیل فاضلکا ضلع فیروزپور
۱۸ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ





ہند کا پہلا نکاح ثابت و قائم ہے، بدستور عمرو کی بیوی ہے، بنا بر قولِ مفتیٰ بہ در المختار و رد المحتار میں ہے وافتی مشائخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجرا وتيسيرا لاسيما التي تقع في المكفر ثم تنكر قال في النهر



والارتداد برسذا اولی، فتح القدیر میں ہے وبعض مشائخ بلخ وسمرقند افتوا فی ردتہا بعدم الفرقۃ حسما لاحتیالہا علی الخلاص بارتکاب الکبائر و ھکذا فی البحر الرائق بحر فتح القدیر باب احکام المرتدین اور ردالمحتار میں ہے وقد افتی الدبوسی و الصفار وبعض اھل سمرقند بعدم وقوع الفرقۃ بالردۃ ردا علیہا اور ایک قول پر نکاح فسخ تو ہوا مگر پہلے ہی کے ساتھ کیا جائے، دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہیں۔ فتح القدیر، بحر الرائق، درالمختار، ردالمحتار، فتاوی عالمگیری میں ہے والنص من الشتم و عامۃ مشائخ بخارا افتوا بالفرقۃ وجبرھا علی الاسلام وعلی النکاح مع زوجہا الاول لان الحسم بذلک یحصل ولکل قاض ان یجدد النکاح بینہما بمہر یسیر ولو بدینار رضیت ام لا وتعزر خمسۃ و سبعین۔ بحر الرائق، عالمگیری درالمختار شامی میں ہے والنظم من الدر باب التعزیر ولا تتزوج لغیرہ یعنی ملتقط۔

بہرحال ہند کو نکاح ثانی کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں اور نکاح پر نکاح پڑھنے والا اور اس نکاح کے گواہ و ناکح اس نکاح کو حلال یقینی اور پہلے نکاح کو بدستور قائم سمجھ کر بلا شبہہ ایسا کر رہے ہیں تو نہایت گنہگار ہیں اور ان کے نکاح ٹوٹ گئے، از سر نو تائب ہو کر اپنے نکاح کریں اور اگر ایسے ہوں کہ ان کی عورتیں نہیں تو کیا نہایت ہی سخت گنہگار ہونا آسان ہے کہ جہاں ایسے مواقع میں ان لوگوں کو نکاح خواں اور گواہ بناتے ہیں اور صورتِ مسئولہ میں یہی ظاہر کہ وہ شبہہ میں ہوں گے نظاھر الاختلاف والتفوہ کما لا یخفی علی خادم الفقہ تو صرف توبہ ہی کافی ہے اور اس لئے تعزیر وحدود اس دار الفتن ملکِ ہند میں متعذر ہے تو کیا بتایا جائے کہ عورت کو پچھتر کوڑے مارے جائیں اور عیسائی کرانے والے تائب





نہ ہوں تو قتل کئے جائیں اور ناکح اور گواہوں کو یہ یہ تعزیریں لگائی جائیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہاں یہ ضرور ظاہر کیا جاتا ہے کہ جو عیسائی بننے میں ساعی یا رضامند ہوں وہ بحکم شرع مرتد ہو جاتے ہیں، ان کے نکاح ٹوٹ جاتے ہیں، اہل اسلام ان سے میل جول، کھانا پینا، بیٹھنا اٹھنا، بول چال غرضیکہ تمام احوال میں پورا پورا بائیکاٹ کریں جب تک تائب نہ ہوں، شرح عقائد نسفی و بحر الرائق میں ہے والنظم من البحر ویکفر بتلقین کلمۃ الکفر لیتکلم بہا ولو علی وجہ اللعب وبامرہ امرأۃ بالارتداد لتبین من زوجہا وبالافتاء بذلک وان لم تکفر المرأۃ بناء علی ان الرضاء بکفر غیرہ کفر۔ قرآن کریم میں ہے لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیمۃ ومن اوزار الذین یضلونہم بغیر علم الاساء مایزرون۔ اور بکر کے باپ کی امامت جائز نہیں؛ ہاں اگر خالص دل سے توبہ کرے اور اپنے لڑکے سے ہند مذکورہ کو جدا کرائے یا بکر نہ مانے تو اس سے تعلقات منقطع کرے تو جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ





الاستفتاء

محترم المقام ذوالعزۃ والاحتشام سراپا تقدس واحترام سلمہ اللہ الی یوم القیام قبلہ فقیہ اعظم حضرت علامہ الحاج مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی قادری دامت فیوضکم العالیہ

نیاز مندانہ سلام ومحبت مسنون : مزاج شریف ۔ خیریت مطلوب۔ معروض آنکہ چند مسائل دریافت طلب ہیں لہٰذا براہِ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جوابات سے سرفراز فرمائیں ۔ عین نوازش ہوگی ۔ سوالات درجِ ذیل ہیں :۔

۱۔ : بالغہ کنواری اغوار شدہ کا نکاح جو کہ مغوی کے ساتھ ورثا اور وکلاء کی عدم موجودگی میں ہوا ، عندالشرع جائز اور صحیح ہے یا نہیں ؟

۲۔ : اگر مذکورہ نکاح صحیح ہے تو مغوی اگر کسی بھی صورت میں کسی وقت بھی اغوار شدہ کو طلاق نہ دے تو عدالتی قانونی طلاق نامہ پہ عقدِ ثانی کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

۳۔ : جس امام پر زانی ہونے کا شک ہو اپنی آنکھوں سے عندالشرع جرائم میں سے کوئی بھی جرم دیکھا نہ گیا ہو اور نہ ہی کوئی گواہ ہو ، صرف شاہد پہ شک ہو ، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟



۴۔ : مذکورامام عائد کردہ الزامات سے بریت کے سلسلہ میں تین دفعہ حلفاً صفائی دے اور سننے والے محض پیپلز پارٹی کو ووٹ کی انکاری وغیرہ کے ذاتی عنادات کی بنا پر نماز نہ پڑھیں اور مطمئن نہ ہوں اور برملا یوں کہیں کہ یہ امام اگر سات دفعہ باوضو مسجد میں سر پہ قرآن اٹھاتے اور اپنے معصوم ہونے کا ثبوت دے تو ہمیں اعتبار ہی نہیں حالانکہ امام اہل سنت کے مرکزی ادارے کا مستند اور محقق عالم ہو اور درویش ہو ، کہنے سننے والے مذکورہ افراد عندالشرع مومن ومسلم ہیں یا نہیں ؟ کاش کہ سیدی وسندی استاذی المکرم سید السادات علامہ ابوالبرکات سید احمد شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اور واجب الاحترام مولانا صوفی محمد نصر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے تو ان سے بھی یہ مسائل دریافت کرتے مگر صد افسوس کہ وہ دارِ فانی سے کوچ کرتے ہوئے ہمیں ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئے ، قبلہ ! یہ



وہ علم کے سمندر رکھتے جس سے ہر پیاسے نے بقدر ظرف پیا، رضاء القضاء اللہ تعالیٰ
مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ ان کے چلے جانے سے علم کا بحران پیدا ہو گیا ہے۔

مولا کریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولا کریم رب العزت صدقہ اپنے حبیب کریم
رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کی پاک تربتوں پر اپنی خاص رحمت کے خزائن
لاکھوں کروڑوں پھول نچھاور فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق
عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ فقط والسلام

السائل: خادم العلماء دعا جو ابو الرضا محمد بشیر چشتی نظامی فخری مجددی
حال مقیم گنج آرمی سٹڈ فارم پروین آباد تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال

(نوٹ) یہاں کے چند افراد جو ہر دینی دنیاوی جائز و ناجائز مسائل کے جوابات
اپنی ہی مرضی کے مطابق چاہتے ہیں اس سلسلہ میں اور کچھ آپ کی وجہ سے سابقہ
الیکشن سے لے کر آج تک میرے درپئے آزار ہیں کہ کسی طرح اسکو یہاں سے
نکالا جائے، چونکہ مضبوط نہیں رہا، اس کو ہم بھی یہاں نہیں رہنے دیں گے لیکن
بحمدہ تعالیٰ آپ حضرات کی دعاؤں کے صدقے ڈٹا ہوا ہوں اور منیجر صاحب
کرنل سجاول خاں آرمی سٹڈ فارم اور فیلڈ سٹاپ کا پورا پورا تعاون حاصل ہے،
آپ اپنی رائے دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور مذکورہ چند افراد کا آپ بھی خیال رکھیں،
ایک طرف آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ سے مسائل کے جوابات
طلب کرتے ہیں، یہ حیران کن چیز ہے۔





ما بالغہ کنواری اغواء شدہ کا نکاح ورثاء اور وکلاء کی عدم موجودگی میں اغواء کنندہ

کے ساتھ لڑکی کی رضا سے ہوا تو اگر اغوا کنندہ اس کا ہم کفو ہے اور مہر مثل مقرر کیا اور لڑکی کے ورثا کی اجازت ہو حالانکہ وہ اپنے گھروں میں ہیں تو جائز اور صحیح ہے کما فی عامۃ المتون اور اگر ہم کفو نہیں تو مختار فی الفتوٰی یہ ہے کہ نکاح ناجائز ہے اور صحیح نہیں، فتاوٰی عالمگیری ج ۲ ص ۱۳ میں ہے و روی الحسن عن ابی حنیفۃ ان النکاح لا ینعقد وبہ اخذ کثیر من مشائخنا کذا فی المحیط والمختار فی زماننا للفتوٰی روایۃ الحسن، تنویر الابصار اور اس کی شرح در المختار میں ہے (ویفتی) فی غیر الکفو (بعدم جوازہ اصلا) وھو المختار للفتوٰی (لفساد الزمان)، اور یہی فتاوٰی رضویہ کتاب النکاح ج ۵ حصہ دوم کے صفحہ ۶۹ میں ہے۔

۲۔ نکاح مذکور کی صحت کے وقت عدالتی قانونی حاصل کردہ طلاق میں کئی صورتیں ہوسکتی ہیں، بعض میں اس طلاق پر نکاح ثانی کر سکتے ہیں اور بعض میں نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔



۳ جس امام پر زانی ہونے کا شک ہو اور کسی نے اپنی آنکھ سے کوئی جرم بھی نہیں دیکھا، صرف شنید پر شک ہے، ایسی تہمت لگانی حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ایسی تہمت لگانے والے جھوٹے اور فاسق ہیں، ان کو حدِ قذف کے اَسّی اَسّی کوڑے لگائے جائیں، قرآن کریم پارہ ۱۸ رکوع ۸ آیۃ ۱۳ میں ہے لولا جاءو علیہ باربعۃ شھداء فاذ لم یاتوا بالشھداء فاولٰئک عند اللہ ھم الکٰذبون ۔ نیز رکوع، آیت ۴ میں ہے ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولٰئک ھم الفٰسقون۔ پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے " اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے کہ جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے

نزدیک جھوٹے ہیں،، دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے "پھر چار گواہ نہ لائیں تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی فاسق ہیں" اور یونہی تمام کتب شرعیہ معتبرہ میں ہے، تو نماز بلا شک و شبہہ جائز ہے۔

۴۔ جب ثابت ہو چکا کہ امام مذکور پر ایسے الزامات غلط ہیں اور الزام لگانیوالے جھوٹے اور فاسق ہیں تو امام کو قسم اٹھانے کی ضرورت ہی نہ تھی مگر جب تین دفعہ حلفیہ صفائی بھی دے دی تو ذاتی عنادات کی وجہ سے مطمئن نہ ہونا بالکل غلط ہے اور برملا یوں کہنا کہ اگر امام سات دفعہ باوضو مسجد میں سر پہ قرآنِ پاک اٹھائے اور اپنے معصوم ہونے کا ثبوت دے تو ہمیں اطمینان نہیں، ایسا کہنا غلط در غلط ہے اور پیپلز پارٹی کو ووٹ کی انکاری وغیرہ کے ذاتی عنادات بالکل حرام ہیں، پیپلز پارٹی والوں کا کام ہی یہی ہے کہ کسی شریف پہ کیچڑ اچھالتی رہے یہ بالکل لغو اور بیہودہ ہے، اگر وہ لوگ قرآنِ کریم کے مذکورہ بالا احکام کا انکار کریں اور نہ مانیں تو وہ مسلم مومن نہیں، ایمانداروں پر لازم ہے کہ ایسے بیہودہ لوگوں کی بیہودہ گوئی پر کان نہ دھریں، یہ حکم بکثرت آیات واحادیث سے ثابت ہے۔



واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۶ ذوالقعدہ ۱۳۹۸ھ   ۸/۱۰/۷۸

ظہار

باب الظہار





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں کہ زید نے اپنی زوجہ کو عند الغضب بلانیت کہا کہ "تو میری ماں میری بہن" آیا یہ ظہار ہے یا طلاقِ رجعی یا بائن کنایۃً یا صراحۃً باعتبار عرف یا محض لغو ہے اور اگر نیت طلاق یا ظہار ہے تو معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا ماجورین۔



یہ کلام مطلقاً لغو و باطل ہے، نہ ظہار بن سکے نہ طلاق، انتفاءِ ظہار کی تصریحِ صریح فتح القدیر، بحر الرائق، رد المحتار، فتاویٰ عالمگیری میں ہے والنظم من



الهندية لو قال لها انت امی لایکون مظاهرا و ینبغی ان یکون مکروها ومثله ان یقول یا ابنتی و یا اختی ونحوہ

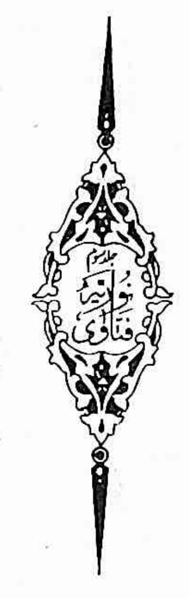
فتح القدیر میں اسے حدیث سنن ابو داؤد سے مستفاد و ثابت فرمایا حیث قال لکن الحدیث المذکور افادکونه لیس ظهارا حیث لم یبین فیه حکما سوی الکراهة والنهی عنه وقررہ الشافعی علیه الرحمة و ذکر نحوہ ابن نجیم رحمه الله تعالٰی فی بحرہ وسیأتی من العبارات ما یفید اصل المسئلة ان شاء الله تعالٰی

انعدام طلاق کنایہ یوں کہ کنایۂ طلاق وہ لفظ ہے جو محتمل طلاق اور غیر طلاق کا ہو کما صرحوا به فی اسفار الفقهیة اور یہ محتمل طلاق نہیں کہ طلاق موقوف علی النکاح اور یہ منافی نکاح ہے، تنقیح و توضیح و تلویح میں ہے واللفظ من الاخیر

واما التحریم الثابت بهذہ بنتی اعنی التحریم الذی هو من لوازم البنتیة فهو مناف لملك النکاح فالزوج لا یملك اثباته اذ لیس له تبدیل محل الحل وانما یملك التحریم القاطع للحل الثابت بالنکاح وهو لیس من لوازم هذا الکلام بل من منافیاته فلا یصح استعارته له والحاصل ان التحریم الذی فی وسعه لا یصلح اللفظ له والذی یصلح اللفظ له لیس فی وسعه فلا یصح منه اثبات التحریم بهذا اللفظ ومثله فی المنار ونور الانوار وفیه تصریح فیلغوا الکلام۔

فتاوٰی فقیہ النفس امام فخر الدین قاضی خان علیہ الرحمۃ ص ۲۶۴ میں ہے

ولو قال لامرأته ان فعلت کذا فانت امی ونوی به التحریم فهو باطل ولا یلزمه شیئ ولا فرق بین التنجیز والتعلیق منها حیث صیغة الطلاق۔





طلاقِ صریح یوں نہیں کہ یہ مجاز ہوتا ہے یا حقیقۃً کما صرح الاصولیین والفقہاء علیہم الرحمۃ وفی ھٰذا کلاھما متعذران کما عرفت مما سبق واسمع الان نصا۔ تنقیح وتوضیح میں تعبیراً وتقریراً ہے مسئلۃ قد یتعذر المعنی الحقیقی والمجازی معا کقولہ لامرأتہ وھی اکبر منہ سنا او معروفۃ النسب ھٰذہ بنتی الخ ومثلہ فی المنار ونور الانوار فالحکم مامر ولا فرق بین النیۃ وعدمہ لان النصوص شاملۃ لکل واحد منھما ھٰذا،



فان قیل ان ھٰذہ الکلمۃ یفھم العوام منھا ویعتقدون تحریما اذا قال قائل لزوجتہ وغلب استعمالھا فیہ فی عرفھم ھٰذا احد الصریح ولذا عدوا الکلمۃ "انت علی حرام" منہ باعتبار العرف وقد نص المتقدمون علی انھا من الکنایات والمعنی العرفی ایضا معنی حقیقی معتبر عند اھل الاصول قال فی التنقیح والتوضیح (وان استعمل فیما وضع لہ) یشمل الوضع اللغوی والشرعی والعرفی والاصطلاحی (فاللفظ حقیقۃ) قال فی التلویح فالمعتبر فی الحقیقۃ ھو الوضع لشیئ من الاوضاع المذکورۃ الخ۔

واما مامر من ان ھٰذہ الکلمۃ متعذرۃ الحقیقۃ والمجاز فباعتبار حقیقتھما اللغویۃ کما ینص علیہ کلامھم وبالجملۃ فلا اقل من ان تعد مرتجلا وھو ایضا حقیقۃ قال فی التوضیح فاستعمال اللفظ فی غیر ما وضع لہ لا لعلاقۃ یکون وضعا جدیدا فالمرتجل حقیقۃ فی المعنی الثانی بسبب الوضع الثانی وفی التلویح لان الاستعمال الصحیح فی الغیر بلا علاقۃ وضع جدید





فیکون اللفظ مستعملا فیما وضع له فیکون حقیقة الا فینبغی ان
یقع بها طلاق بائن کما هو تحقیق الشامی فی الحرام او رجعی کما
قال غیره و هذا باعتبار العرف بلا احتیاج الی النیة وباعتبار
الارتجال بائن هو بالنیة۔

اقول لا سبیل الی الارتجال لان العلاقة باعتبار بادئ الرأی
ثابتة وان کانت فی نفس الامر منتفیة وهو مطمح انظارهم
الکاسرة القاهرة ولذا قال الامام قاضی خان رحمه الله فهو
باطل لا یلزمه شیئ مطلقا ولم یقیده بعدم الارتجال والمطلق
یجری علی اطلاقه واقتصروا فی الفتح والبحر والدر وحاشیته
الشامی والهندیة علی الکراهة اثبتوا فی ما عدا الدر والهندیة
الاقتصار من حدیث سنن ابی داؤد صرح الشامی علیه الرحمة
فی اوائل الظهار ایضا ببطلانه واما ما ذکرت من العرف
فالظاهر ان هذا لیس بعرف مستقل صحیح اغلوطة
نعرض من جهلهم بحکم الشرع المطهر فتبقی اذهانهم الی
ما سمعوه من حکم الظهار مجملة غایة الاجمال والی الام
مثلا محرمة فاذا قال لزوجته انت امی فحرمت جهلا
محضا منهم کما استفتانی اهل قریة فی شاة ذبحوها
فقال کافر ذبحوا خنزیرا فکفوا عن الاکل وقالوا ایجوز اکلها
ام لا ونظائر هذه کثیرة ومن لم یعرف عرف اهل زمانه فهو جاهل
وایضا فتنة فتوی الجاهلین المتوسمین بالافتاء من ان اطعموا
المساکین افتراء علی الله القهار واجتراء علی شرعه عالی المنار
فنما یحملهم علی اعتقادهم الکاسد وفهمهم الفاسد ویأبی الله





الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکفرون فلا اثر لهذا فی التحریم لان مرجعہ الی ما لا یحرم فیہ اصلاً

واللہ ورسولہ اعلم وعلمہما اتم واحکم جل جلال ربی وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبی وآلہ واصحابہ وابنہ الغوث الاعظم وبارک ومجد وکرم وفخم وعظم وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی نور اللہ بہ وقوبہ۔

۴ محرم ۱۳۶۰ھ فرید پور جاگیر



(۱) ما افتی بہ المفتی العلام فہو صحیح وحق والحق احق ان یتبع ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالتبیان۔

خویدم العلماء فقیر فتح محمد حبیبوی، حال پرنسپل مخلصانہ ریاست بہاولپور

(۲) الجواب صحیح

عبد القادر حبیبوی

(۳) اصاب من اجاب وللہ درہ

بندہ جلال دین جیون شاہی

۴۔ الجواب صحیح لاریب فیہ۔

الراجی الی رحمۃ ربہ البر، خادم العلماء محمد اکبر محمود پوری

۵۔ الجواب صحیح وخلافہ خرط القتاد۔

محمد یار بیرخانوی بقلم خود

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید نے اپنی زوجہ سے بحالتِ بخار پانی مانگا، زوجہ کے انکار کرنے پر زید نے پکارا "ماں میری کے میوں پانی دے،، کیا زید کا نکاح ٹوٹ گیا یا کیا زید کو کفارہ ادا کرنا پڑے گا؟ فقط

السائل : محمد اسمٰعیل فانی پاکپتن

۳۱.۱۲.۵۰





اگر صورتِ مذکورہ واقعیہ اور صحیحہ ہے تو نہ نکاح فاسد ہوا اور نہ ہی کفارہ پڑتا ہے البتہ یہ مکروہِ تحریمہ ہے لہذا اگر حالتِ ہوش میں کہا ہے تو توبہ واستغفار کرے ورنہ کچھ نہیں، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۲۶ میں ہے لوقال لھا انت امی لا یکون مظاھرا وینبغی ان یکون مکروھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی الحنفی القادری غفرلہ





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اندریں صورت : میں نے اپنی عورت سے لڑتے ہوئے غصے میں آکر کہہ دیا کہ تم میری ماں بہن ہے اور تو میرے اوپر حرام ہے اسی وقت میرے گھر سے نکل جاؤ، تمہیں گھر میں نہیں رہنے دونگا۔ یہ الفاظ میں نے غصے میں آکر کہہ دیا ہے لیکن میرا اسے طلاق دینے کا ارادہ نہ تھا اور نہ ہی میں اس سے قبل ازیں تا وقت غصہ قبل بد ذہن تھا اور نہ ہی میری بیوی نے کبھی بے فرمانی کی تھی، میری عورت حاملہ بھی ہے، اب میں ہوش و حواس میں آکر علمائے دین و محدثین و مقتدین شرع سے معروض ہوں کہ کیا میری عورت میں اپنے گھر رکھ سکتا ہوں یا وہ مجھ پر کس وجہ سے جائز ہو سکتی ہے ؟





غصہ اور حمل مانع طلاق نہیں، یہ عوام کا محض خیالِ خام ہے۔ عورت کو ماں بہن کہنا مکروہ ہے، توبہ کرے، مگر اس سے نکاح کو نقصان نہیں ہوتا اور نہ ہی ظہار بنتا ہے، شامی ج ۲ ص ۹۴۷ میں ہے وفی انت امی لا یکون مظاهرا الیٰ ان قال ومثله ان یقول یا بنتی او یا اختی، البتہ حرام کہنے سے ایک طلاق بائن ہوگئی، شامی ج ۲ ص ۶۳۸ میں ہے وسیأتی وقوع البائن به بلا نية الخ



باقی الفاظ بلا نیت نقصان نہیں دیتے اور یہاں تو نیت بھی اثر نہیں کرے گی، شامی ج۲ ص ۶۴۵ ولا یلحق البائن البائن اور جب ایک طلاق بائن پڑ گئی تو نئے سرے سے نکاح باقاعدہ کر کے بیوی بنا سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۱۴ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں، زید نے اپنی بیوی کو بحالت غصہ ماں بہن کہا ہے اور کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے اور تجھے طلاق ہے، کیا کفارہ ظہار ادا کر دے تو نکاح بحال ہو سکتا ہے یا بغیر حلالہ کے نکاح ہو سکتا ہے یا حلالہ کی شرط عائد کی جائے یا طلاق رجعی تصور ہو گی؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد بشیر سکنہ چک ۲۸۹/ای-بی ڈاکخانہ گگو منڈی



ماں بہن کہنا بلا تشبیہ ظہار نہیں بنتا بلکہ لغو ہے تو کفارہ نہیں پڑتا کما ف



الھندیۃ وغیرھا اور "تو محمد پر حرام ہے" طلاقِ بائن اور "تجھے طلاق ہے" دوسری طلاق ہے لہذا حلالہ نہیں پڑتا اور نکاح جدید ہوسکتا ہے اور چونکہ زید ہی طلاق دہندہ اور صاحبِ عدت ہے یعنی عدت اس کے حق کے لئے ہے لہذا یہ عدت کے اندر ہی نکاح کرسکتا ہے اور اگر کسی اور شخص سے نکاح کرے تو عدت پوری کرنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے کما فی کتب المذھب المھذب الحنفیۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم وآلہٖ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۳۰ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

16/7/69





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو غصہ میں آکر انگلی سے تین لکیریں کھینچ کر ایک دفعہ کہا ہے کہ تو میری ماں بہن ہے، عورت حاملہ ہے اور اس کے بال بچے بھی ہیں، سنہاری والہ کے نزدیک خشک بیاس چل رہی ہے، اس کے بندوبست میں پندرہ روز سے کام کررہا تھا اچانک ہی بیوی وخاوند میں لڑائی جھگڑا ہوگیا جس کی وجہ سے اس نے ایسا کیا، اب اس کے متعلق کیا کیا جائے؟

سائل:۔ نور محمد بقلم خود



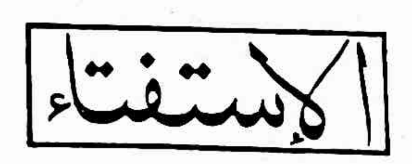
اگر صورتِ مسئولہ صحیح و درست ہے تو کچھ بھی نہیں نہیں محض لغو اور باطل ہے، نہ صرف لکیروں سے طلاق بنتی ہے اور نہ ہی ماں بہن کہنے سے البتہ شرعاً ماں بہن کہنا گناہ ہے لہٰذا توبہ و استغفار کافی ہے و ذا مصرح فی اسفار المذہب المہذب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ البصیر فوری

۲۵ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۹ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی شادی عرصہ ڈھائی سال سے زید کے ساتھ ہوئی تھی، ہندہ دیندار نمازی اور باپردہ لڑکی تھی مگر زید کے ہاں پردہ کا انتظام نہیں تھا، وہ ہندہ کو گھاس زمین سے کھرچنے کے لئے باہر بھیج دیتے، ہندہ کی نمازیں بھی فوت ہونے لگیں اور تلاوت بھی چھوٹ گئی، بارہ بجے گھاس لاکر پہنچے پھر اسی قدم واپس گھاس کے لئے بھیج دیتے۔ بیچاری گھبرا گئی اور



والد کی طرف بھاگ کر پہنچنے کی کوشش کی مگر پھر اسٹیشن پر گاؤں کے لوگوں نے اس کو دیکھ لیا اور پکڑ کر پھر اس کو انہی کے گھر پر پہنچا دیا، پھر اس کو مارنے اور زد وکوب کرنے پر سب گھر کے آدمی تیار ہو گئے حتی کہ سب نے مارا، پھر بھاگی مگر دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں کا آدمی پہنچا اور پھر پکڑ کر واپس لے گیا اور انہی کے گھر پر جا چھوڑی، پھر اسکو مارا، تکلیفیں دیں، زید کو غصہ بہت آگیا، ایک دن ہندہ نے اس کے سامنے روٹی رکھی مگر ذرا دور سے کیونکہ مار سے ڈرتی تھی، اس نے کہا بس اب تو میری ماں اور ہمشیرہ ہے، میں تجھ کو نہیں رکھتا، میری طرف سے بالکل جواب ہے، تو میرے قابل نہیں رہی ہے اور نہ ہی تجھ سے میری کوئی غرض ہے، جا چلی جا، اپنا بکس سر پر اٹھا اور چلتی بن، میرا اور تیرا گذر مشکل ہے۔

زید نے فوراً ہندہ کے والد کو بھی خط بے رنگ لکھ دیا کہ اپنی پیاری بیٹی کو لیجاؤ ہمارا اس سے کوئی غرض اور واسطہ نہیں رہا، آکر لے جاؤ ورنہ اس کو گاڑی پر بٹھا دینگے خواہ آپ کے پاس پہنچے یا نہ پہنچے، تاکید، بار بار تاکید ہے۔

اس کا خط پڑھتے ہی ہندہ کا والد وہاں پہنچا، لڑکی کی بری حالت تھی، لوگوں کو جمع کیا پوچھا، سب نے کہا کہ واقعی اس نے مارا پیٹا بھی اور ماں ہمشیرہ کہہ کر اور یہ کہہ کر کہ یہ میرے قابل نہیں رہی ہے، میری طرف سے جواب ہے، اپنی نوکری پر چلا گیا کیا اس صورت سے طلاق پڑ گئی یا کہ نہیں؟ کیونکہ اس نے غصہ اور سخت غصہ کی حالت میں یہ کہا ہے اور کہا کہ آئندہ تو میری ماں اور ہمشیرہ ہے اور جاتے ہوئے پھر ایک خط سخت ہندہ کے والد کو لکھا کہ اگر ہندہ کو لے جاؤ یہ میرے قابل نہیں رہی ہے اور میری طرف سے جواب ہے، اس کو ہرگز میں نہیں رکھوں گا اور نہ ہی اس کے ساتھ میرا کوئی غرض واسطہ ہے۔ عند الشرع اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

مستفتی :- مولانا قاری سخی محمد صاحب پیامی خطیب لکڑمنڈی اوکاڑہ

۱۱۔۸۔۵۸





اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو از روئے قواعدِ مذہبِ مہذبِ حنفی ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوگئی "بس اب تو میری ماں اور ہمشیرہ ہے" عوام الناس جب اپنی بیوی کو کہتے ہیں تو طلاق بائن کے ارادہ سے کہتے ہیں؛ بنا بریں یہ لفظ صریح طلاق کا بن چکا ہے، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۰ میں ہے صریحہ مالم یستعمل الا فیہ ولو بالفارسیۃ، شامی علیہ الرحمہ نے فرمایا ای غالبا نیز رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۴ میں ہے وانما کان ما ذکرہ صریحا لانہ صار فاشیا فی العرف فی استعمالہ فی الطلاق لا یعرفون من صیغ الطلاق غیرہ ولا یحلف بہ الا الرجال وقد مران الصریح ما غلب فی العرف استعمالہ فی الطلاق بحیث لا یستعمل عرفا الا فیہ من ای لغۃ کانت وھذا فی عرف زماننا کذلک فوجب اعتبارہ صریحا کما افتی المتأخرون فی انت علی حرام بانہ طلاق بائن



للعرف بلا نیۃ مع ان المنصوص علیہ عند المتقدمین توقفہ علی النیۃ (الی ان قال) الحق الوقوع بہ فی ھذا الزمان لاشتہارہ فی معنی التطلیق فیجب الرجوع الیہ والتعویل علیہ عملا بالاحتیاط فی امر الفروج۔ اور ج ۲ ص ۷۶۱ میں فرمایا والفتویٰ علی العرف الحادث لان کلام کل عاقد وحالف ونحوہ یحمل علی عرفہ وان خالف ظاھر الروایۃ کما قالوا من ان الحاکم والمفتی لیس لہ ان

یحکما و یفتی بظاہر الروایۃ و یترك العرف فکان الصواب ما قالہ شمس الائمۃ، اور قرآنِ کریم میں ہے وأمر بالعرف اور باقی خط کشیدہ کلمات میں بھی کنایاتِ طلاق ہیں اور غصہ منافی طلاق نہیں بلکہ بہت سے کنایات میں نیتِ طلاق کی دلالت بنتا ہے کما صرح بہ فی کتب المذھب کافۃ، طلاق ہوتی ہی ناراضگی میں ہے، پھر زید کے وہ سخت ترین ظلم جو ظلمات بعضھا فوق بعض کے مصداق ہیں، متقاضئ طلاق ہیں، قرآنِ کریم میں ہے فامساك بمعروف او تسریح باحسان۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحبہ وبارك وسلم۔

محررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ




عدّت

باب العدّة

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ خاوند نے مراہقہ کو بعد مجامعت کے طلاق دی، آیا اس صورت میں عدت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔



بلاشک وشبہ وریب عدت واقع ہوگی اور وہ تین ماہ ہے کما فی القرآن الکریم اور اگر ان تین ماہ پورے ہونے سے پہلے حیض آگیا تو تین



حیض پورے کرنے ضروری ہیں کہ ذوات الحیض کی عدت تین حیض ہے کما فی القرآن الکریم واسفار الفقہ المطہر۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

سائل زبانی مظہر کہ غیر بالغہ کا نکاح کیا گیا اور بلوغ سے پہلے ہی دخول و خلوت سے قبل طلاق دی گئی تو آیا اس مطلقہ کا نکاح بلاعدت ہو سکتا ہے؟

سائل: امیر امیرانی از بھونڈی ریاست بہاولپور

۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۱ھ





اگر سوال درست ہے تو بلاشک وشبہہ وریب بلاعدت نکاح جائز ہے کہ ایسی مطلقہ پر عدت نہیں ہے، قرآن کریم کے بائیسویں پارے کے تیسرے رکوع میں ہے ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

ایک مطلقہ کم از چالیس برس عمر والی کا حیض دس سال سے بند ہے، اب اس کی عدت کیا حیضوں سے ہے یا ماہوں سے ؟

(حضرت مولانا) جلال الدین صاحب، اجیون شاہی





مذہب حنفی میں مفتٰی بہ یہ ہے کہ اس کی عدت حیضوں سے ہی ہے حتی کہ سن ایاس کو پہنچے، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۴ میں ہے لو رأت ثلثۃ دم ثم انقطع فعدتہا بالحیض وان طال الی ان ایست کذا فی العتابیۃ اور سن ایاس پچپن ہے، ہندیہ ج ۱ ص ۱۹ میں ہے الایاس مقدر بخمس وخمسین سنۃ وھو المختار کذا فی الخلاصۃ الخ البنۃ شرح الوہبانیہ سے درالمختار شامی ج ۲ ص ۸۲۸ اور بحر الرائق ج ۴ ص ۱۳۱ میں شرح المنظومہ سے ہے والنظم من البحر





لان ابسط ان عدة الممتد طهرها تنقضی بتسعة اشهر کما فی الذخیرة معزیا الی حیض منهاج الشریعة ونقل مثله عن ابن عمر قال وهذه المسئلة یجب حفظها لانها کثیرة الوقوع وذکر الزاهدی وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالک فی هذه المسئلة للضرورة خصوصا الامام والدکہ شامی ج ۲ ص ۸۲۸، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۳۰، ۱۳۱ میں ہے والنظم من البحر ومن الغریب ما فی البزازیة قال العلامة والفتوٰی فی زماننا علی قول مالک فی عدة الآیسة مگر بحر الرائق اور در المختار میں ہے مخالف لجمیع الروایات فلا یفتی بہ نعم لو قضی مالکی بہ نفذ، پھر شامی نے فرمایا قلت لکن ھٰذا ظاهر اذا امکن قضاء مالکی بہ او تحکیمہ اما فی بلاد لا یوجد فیها مالکی یحکم بہ فالضرورة متحققة وکان ھٰذا وجہ ما مر عن البزازیة والفصولین فلا یرد قولہ فی النهر انہ لا داعی الی الافتاء بقول نعتقد انہ خطأ یحتمل الصواب مع امکان الترافع الی مالکی یحکم بہ آھ تامل ولهٰذا قال الزاهدی وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالک فی هذه المسئلة للضرورة آھ ثم رأیت ما بحثتہ بعینہ ذکره محشی مسکین عن السید الحموی وسیأتی نظیر ھٰذه المسئلة فی زوجة المفقود حیث قیل انہ یفتی بقول مالک انها تعتد عدة الوفاة بعد مضی اربع سنین۔

بہرحال مذہب وہی ہے اور ضرورتِ شدیدہ کے وقت یہ بھی فرمایا گیا ہے جو اوپر مذکور ہوا، یہ فتویٰ نہیں دیا جارہا مگر ضرورتِ شدیدہ کے وقت اس پر





کوئی عمل کرے تو امید کہ گنہگار نہ ہوگا کہ فتاوٰی خیریہ ج ا ص ۶۱ میں ہے لاشك انہ اذا قضٰی مالکی المذهب فی ممتدة الطهر بانقضاء العدة بتسعة اشهر ینفذ ولا یجوز نقضہ لانہ لم یخالف الکتب ولا السنة المشهورة ولا الاجماع۔

واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم والحکم وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی حبیبہ واٰلہ واصحٰبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللّٰہ النعیمی غفرلہٗ
۱۴ جمادی الاخرٰی ۷۷ھ
بوقت ۱۰ بجے بعد نماز عشاء





الاستفتاء

بخدمت جناب حضرت قبلہ فقیہ اعظم صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ :۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک عورت اپنے خاوند سے ناراض ہو کر لڑ کر اپنے میکے آگئی، عرصہ تقریباً چار ماہ والد کے گھر رہی، اس عرصہ میں کسی غیر محرم مرد کے ساتھ اس عورت کے ناجائز تعلقات ہوئے، آخر اس مرد کے ساتھ چلی گئی، اس کے والدین اور سسرال گھر ہی تلاش کرتے رہے، تقریباً دو ماہ کے بعد ہاتھ آئی تو اس کے خاوند نے تنگ آکر معاوضہ لے کر طلاق دے دی، جو آدمی عورت کو لے گیا تھا، اس آدمی نے کچھ رقم دے کر طلاق لی، جو طلاق رقم بھر کر



لی جائے، اس کی عدت کتنی اور کب نکاح جائز ہوگا ؟ بینوا توجروا۔

السائل : آپ کا تابعدار محمد باقر نوشاہی القادری

چک 229/E.B تحصیل بوریوالہ ضلع وہاڑی





یہ جوان عورت یعنی جس کو حیض آتا ہو، اس کی عدت قرآن کریم کے حکم سے حیض ہے اور جس کو حمل ہو اس کی عدت بچہ پیدا ہونا ہے و المطلقت یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء (البقرة) دوسرا پارہ آیت ۲۲۸ اور سورۃ الطلاق پ ۲۸ آیت ۴ میں واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن ہے اور فتاوٰی عالمگیری میں بھی یونہی ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ کسی خریدار سے پیسے لیکر طلاق دے یا یونہی دے۔

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بانی ومہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۳ر شوال المکرم ۱۴۰۰ھ

۱۵-۸-۸۰



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ ہندہ بالغہ غیر حاملہ کو اس کے زوج نے تین طلاقیں دیں، اب وہ کتنی مدت کے بعد کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔

سائل : شیخ محمد





بعد از وقوع طلاق اول تین حیض پورے ہو جائیں تو نکاح کر سکتی ہے اگرچہ صرف ساٹھ دن میں ہی پورے ہو جائیں، تین ماہ وغیرہ دوسری عدتیں اور صورتوں میں ہے، قرآن کریم میں ہے والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء، فتاوی عالمگیری ج۲ ص ۴۱۳ میں ہے وهی حرة ممن تحيض فعدتها ثلثة اقراء، نیز ج۲ ص ۱۱۱ میں ہے ولا تصدق فی اقل من ستين يوما۔

والله تعالى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم وصلى الله تعالى على حبيبه وآله وصحبه وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی نصرہ ربہ القوی

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ایک جوان عورت کا جوان مرد کے ساتھ نکاح ہوا اور ہم بستری یا خلوت صحیحہ کے بعد چھوڑ کر چلی آئی اور دوسرے مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات بنا کر رہنا شروع کر دیا تو اس نے روپیہ دے کر طلاق حاصل کی اور اس کے گھر آباد ہو گئی اور اس عورت کو حمل بھی نہیں، کیا اس عورت پر عدت ہے ؟

المستفتی : مولوی محمد یار صاحب امام مسجد چک ۱۵۷/w.B تحصیل وہاڑی ضلع ملتان





ہر مدخول بہا مطلقہ پر عدت لازم ہے اور غیر حامل جسے حیض آتا ہے اس کی عدت بعد از طلاق تین حیض پورے کرنے ہیں، قرآن کریم میں ہے والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء اور یہی حکم تمام کتب مستندہ معتبرہ مذہب مہذب حنفیہ میں ہے، یہ مسئلہ چمکتے آفتاب سے بھی زیادہ واضح ہے اور قرآن کریم کے صاف صاف حکم مذکور لکھنے کے بعد کسی اور حوالہ کی کیا ضرورت ؟ تمہارے کہنے پر صرف ایک حوالہ لکھا جاتا ہے، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴۱۳ میں ہے،

اذا طلق الرجل امرأتہ طلاقا بائنا او رجعیا او ثلاثا او وقعت



الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم
لہذا قبل از انقضاء عدت نکاح کرنا حرام ہے اور ایسا نکاح شرعاً نکاح نہیں عورت
بدستور سابق اس مرد پر حرام ہی ہے، باقی جو بلا وجہ شرعی مسئلہ بتانے پر نازاں ہو
وہ سخت گنہگار ہے۔ حضرت رب العالمین جل وعلا اپنے بندوں کا نگہبان ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ
تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۰ شعبان المعظم ۱۳۷۸ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ حنیفاں
دختر خلا کو مؤرخہ ۲۵/۱/۵۸ کو تین طلاقیں دی گئیں حالانکہ اس کو حمل نہیں اور
نہ ہی اس کا بچہ پیدا ہوا ہے اور بعد از طلاق تین حیض پورے ہو چکے ہیں تو کیا
اس کا نکاح کسی اور خاوند سے شرعاً جائز ہے؟ اور عدت گزر گئی یا نہیں؟
بینوا توجروا۔

مستفتی:

مسمی رانجھا ساکن جھوک خوشحال ۴۲/۵ تحصیل دیپالپور
۵/۱/۵۹



جوان عورت جسے حمل نہ ہو اس کی عدت تین حیض ہیں، قرآن کریم میں ہے والمطلقت یتربصن بانفسہن ثلثۃ قروء، فتاوی عالمگیری میں ہے فعدتہا ثلاثۃ اقراء اور تین حیض ساٹھ دنوں میں پورے ہو سکتے ہیں، فتاوی عالمگیری میں ہے قال ابوحنیفۃ لا تصدق فی اقل من ستین یوما اذا کانت حرۃ ممن تحیض، مسماۃ حنیفاں کی طلاق کو آج ۵ جنوری ۱۹۵۹ء بہتر دن ہو چکے ہیں تو تین حیض پورے ہونے کا دعوی معتبر اور عدت گزر چکی ہے لہذا کسی اور مسلمان سے نکاح جائز ہے۔

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ رحمت بی بی کو مورخہ ۲۰ کو اس کے خاوند غلام حسین نے تین طلاقیں دے کر فارغ کر دیا اور طلاق کے بعد اسے تین حیض مکمل آ چکے ہیں، تو کیا اس کا نکاح کسی اور شخص سے حسب دستور شرع



شریف جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: چراغ محمد از کانی پورہ تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال

۲۶۱ ؍

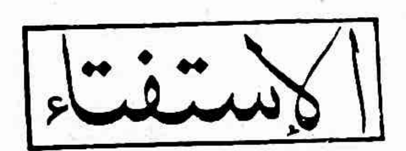




اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو نکاح جائز ہے کہ عدت تین حیضوں سے پوری ہو جاتی ہے، قرآنِ کریم میں ہے والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء اور آج حسبِ بیانِ سائل طلاق کو اٹھتر دن ہو چکے ہیں، اٹھتر دن میں تین حیض بخوبی آسکتے ہیں لہذا نکاح ہو سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



از بوریوال ۶۳-۴-۲۰

بخدمت جناب مولانا مولوی صاحب دام اقبالہٗ

السلام علیکم: مزاج شریف!



معروض آنکہ پیشتر بھی حاملِ رقعہ بھیجا گیا تھا مگر نہ معلوم ہمیں کوئی یقین والی بات نہیں ملی، حاملِ رقعہ نے عرصہ تین سال سے محمد دین ولد کریم قوم موچی کو اپنی لڑکی کی شادی کردی تھی جو آجتک آباد نہیں ہوئی، وجہ یہ ہے کہ محمد دین اپنے برادروں کے ساتھ رہ کر خوش تھا اور وہ لڑکی کو تنگ کرتے تھے، اس لئے دونوں گھر آپس میں خوش نہ تھے، آخر دونوں گھر آپس میں طلاق دینے اور لینے پر رضا مند ہو گئے جس میں خاوند مذکور نے یونین کونسل ۱۹۷ چیئرمین میاں محمد یار صاحب کو درخواست دے دی کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

دونوں فریقوں سے روبرو پنچایت دریافت کیا گیا تو دونوں نے بخوشی کہا، محمد دین نے کہا میں طلاق دینا چاہتا ہوں اور مسماۃ شریفاں نے کہا کہ میں طلاق لیتی ہوں، جس میں دو تاریخیں میاں محمد یار صاحب نے دیں، پھر مزید تسلی کے لئے پوچھا گیا لیکن محمد دین اور شریفاں دونوں فریقوں نے یہی ظاہر کیا کہ ہم طلاق دینے اور لینے کو تیار ہیں جس میں دو تاریخیں بھی کونسل نے دی ہیں اور دو دفعہ طلاق بھی ہو چکی ہے، لڑکی کے والد نے بعوض اپنی لڑکی، محمد دین سے مبلغ -/۶۰۰ روپیہ لیا ہوا تھا وہ بھی پنچایت نے محمد دین کو واپس دلوا دیا ہے، اب کسی وجہ سے تیسری طلاق سے انکاری ہے۔



حالات پیشِ خدمت ہیں، شریعت کے مطابق سوچ کر جو فیصلہ ہو وہ تحریر کر دیں۔ ان وجوہات کے تحت طلاق بائن ہے یا کہ رجعی؟ فقط والسلام

الراقم : میاں شیخ محمد نمبردار، موضع بوہلیوال (دستخط)

نوٹ : سائل حامل رقعہ زبانی مظہر کہ لڑکی مطلقہ کی عدت تین حیض پہلی طلاق کے بعد پورے ہو چکے ہیں اور اس مدت میں طلاق دہندہ محمد دین نے رجوع بھی نہیں کیا اور یہ بھی تسلیم کیا کہ لڑکی بعد از نکاح حسبِ دستور خاوند کے گھر گئی۔

السائل : غلام قادر قوم موچی سکنہ بوہلیوال ضلع منٹگمری

نشان انگوٹھا ۲۱.۵.۶۳





اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی یہی ہے کہ مسمی محمد دین نے اپنی بیوی کو باقاعدہ دو دفعہ طلاق دے دی ہے اور پھر رجوع بھی نہیں کیا اور لڑکی مطلقہ کی عدت بعد از طلاق تین حیض سے پوری ہو چکی ہے تو اس لڑکی پر محمد دین کا اب کوئی حق نہ رہا، شرعاً طلاق ہونے کے لئے یہ شرط ہرگز نہیں کہ تین طلاقیں پوری دے تو طلاق بنے ورنہ نہ بنے بلکہ صرف ایک مرتبہ طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے بلکہ یہی احسن الطلاق ہے، فتاوی عالمگیر ج۲ ص ۳۴۸ میں ہے فالاحسن ان یطلق امرأته واحدة رجعیة فی طهر لم یجامعها فیه ثم یترکها حتی تنقضی عدتها الخ اور محمد دین جب دو طلاقیں دے چکا ہے تو پھر کیا شبہ رہ گیا؟ اور یہ دونوں طلاقیں رجعی ہیں، قرآنِ کریم میں ہے کہ وہ طلاق جس کے بعد رجوع کا حق رہتا ہے، دو مرتبہ ہے، دوسرے پارے میں ہے الطلاق مرتٰن، ہاں طلاقِ رجعی میں طلاق دہندہ کو رجوع کا اختیار عدت کے اندر اندر ہوتا ہے اور نہ کرے تو عدت گزرنے پر یہ حق فوت ہو جاتا ہے اور عورت بالکل آزاد ہو جاتی ہے، قرآنِ کریم میں سابقہ کلمات پر مرتب فرمایا فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔

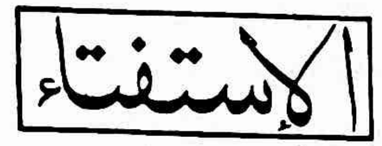
رہا وہ مبلغ -/۶۰۰ روپیہ جو لڑکی کے والد نے اپنی لڑکی کے عوض محمد دین سے لیا ہوا تھا تو شرعاً وہ روپیہ رشوت تھا جس کا واپس کرنا لڑکی کے والدین پر ضروری تھا طلاق دیتا یا نہ دیتا، لہذا اس کا واپس دلانا طلاق پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور طلاق کا عوض



نہیں بن سکتا، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۳ میں ہے والنظم من التنویر والدر اخذ اهل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوة۔ شامی میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے وکذا لو ابی ان یزوجها فللزوج الاسترداد قائما او هالکا لانه رشوة۔
الحاصل صحتِ سوال کی صورت میں مسمی محمد دین کا اس لڑکی پر حقِ زوجیت ختم ہو چکا ہے اور لڑکی کو حق پہنچتا ہے کہ حسبِ دستورِ شرعِ مطہر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۹ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ حاملہ مطلقہ کا چھ ماہ کا حمل ضائع ہو گیا ہے تو اس عورت کی عدت پوری ہو گئی ہے اور وہ نکاح کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: ولی محمد قوم بھوڑ، ساکنہ چک ہنواز خاں ۱۲ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ



صورتِ مذکورہ میں بلاشبہ نکاح کرنا جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے واولات

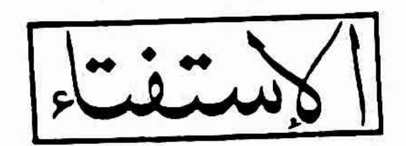


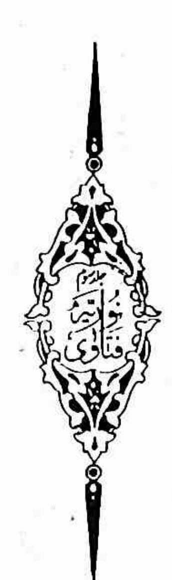
الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ



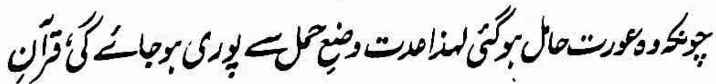


کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق سہ دیں، عدت گزرنے سے پہلے عورت کو زانی کا حمل ہوا، کیا یہ عورت عدت دنوں کی گزارے یا وضعِ حمل کی گزارے، کتنی عدت کے بعد نکاح کرے؟ بینوا توجروا۔

العبد
ولی محمد وگھا ذات موچی
نشان انگوٹھا وگھا

نمبر ۱۱/۹۴ ضلع شیخوپورہ
نشان انگوٹھا ولی محمد





چونکہ وہ عورت حاملہ ہوگئی لہذا عدت وضعِ حمل سے پوری ہوجائے گی، قرآنِ



کریم میں ہے واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن بدائع صنائع ج ۳ ص ۲۰۱، عالمگیر ج ۲ ص ۵۳۵، شامی ج ۲ ص ۸۳۱، بحرالرائق ج ۴ ص ۱۴۲ میں ہے والنظم من البحر وان حبلت معتدة عن ثلاث فعدتها بالوضع اور دونوں سے جوان عورت کی عدت نہیں ہوتی حمل نہ ہو تو عدت طلاق تین حیضوں سے پوری ہوگی کما نص علیہ فی القرآن الکریم۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ وصحبہ وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۶ ذی القعدۃ المبارکہ ۷۳ھ



الاستفتاء

سائل مظہر کہ غیر بالغہ کا نکاح کیا گیا اور اب بالغہ ہونے کے بعد شوہر نے طلاق دے دی اور اس دوران میں دخول یا خلوت نہیں ہوئی تو آیا اس مطلقہ کا نکاح بلا عدت ابھی ہو سکتا ہے؟
سائل: غلام محمد بقلم خود از حویلی لکھا ۳۰ ربیع الثانی ۷۱ھ



اگر سوال درست ہے تو بلا شک و شبہ ابھی نکاح جائز ہے کہ ایسی مطلقہ

پر عدت نہیں، قرآنِ کریم کے بائیسویں پارے کے تیسرے رکوع میں ہے ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لكم عليهن من عدة۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک مطلقہ جس کے ساتھ خاوند نے ہمبستری نہیں کی اور نہ ہی کسی مکان میں اکیلے ہوئے، آیا اس کو عدت پڑتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔





ایسی عورت پر کوئی عدت نہیں کما فی القرآن الکریم وسائر الکتب الفقہیۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ و اصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید نے اپنی لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کر دیا اور تاریخ رخصتی مقرر کر دی۔ دریں اثناء زید کے چند رشتہ داروں نے بکر کو مجبور کیا کہ وہ اپنی لڑکی کو رخصت نہ کرے اور اپنی لڑکی کی طلاق حاصل کرے لیکن زید کے دادا نے طلاق دینے سے انکار کر دیا، انکار طلاق کے بعد زید نے اپنی لڑکی اپنے بھتیجے کے گھر ناجائز طور پر بٹھا دی، کچھ مدت گزر جانے کے بعد عورت مذکورہ کو طلاق ہو گیا، طلاق کے وقت عورت مذکورہ زید کے بھتیجے سے حاملہ ہے، اندریں صورت جبکہ عورت مذکورہ بکر سے غیر مدخول ہے، اس کی عدت کیا ہے؟ اور بلا انقضائے عدت زانی جس سے وہ حاملہ ہے، نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا ماجورین من رب العلمین۔

المستفتی: لال خاں ولد خیسا نمبردار، بوریوالہ ضلع ملتان





شرعاً وہ حمل بکر کا ہی ہے، حدیث پاک میں ہے الولد للفراش وللعاهر الحجر اور آیت پاک واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن اپنے اطلاق سے تمام حمل والی عورتوں کو شامل ہے اگرچہ حمل زنا کا ہی ہو، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۳۵، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۵ میں ہے





والنظر من البحر وفی البدائع وقد تنقضی العدة بوضع الحمل من الزنا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ



ذیل کے مسئلہ کا استفتاء فتاویٰ نوریہ کے قلمی نسخہ میں درج نہیں ہے۔





میاں بیوی نکاح کے بعد ایک دوسرے کے نزدیک نہ ہوں اور ہمبستری نہ کریں یا اکیلے مکان میں نہ ہوں اور طلاق ہوجائے تو عورت پر کوئی عدت نہیں، پس فوراً نکاح ہوسکتا ہے، دیکھو قرآن کریم پ۲۲ ع۳ آیت ۴۹۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۷ ۱۱/۶۲

الاستفتاء

نقل طلاقنامہ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام وعظام اس مسئلہ کے بارے میں، ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق ان لفظوں میں دی، وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو شرعی و قانونی طور پر طلاق دیتا ہوں اور اس کو اپنی زوجیت سے آزاد کرتا ہوں، اب میرا اس کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں، اب یہ شخص دوبارہ اپنی اسی بیوی مطلقہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس کی عدت بھی ختم ہو چکی ہے، یہ کون سی طلاق واقع ہوگی؟ کیا دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے؟ فتویٰ درکار ہے۔

السائل : منور علی خاں از بوریوالہ





ایک طلاق بائن واقع ہو چکی اور رجا مندی سے نکاح ہو سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بقلمہ از دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور ضلع ساہیوال

۱۰ صفر الخیر ۱۳۸۷ھ ۲ 5/67



الاستفتاء

محافظِ شریعت مجسمہ طریقت منبع معرفت جناب حضرت مولانا محمد نور اللہ صاحب نعیمی دامت برکاتہم العالیہ

مؤدبانہ گزارش ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو دو طلاق ان کے گھر یعنی سُسر بذریعہ منی آرڈر بھیج دیئے اور ان کو مل گئے، اب وہ برادری اور دوست وغیرہ کے سمجھانے سے سمجھ گیا ہے کہ میرا نکاح کر دو، آپ سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جو شریعت کا اصول ہو، تحریر کریں۔

دعاگو: محمد امین وارسے کا ڈٹو، سکنہ اعلی صوبہ سنگھ





اگر صرف دو طلاقیں ہی لکھی ہیں اور عورت پہلے خاوند کے گھر آباد رہی ہے، جیسے سائل نے زبانی بیان کیا ہے تو خاوند عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے، نئے نکاح کی کوئی ضرورت نہیں اور عدت پوری ہو گئی ہے تو نیا نکاح ہو سکتا ہے مگر ہر دونوں صورتوں میں اگر تیسری طلاق خواہ کب ہی دے، عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی اور پھر باقاعدہ حلالہ کے بغیر نکاح کبھی نہیں ہو سکے گا، جوان عورت کی عدت حمل ہو تو بچہ جننے پر پوری ہوتی ہے ورنہ تین حیض پورے آنے سے عدت ختم ہوتی ہے



جیسے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف اور فقہ حنفی سے واضح ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و صحبہ و بارك وسلم۔

مہتمم دار العلوم ہٰذا الفقیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہ از بصیر پور
۱۳ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۹۶ھ
۱۹۷۶

الاستفتاء



مسمی محبت علی ولد محمد نواز سکنہ منٹو والہ تحصیل دیپال پور ضلع ساہیوال نے باہوش وحواس خمسہ اپنی بیوی مسماۃ سکینہ بی بی دختر مانگو سکنہ جسو کے گورو تہ تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال کو عرصہ قریباً پونے تین سال قبل روبرو گواہان حاشیہ حق مہر ادا کرنے کے بعد ایک طلاق دے دی ہے، اس عرصہ سے آج تک علیحدہ علیحدہ رہ رہے ہیں، آیا دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں؟

سائل: مانگو ولد سوداگر کمبوہ ساکن جسو کے گورو تہ ۷۶۔۴۔۷



ایک طلاق کے بعد جب عدت گزر جائے تو نکاح بلاشک وشبہ جائز ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن



ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف پارہ ۲ رکوع ۱۴،

اور یونہی طلاق بائن ہو تو عدت کے اندر ہی جائز ہے اور طلاقِ رجعی میں تو نکاح کی ضرورت ہی نہیں ویسے ہی رجوع ہو سکتا ہے، الحاصل اگر صورت سوال صحیح ہے تو بلاشبہ نکاح جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ از بصیر پور

۶ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ ۷ ؍ ۴ ؍ ۷۶



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں:

۱- یہ کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو عرصہ دو سال سے بائن طلاق بذریعہ رجسٹری بھجوادی لیکن اب اس عورت نے عدالت فیملی کورٹ میں دعویٰ نان ونفقہ کیا ہوا ہے اور طلاق ہٰذا کو بے معنی وبے بنیاد ظاہر کرکے نان ونفقہ وصول کرنا چاہتی ہے لہٰذا بروئے شرع محمدی اس عورت کے لئے کیا جزا وسزا ہے۔

۲- یہ کہ اس عورت کی گواہی دینے والے گویا کہ جھوٹی گواہی دینے والے کی سزا کیا ہے؟

۳- ایسی بے دین عورت سے دیگر مسلمانوں کو اس کے ساتھ کیسے برتنا چاہئے؟ لہٰذا اس کا جواب مدلل دے کر ممنون فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

سائل: غلام قادر ولد میاں رکن دین سکنہ بھبٹہ ۱ عارفوالہ
ضلع ساہیوال ۷۷. ۸. ۲۶



اگر سوال صحیح ہے تو اس عورت پر طلاق بائن واقع ہو چکی ہے اور نکاح سے نکل چکی ہے اور عدت بھی غالباً پوری ہو چکی ہوگی تو اب اس کا دعویٰ یا مطالبہ نان و نفقہ بے معنیٰ اور بے بنیاد ہے، اس عورت کو گناہ سے توبہ کرنی چاہیے اور عدت پوری ہونے پر حسبِ دستورِ شرع نکاح کر لینا چاہیے اور یونہی جھوٹی گواہی دینے والے بھی توبہ کریں اور ایسی بے دین عورت سے دور رہنا چاہیے اور اسے ہدایت کرنا چاہیے، قرآن پاک مذکور الذی بیدہ عقدۃ النکاح فرماتا ہے لہذا مرد طلاق دے سکتا ہے اور یونہی حدیث شریف میں ہے الطلاق لمن اخذ بالساق لہذا وہ طلاق جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

فی عاشر رمضان المبارک سنۃ الف وثلاث مائۃ وسبع وتسعین

٢٦ ٨/٧٧



ذبْح

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ

الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ



______ المائدة

حرام کیے گئے ہیں تم پر مُردار، خون، سؤر کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر خُدا کا نام پکارا جائے اور جو گلا گھونٹنے سے مرا ہو اور (لکڑی وغیرہ کی) چوٹ سے مرا ہوا، اُوپر سے نیچے گر کر مرا ہوا، جو سینگ لگنے سے مرا اور جسے کھایا کسی درندے نے مگر جسے تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کرلیا۔





اِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَ — الحدیث

جب تُم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کیا کرو۔



تعارف کتاب الذبائح



اللہ رب العزت جل جلالہ و عم نوالہ' حکیم مطلق ہے اس نے جو احکام بندوں کو دیئے ہیں انہیں ان کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ' وہ بہرحال ان کے لئے مفید اور مصلحت پر مبنی ہیں۔ ایسے ہی احکامات میں سے جانوروں کے گوشت کا معاملہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ان جانوروں کا گوشت حلال کیا ہے جو انسانی صحت کے لئے مفید ہے اور جو جانور انسانی صحت کے لئے مضر ہیں ان کا گوشت حرام کردیا ہے۔ اسی طرح اگر حلال جانور طبعی موت مرجائے تو خون رگوں اور شریانوں میں جم جاتا ہے جس سے جسم میں فاسد مادہ پیدا ہوجانے کے باعث وہ مضر صحت ہوجاتا ہے لہٰذا ہمیں جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ رگوں کا سارا خون بہہ کر گوشت صاف اور تمام مضر صحت اثرات سے پاک ہوجائے۔ پھر نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ عبادات اور دیگر معاملات کی طرح ذبح کا بھی ایک باقاعدہ شرعی نظام وضع کردیا گیا تاکہ ذبح کے عمل میں بھی دنیا بھر کے مسلمانوں کے درمیان وحدت عمل اور اتحاد و یگانگت کا رنگ پیدا ہوجائے اور وہ جہاں کہیں رہتے ہوں ایک ہی مخصوص طریقے سے جانوروں کو ذبح کریں۔

ذبائح جمع ہے ذبیحہ کی--- اور ذبیحہ ایسے جانور کو کہتے ہیں جسے شرعی طریقے کے مطابق ذبح کیا گیا ہو۔

کتاب الذبائح فقہی کتب کی ترتیب کے مطابق دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ابتدائی استفتاءات

میں ذبح کے متعلق مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں جبکہ اس کے بعد کے فتووں میں حلال و حرام جانوروں کا ذکر ہے۔

مچھلی اور ٹڈی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے سوا باقی تمام جانور ذبح کئے جائیں البتہ اونٹ کو نحر کرنا مسنون ہے۔

حلق کے آخری حصے میں نیزہ وغیرہ جھونک کر رگیں کاٹ دینے کو نحر کہتے ہیں جبکہ ذبح یہ ہے کہ گردن کو اس کی ابتدا سے لے کر سینے کی ابتدا تک کسی جگہ سے اس طرح کاٹا جائے کہ یہ چاروں رگیں کٹ جائیں۔

۱۔ حلقوم: یہ وہ رگ ہے جس میں سے سانس آتی ہے۔ اسے نرخرہ بھی کہتے ہیں۔

۲۔ مری: جس سے خوراک نیچے اترتی ہے۔

۳،۴۔ ودجین: حلقوم اور مری کے دونوں طرف ایک ایک رگ ہے جنہیں شہ رگ بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں رگوں میں خون گردش کرتا ہے۔



ان چار رگوں میں سے تین کا کٹ جانا ضروری ہے اس سے کم رگیں کٹیں تو جانور حلال نہ ہوگا۔ البتہ غیر پالتو جنگلی جانوروں کے شکار میں یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ اسے تکبیر پڑھ کر تیر چلانے یا نیزہ وغیرہ کوئی دھار دار آلہ جھونک دینے سے زخمی کر دیا جائے تو وہ حلال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پالتو جانور اگر بے قابو ہو کر بھاگ جائے تو وہ بھی جنگلی جانور کے حکم میں ہے اور چونکہ اس کی گردن پر چھری پھیرنا ممکن نہیں رہا لہٰذا اس کے جسم کے کسی حصے کو زخمی کر دینا کافی ہے۔ اور اس صورت کو فقہی اصطلاح میں ذبح اضطراری کا نام دیا گیا ہے۔

ذبح سے جانور حلال ہونے کے لئے درج ذیل شرائط کا لحاظ ضروری ہے:

(الف) ذبح کرنے والا سمجھدار ہو، مجنون اور بے سمجھ بچے کا ذبیحہ درست نہیں۔

(ب) ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ (البتہ بعض شرائط سے کتابی کا ذبیحہ بھی درست ہے)

(ج) اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ اسی طرح ذبح اضطراری میں شکار یا بھاگ جانے والے پالتو جانور پر تیر یا دھار دار آلہ پھینکتے وقت بھی تکبیر کہنی ضروری ہے۔

(د) جس جانور کو ذبح کیا جائے وہ بوقت ذبح زندہ ہو، یعنی چھری پھرنے کے بعد خون نکلے یا جانور میں حرکت پیدا ہو۔

حلال و حرام جانوروں کی پہچان کے بارے میں کوئی قاعدہ کلیہ تو نہیں تاہم درج ذیل اکثری، استقرائی قاعدہ ذہن نشین کر لینے سے کافی حد تک وضاحت ہو جاتی ہے:

جانور دو قسم کے ہیں:

۱- دریائی ۲- خشکی

مچھلی کے بغیر تمام دریائی جانور مکروہ و حرام ہیں۔ نیز وہ مچھلی جو خود بخود پانی کی سطح پر الٹ گئی ہو ناجائز ہے۔

خشکی والے جانور بھی دو قسم کے ہیں۔

پرندے اور درندے --- پرندے پھر دو قسم میں: خون والے، بلا خون ---

ایسے پرندے جن میں خون بالکل نہ ہو یا دم مسفوح (بہنے والا خون) نہ ہو ماسوائے ٹڈی کے سب حرام و مکروہ ہیں جیسے مچھر، مکھی، بھڑ وغیرہ۔



ایسے پرندے جن میں دم سائل ہو اور پنجے سے شکار کرنے والے یا موذی اور حرام خور ہوں جیسے باز، چیل، کوا وغیرہ سب کے سب حرام ہیں، باقی حلال۔

واضح رہے کہ طوطا اگرچہ پنجے سے پکڑ کر کھاتا ہے مگر شکار نہیں کرتا للذا حرمت کے اس حکم سے خارج ہے۔

درندے یعنی زمینی جانور دو قسم کے ہیں: خون والے، بے خون۔

وہ تمام جانور جن میں دم مسفوح نہیں، حرام ہیں جیسے حشرات الارض بچھو، سانپ، کیڑے، مکوڑے وغیرہ۔

ایسے تمام جانور جن میں بہنے والا خون ہو ان میں سے درندے یعنی کیلے سے شکار کرنے والے جانور مثلاً شیر، چیتا، کتا وغیرہ حرام ہیں، ان کے علاوہ سب حلال ہیں۔ (اونٹ اگرچہ کیلے والا جانور ہے مگر وہ شکار نہیں کرتا، للذا اس حکم حرمت میں داخل نہیں)

بھیمتہ الانعام یعنی بے زبان مویشی جن کی حرمت شریعت میں وارد نہیں ہوئی سب حلال ہیں مثلاً اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ۔

پرندوں کے بارے میں ایک استقرائی اکثری قاعدہ یہ بھی ہے کہ جن کی چونچ مڑی ہوئی ہے،

طوطے کے سوا سب حرام ہیں جیسے باز وغیرہ۔ اور جن کی چونچ سیدھی ہے وہ کوے کے بغیر سب کے سب حلال ہیں جیسے کبوتر، فاختہ، گیری، لالی، تلیر وغیرہ۔

کتاب الذبائح میں اکیس استفتاءات ہیں۔ جن میں کوا حرام ہونے کے موضوع پر ایک تحقیقی رسالہ "حرمت زاغ" بھی شامل ہے۔

(مرتب)

---OO---





کتاب الذبائح



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین اس صورت میں کہ ایک عورت نے رات کے وقت بیمار لیلے کو ذبح کیا اور وہ عورت قسمیہ کہتی ہے کہ اس وقت وہ لیلا زندہ تھا، ہاتھ اور پاؤں مارتا تھا اور تین مرتبہ تکبیر پڑھ کر ذبح کیا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُسنے مرے ہوئے کو ذبح کیا مگر گواہ نہیں یہ صرف زبانی کہنا ہے، ہمیں اس عورت کی قسم کی بنا پر تسلی ہے کہ اس نے زندہ ہی کو ذبح کیا اور عورت کا ذبح کیا ہوا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتیان والسائلان از منچریاں

دستخط انگوٹھا نذر محمد قصاب جمال دین قصاب غلام حسین قصاب

پیر طالب علی صاحب







اگر صورتِ سوال صحیح اور درست یہی ہے جو سائلانِ مندرجہ بالا نے بیان کی تخواہ مخواہ بلا علم یہ تہمت لگائی کہ مرے ہوئے کو ذبح کیا، محض غلط ہے، قرآنِ کریم اور حدیث شریف میں سخت ممانعت آئی ہے، باقی رہا یہ مسئلہ کہ عورت کا ذبح جائز ہے یا نہیں تو حدیث شریف میں یہ مسئلہ صاف موجود ہے کہ جائز ہے، مشکوٰۃ ص ۳۵۷ میں ہے عن کعب بن مالك انہ کان لہ غنم ترعی بسلع فابصرت جاریۃ لنا بشاۃ من غنمنا موتا فکسرت حجرا فذبحتہا بہ فسال النبی صلی اللہ علیہ وسلّم فامرہ باکلہا رواہ البخاری، اور ایسے ہی مذہب مبارک حنفیہ میں مصرح کما فی الشامی والھدایۃ وغیرھا من الاسفار، البتہ ذبح کے لئے سمجھدار ہونا ضروری جیسے کتبِ فقہ میں تفصیل سے مذکور ہے اور آئندہ کے لئے سخت احتیاط کی تاکید کی ہے اور نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کا عہد لیا اور گذشتہ سے توبہ کروائی اور ایسے ہی عورت سے بھی توبہ کروائی جائے اور عہد لیا جائے کہ سائلاں نے زبانی ان کی خامی ذکر کی ہے ——— یہ بھی ہدایت کر دی ہے کہ صدقہ و خیرات بھی کر دے کہ بعض حقوق کی ادائیگی ہو جائے

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ



الاستفتاء

مکرم محترم قبلہ مولوی نور اللہ صاحب دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :-

خاکسار کو ایک فتویٰ کی ضرورت ہے، والیسی فتویٰ لکھ کر بھیجیں، مشکور ہونگا

واقعہ یہ ہے :-



(۱) ایک خاتون نے ایک بیلی جو کہ قضائے الٰہی سے رات کو مر چکی تھی (گویا حرام ہو گئی تھی) اس خاتون نے اس کی گردن کاٹ کر باہر پھینک دی، اب ایک اور آدمی گذرا اور اس آدمی نے اس عورت سے وہ لاش مبلغ تین روپے میں خریدنے کا مطالبہ کیا (اس وقت وہ عورت مردہ بیلی کی کھال اتار رہی تھی) آخر قصہ مختصر اس آدمی نے اس عورت سے تین روپے میں وہ مردہ لاش یعنی حرام گوشت مول لے لیا، یہ آدمی راستے میں حرام گوشت لئے جا رہا تھا، راستے میں ایک اور آدمی ملا جس نے کہ دریافت کیا کہ میاں یہ آپ کتنے کی خرید کر لئے جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا تین روپے میں تو پھر اس آدمی نے پوچھا کہ آیا یہ حلال ہے یا حرام، اس نے کہا کہ میں فلاں عورت سے خرید کر لایا ہوں، اس عورت نے مجھے حلال کہہ کر بیچی ہے، اس آدمی نے اگلے گاؤں جا کر گوشت فروخت کر دیا جو کئی اشخاص نے مول لے کر کھا لیا جو آدمی راستے میں ملا تھا اس نے شام کے وقت فروخت کرنے والی عورت سے پوچھا کہ تم نے یہ گوشت تین روپے میں بمع کھال کیوں سستا بیچا (حلال) اب عورت نے جواب دیا کہ بھائی وہ حرام تھا، اس بات کا ۵/۶ دن بعد خریدنے والے نے واویلا کیا کہ جو آدمی مجھے خرید کر کے جاتے وقت راستے میں ملا جس نے مجھے پوچھا کہ کتنے کی خریدی ہے؟ میں نے کہا کہ تین روپے میں، اس نے کہا کہ حرام ہے یا حلال؟



تو میں نے کہا کہ حلال ہے، میں نے تو حلال سمجھ کر خریدی تھی اس لئے اس کا گوشت فروخت کر دیا، اس خریداری کے وقت سوائے خریدنے والے اور بیچنے والی عورت کے کوئی اور گواہ موجود نہ تھا جس سے واقعات کا پتہ چلے۔

اب عورت بیان کرتی ہے کہ اس نے حرام کہہ کر ۳/۰۰ روپے میں دیدی، مرد خریدنے والا کہتا ہے کہ اس عورت نے مجھے حلال کہہ کر فروخت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے سر پر کیڑے پڑ گئے تھے، جب مرنے لگی تو اسے ذبح کیا گیا ہے خریدار نے جب دھڑ کے ساتھ سری کا مطالبہ کیا کہ اس کا سر بھی دے دو، خاتون نے کہا کہ اس پر کیڑے تھے اس لئے پھینک دیا ہے (وہ کھانے کے قابل نہ تھا) خاتون کے خاوند سے خریدار نے دریافت کیا کہ تمہاری عورت نے مجھے حرام لیلی دے دی ہے، خاوند نے جواب دیا کہ میں گھر موجود نہ تھا، مجھے صحیح علم نہیں، اگر حرام ہوتی تو وہ خود کھال کیوں اتارتی؟ ایسے حالات میں خریداری کے وقت کا کوئی گواہ موجود نہیں، اب عورت بیان کرتی ہے کہ اس نے حرام کہہ کر بیچی ہے، خریدار کہتا ہے کہ اس عورت نے حلال کہہ کر مجھے فروخت کی ہے۔

آپ فتویٰ تحریر کریں کہ ایسے حالات میں عورت گنہگار ہے یا مرد؟ اور وہ کیسی سزا کا مستحق ہے؟ ان کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے؟ اب جن لوگوں نے گوشت مول لے کر کھایا، ان بیچاروں کو تو کوئی علم نہ تھا کہ گوشت حرام تھا اس لئے وہ کھا گئے، اب ان گوشت کھانے والوں کے متعلق بھی تحریر کریں۔

آپ مفصل فتوے لکھ بھیجیں کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ یہ تمام باتیں مجمع عام میں میرے ڈیرہ میں ہوئیں جو کہ اوپر بیان کی گئی ہیں۔

از طرف:

سردار محمد صدیق بجیر مین شاہ بیگہ تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

۸/۹/۶۶





استدراک

حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سائل کے نام درج ذیل گرامی نامہ تحریر فرما کر حقائق و واقعات کی مزید وضاحت طلب فرمائی۔

۷۸۶/۹۲

محترم المقام جناب سردار محمد صدیق صاحب چیئرمین بشاویہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاج گرامی !

مسجد کے متعلق فتوے لکھ دیا ہے مگر دوسرا معاملہ ذرا پیچیدہ ہے لہذا ذیل کے استفسارات کا جواب دیں تو کچھ لکھا جاسکتا ہے :۔

۱۔ اس لیلی کی عمر کیا تھی ؟

۲۔ موٹی تھی یا دبلی ؟

۳۔ اس قسم کے گوشت کا وہاں کیا نرخ ہے ؟

۴۔ خریدنے والے آدمی نے فروخت کنندہ خاتون کے سامنے ہی کھال اُتار کر گوشت بنایا یا گھر لیجا کر ؟

۵۔ ایسی کھال کی قیمت وہاں کیا ہے ؟

۶۔ تیسرے آدمی نے اتری ہوئی کھال اور بنا ہوا گوشت دیکھا اور سوال کیا یا کھال سمیت لیلی تھی ؟

۷۔ اگر گوشت دیکھا تھا اور فروخت کنندہ عورت نے حرام بتایا تو اس شخص نے فوراً کیوں نہ اظہار کیا ؟

آپ اسی کاغذ پر سوالات کے سامنے یا نیچے واضح جواب دیں مگر عورت ضرور مجرم ہے کیونکہ حرام جانور کو حرام کہہ کر فروخت کرنا بھی حرام ہے البتہ اگر حلال کہہ کر فروخت کیا تو یہ دوہرا جرم ہو گا۔ والسلام

دعاگو : ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۹۔۹۔۶۶





۷،۱۶
۹۲

آپ کے سوالات کا جواب حسبِ ذیل ہے :-

۱- لیلی کی عمر تقریباً ۶ ماہ، وزن تقریباً ۸ سیر۔
۲- قدرے کمزور تھی۔
۳- گوشت کا بھاؤ تین روپے فی سیر ہے۔
۴- سر جسم سے علیحدہ تھا اور باقی کھال بمعہ جسم خریدار اپنے گاؤں لے گیا، اپنے گاؤں میں جا کر کھال اتاری اور گوشت فروخت کیا۔
۵- اس قسم کی کھال کی قیمت تقریباً سات روپے ہے۔
۶- کھال سمیت لیلی تھی مگر سر نہیں تھا۔
۷- تیسرا آدمی دن کے دس بجے اپنے مویشی چرانے باہر جا رہا تھا، راستہ میں خریدار سائیکل پر سوار پیچھے لیلی باندھی ہوئی ملا، لیلی بمعہ کھال تھی، تیسرے آدمی نے دریافت کیا کہ یہ کتنے کی خریدی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تین روپے کی خریدی ہے، اور فلاں عورت سے خریدی ہے، فروخت کنندہ عورت تیسرے آدمی کی قریبی رشتہ دار ہے، تیسرا آدمی گوشت فروخت کرنے کا کام کرتا ہے، خریدار مذکور کو بھی تیسرا آدمی کھالیں وغیرہ فروخت کرتا رہتا ہے، تیسرا آدمی جب گھر واپس آیا یعنی مغرب کے وقت تو تیسرا آدمی فروخت کنندہ خاتون کے گھر گیا اور اس سے دریافت کیا کہ یہ لیلی تین روپے کو کیوں فروخت کی؟ اس نے کہا کہ حرام تھی، تیسرے آدمی نے کسی سے ذکر نہیں کیا کہ یہ لیلی حرام تھی۔



تابعدار :

محمد صدیق بقلم خود، شاہ پیکہ
۱۰ / ۹ / ۶۶



شرعاً وہ عورت اور خریدار مرد اور تیسرا آدمی تینوں گنہ گار ہیں، عورت کا گناہ یہ ہے کہ اس نے حرام لیلی فروخت کی اور خریدار کا گناہ یہ ہے کہ اس نے حرام لیلی خریدی اور پھر حرام گوشت خریداروں کو کئی مرتبہ فروخت کیا، جتنے خریداروں نے اس سے یہ حرام گوشت خریدا اتنی ہی تعداد میں اس کے گناہوں میں اضافہ ہوتا گیا اور یہ ایسے سنگین گناہ ہیں کہ ایک ایک گناہ کی سزا ہی بہت زیادہ ہے کیونکہ اس نے دیدہ دانستہ حرام گوشت مسلمانوں کو حلال اور خوردنی بنا کر دیا حالانکہ حرام کو حلال کہنا کفر ہے تو واضح ہوا کہ وہ خریدار مرد سب سے زیادہ سخت گنہگار ہے اور تیسرے آدمی کا یہ گناہ ہے کہ جب اسے حرام کا پتہ چلا تو لوگوں کو یا کسی ذمہ دار کو اطلاع دیتا، رہا خریدار کا یہ دعوٰے کہ اس فروخت کنندہ خاتون نے حلال بنا کر فروخت کیا، یہ بظاہر بالکل غلط ہے کیونکہ آپ کی تحریر کے مطابق اس لیلی کا گوشت اور پوست تقریباً ۳۱ روپے کے بنتے ہیں تو اتنی قیمت کی لیلی تین روپے میں فروخت کرنی واضح کر رہی ہے کہ اس عورت نے حلال نہیں بنایا ہوگا اور یونہی خریدار بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اتنی سستی حلال نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ اس کا پیشہ ہی یہی ہے لہذا وہ خریدار سب سے زیادہ سخت سزا کا مستحق دنیا میں ہے اور آخرت میں اس کے لئے جہنم کی سخت سزائیں تیار ہیں جبکہ تائب ہو کر نہ مرا ہے اب تک چونکہ پاکستان میں اسلامی قوانین جاری نہیں ہوئے لہذا ہم پوری سزا نہیں دے سکتے بناءً علیہ آپ اپنے اختیارات کی رو سے جتنی سخت سے سخت

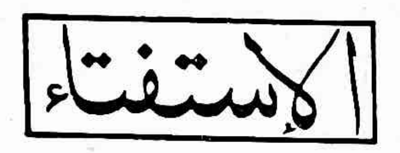




سزا اسے دے سکتے ہیں، دینی اور اخلاقی دباؤ سے اسے مجبور کیا جائے کہ صحیح معنوں میں توبہ کرے اور اہلِ اسلام سے گڑگڑا کر معافی طلب کرے اور اس عورت اور تیسرے مرد کو بھی توبہ کرائی جائے اور سخت تنبیہ کی جائے کہ آئندہ ایسی بری حرکت نہ کریں بلکہ عورت تو سزا کی بھی مستحق ہے جو خریدار کی سزا سے گناہ کے مطابق کم ہونی چاہئے، باقی عوام اہلِ اسلام جو بھول کر حرام کھا بیٹھے ہیں تو وہ کسی سزا کے مستحق نہیں مگر ان لوگوں کو دوسرے مسلمانوں کی طرح احتیاط سے گوشت خریدنا ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وآلہٖ وسلم

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۳۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ ۱۶-۹-۶۶


الاستفتاء

بخدمت جناب مولوی محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ جناب کی طرف ایک شخص کو روانہ کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے کٹا[1] ذبح کرنے کے واسطے کسی غیر شخص کو بلا کر ذبح کر دیا ہے ذبح کرنیوالا ایک نماز فجر کی پڑھتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ چار یا پانچ کی نماز پڑھتا ہے اس نے ذبح کیا ہے اور جو مسلمان ہیں انہوں نے کہا ہے کہ کھانا ٹھیک نہیں، اگر جائز نہیں، پیر شاہ محمد نے ذبح کیا ہے۔

المستفتی: مولوی غلام حسن — نشان انگوٹھہ سرگیلن پتی دار
۲۹ رجب المرجب ۱۳۷۶ھ

[1] سائل نے یونہی لکھا ہے۔ (مرتب)



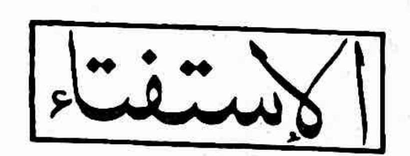
پیر شاہ محمد اب خود میرے پاس آتے ہیں، حاجی غلام رسول صاحب، منشی محمد بشیر صاحب اور محمد سرفراز وغیرہ کے روبرو کہا اور تسلی سے کہا کہ میں اہل السنۃ اور حنفی مذہب ہوں اور صحابہ کرام اور ازواجِ مبارکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں اور پیار لجاتا ہوں البتہ پہلے مجلسِ شیعہ میں چلا جاتا تھا اب ہرگز ہرگز نہیں جاؤنگا اور شرع ظاہر ہے تو اندریں حالات اس کتا کا کھانا جائز ہے، وہ حلفیہ بیان کرتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ رجب المرجب ۱۳۷۶ھ





از چاہ عاشق خاں
۷۱-۵-۵

جناب واجب الاحترام حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: امابعد



کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ ایک جانور بوجہ بیماری قریب المرگ ہے، اس کا مالک اسے ذبح کرنے کے لئے تیار ہے لیکن وہ جانور بالکل ساقط ہو گیا اور کوئی حرکت نہیں کرتا، چند منٹ بعد اس جانور نے دوبارہ حرکت شروع کی تو مالک نے اسے فوراً ذبح کر دیا، ذبح کرنے کے بعد وہ جانور حرکت تو نہیں کرتا لیکن اس کا خون پھوارے کی طرح نکلتا ہے، آپ سے استدعا ہے کہ از روئے شریعت مسئلہ مذکورہ کے متعلق بتائیں کہ مذکورہ جانور حلال ہے یا حرام احقر از حد ممنون ہو گا۔

فقط والسلام

احقر العباد محمد شریف امام مسجد چاہ عاشق خاں داخلی چک قدرت اللہ ڈاکخانہ چک بیدی تحصیل پاکپتن شریف ضلع ساہیوال





ایسی صورت میں اگر خون اس طرح نکلے جیسے زندہ جانور کے ذبح کرنے کے وقت نکلتا ہے تو حلال ہے، در المختار کے متن و شرح میں ہے (ذبح شاۃ) مریضۃ (فتحرکت او خرج الدم حلت) شامی میں ہے ای کما یخرج من الحی الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال بقلم خود

۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ
۷۱-۵-۱۰



الاستفتاء

(کرسٹین سینڈ)

گرامی القدر حضرت مولانا نوراللہ صاحب

السلام علیکم، مزاج گرامی! خیریت بخیریت۔

ہم یہاں تقریباً چار ہزار کے قریب پاکستانی ہیں، خاص کر گوشت کے معاملہ میں ہمیں یہاں گوناگوں مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ یہاں پر حلال وحرام کی تمیز نہیں، یہاں کی تقریباً ۱۰۰% آبادی سوٴر کا گوشت کھاتی ہے اس لئے ہمیں خاص طور پر محتاط رہنا پڑتا ہے، پہلے تو ہم صرف مچھلی پر گزارہ کرتے تھے لیکن اب تقریباً چار ماہ پہلے اوسلو (صدر مقام) (OSLO) میں ایک دکان پاکستانیوں نے کھولی ہے جس میں حلال گوشت کا انتظام ہے لیکن یہ حلال گوشت اس طرز پر ہے کہ انکو اجازت نہیں ہے کہ جانور کو باہوش حلال کریں بلکہ یہاں کے رواج کے مطابق اس کے سر پہ لوہے کا ہتھوڑا جو کہ اوپر رسی کے ذریعے لٹک رہا ہوتا ہے، جانور کو عین وسط میں کھڑا کر دیا جاتا ہے اور رسی کھول دی جاتی ہے اور وہ ہتھوڑا اچانک جانور کے سر پر آلگتا ہے جس سے وہ بے ہوش ہوجاتا ہے، اس کے بعد اس کو حلال کرنے کی اجازت دیتے ہیں، وہاں اوسلو میں کوئی مولوی صاحب ہیں، انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ مجبوری کی حالت میں جائز ہے لیکن یہاں ایک صاحب ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ یہ جائز نہیں، اب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے، اوسلو (صدر مقام) یہاں سے ۳۲۷ کلومیٹر ہے، میں ان صاحب کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا جنہوں نے اس کو مجبوری کی حالت میں جائز قرار دیا ہے، آپ براہِ کرم اس معاملہ میں ہمیں صحیح



جائز اور ناجائز سے مطلع فرمائیں، فقط والسلام۔

ناچیز قادر بخش QADIR BUKHSH
HOLBBRG GATA 41
4600 KRISTIAN SAND 5
NORWAY





اگر وہ جانور بیہوش ہو جانے کے بعد زندہ رہ جاتا ہو اور زندگی ہی میں شریعت کے مطابق ذبح کیا جاتا ہو تو اس کا گوشت حلال ہے اور کھانا بلاشبہ جائز ہے اور اگر ذبح کرنے سے پہلے ہی مر گیا تو ذبح کرنے پر حلال نہیں ہو سکتا، یہ مسئلہ قرآنِ کریم میں صراحۃً موجود ہے، دیکھئے پارہ ششم سورۃ المائدہ شریف کی تیسری آیت میں ہے والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم یعنی حرام جانوروں میں یہ بھی داخل ہیں المنخنقۃ یعنی وہ جانور جو گلا گھوٹنے سے مرے اور الموقوذہ یعنی وہ جو بے دھار کی چیز سے مارا ہو الا ما ذکیتم مگر جنہیں تم ذبح کر لو، تو اس طریقہ سے بیہوش کیا ہوا جانور الموقوذہ ہے اور شرعاً ذبح کی شرط ہے کہ جانور زندہ ہو۔

بہر حال یہ مسئلہ بڑا واضح اور صاف ہے اور ہمارے مشائخ کرام نے بھی نہایت صاف طور پر بیان فرمایا ہے، فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۳۷ میں ہے المتردیۃ والمنخنقۃ والموقوذۃ والشاۃ المریضۃ والنطیحۃ ومشقوقۃ



البطن اذا ذبحت (الی ان قالوا) تحل بالذبح سواء عاش او لایعیش عند ابی حنیفۃ وھو الصحیح وعلیہ الفتویٰ کذا فی محیط السرخسی

اور یونہی شامی ج۵ ص ۲۶۹ اور ج ۵ ص ۲۱۶ میں ہے اور یونہی فتاویٰ عالمگیری ج۴ ص ۱۴۷ میں کافی سے بھی ہے اور معتبر کتب شرعیہ فقہیہ میں بھی یونہی ہے۔

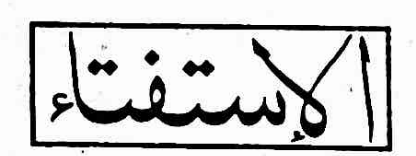
باقی رہا وہاں دوسرے صاحب کا یہ کہنا یہ جائز نہیں تو اس کا مطلب ظاہر ہے کہ جانور کو ہتھوڑا مار کر بیہوش کرنے کے متعلق ہے کہ یہ جائز نہیں اور پہلے مولوی صاحب کا یہ فتویٰ کہ مجبوری کی حالت میں جائز ہے، ان کا بھی یہی مطلب ہے کہ جب حکومت کا قانون ہے تو ہمیں مجبوراً یوں کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال اس گوشت کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں جبکہ حلال قسم کے جانور کو بیہوش ہونے کے بعد زندگی میں ہی ذبح کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۹ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ ۱۷.۷.۷۷





کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں :-

سوال (۱) : ذبح فوق العقدہ کے بارے میں بہت جھگڑا ہے، اس میں مفتی بہ قول معہ ادلہ تحریر فرما کر ثواب حاصل کریں۔

(۲) کوا حلال ہے یا کہ حرام؟ واضح طور پہ تحریر فرمادیں۔

۳، طوطا حلال ہے یا کہ حرام؟

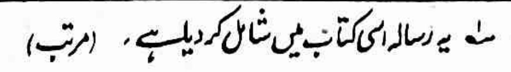
السائل : نعمت اللہ بمقام فتح پور ڈاک خانہ خاص تحصیل لیہ ضلع مظفرگڑھ

بمعرفت مولوی محمد اسحاق صاحب



۱ اگر تین رگیں ان چار سے کٹ جائیں جن کا ذبح میں کٹنا ہوتا ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں، یہ علامہ شامی وغیرہ نے قولِ فیصل کے رنگ میں لکھا ہے لہذا ذبیحہ ماہر کو دکھا کر عمل کیا جائے یا مشاہدہ پر عمل ہو، شامی ج۵ ص۲۵۷ میں ہے اقول والتحریر للمقام أن يقال إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق فالحق ما قاله شراح الهداية تبعا للرستغفني (أي الحل) وإلا فالحق خلافه إذ لم يوجد شرط الحل باتفاق أهل المذهب ويظهر ذلك بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة فاغتنم هذا المقال ودع عنك الجدال انتهى وأقره العلامة الرافعي في التحرير المختار۔

۲ : مکروہ تحریمی ہے، تفصیل کے لئے فقیر کا رسالہ "حرمتِ زاغ"[1] دیکھیں جو دفتر انجمن حزب الرحمٰن شعبہ تبلیغ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور سے دو آنہ میں ملتا ہے، بیس نئے پیسے کے ٹکٹ ارسال کر کے منگوا سکتے ہیں (مع ڈاک خرچ)۔


[1] یہ رسالہ اسی کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ (مرتب)



۳: ہاں حلال ہے کما فی المیزان الشعرانی ج ۲ ص ۶۲ و رحمۃ الامۃ ج ۱ ص ۱۷۱ علی حاشیۃ المیزان، فتاویٰ برہنہ ج ۲ ص ۵۲ احلال جانوروں کے بیان میں ہے وہمچنیں طوطی وعلیہ الفتویٰ، اور یہی قواعد و تصریحات کتب مذہب کا تقاضا ہے والتفصیل فی الفتاویٰ النوریۃ (قلمی مسودہ) ج ۱ ص ۱۶۰ و ۱۶۱ ۔ [1]

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وبارک وسلم ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۲ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ   6.12.65



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک بلی نے ایک مرغی کو سر سے پکڑ کر مضروب کر دیا، مالک مسمی احمد یار نے بلی سے مرغی کو چھین کر مسمی گانمہ کے حوالے کی جو اس وقت وہاں موجود تھا اور خود چھری تلاش کرنے کے لئے اندر دوڑا، مسمی گانمہ بھی مرغی کو لے کر اندر پہنچا، جب احمد یار چھری تلاش کر کے مرغی کے پاس پہنچا تو مرغی حرکت کرنے سے بند ہو چکی تھی اور گانمہ اسے زمین پر پھینک چکا تھا، گانمہ نے کہا کہ مرغی مر چکی ہے۔ احمد یار نے کہا نہیں ہے مری نہیں ابھی اور چھری مرغی کی گردن پر چلا دی، خون بغیر حرکت کئے تقریباً

---

[1] یہ تمام فتوے اسی باب میں شامل کر دیے گئے ہیں ۔ (مرتب)

چھٹانک ڈیڑھ چھٹانک کے برابر بہہ گیا، خون کا رنگ تقریباً سرخی اور سیاہی کے بین بین تھا، اس کے علاوہ مرغی نے کوئی حرکت نہیں کی، صرف ایک چیز ظاہری مرغی نے بیٹھ یعنی (پاخانہ) باحرکت نکالی، کیا بیٹ کا نکلنا آثارِ زندگی میں شامل ہے، مندرجہ بالا حالات کے ماتحت مرغی حلال ہے یا حرام؟

۲۔ یہی مرغی چند مسلمانوں کے منع کرنے کے باوجود مالک احمد یار نے پکا کر کھائی، مرغی حرام ہے تو کھانیوالے کے لئے شرعاً کیا تعزیر ہے؟ جواب مع حوالہ کتب شرعیہ آیاتِ قرآنی و حدیث پاک عربی عبارات با ترجمہ ہونا چاہیے؟ بینوا و توجروا۔

العارض: عبدالمجید، مدرس پرائمری سکول سیٹھیا نوالہ سنسر ٹنوال کوٹ تحصیل لیہ ضلع مظفر گڑھ





۱۔ ظاہر سوال یہ ہے کہ بلی نے مرغی کو سر سے پکڑا اور گردن کو نہیں پکڑا اور رگیں نہیں کاٹیں، اگر یہ صورت ہے اور خون تیزی سے زندہ کی طرح نکلا تو حلال ہے اور اگر تیزی اور دھار سے نہیں نکلا تو زندگی کی دلیل نہیں، شامی ج ۵ ص ۲۶۹، فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۳۰۷ میں ہے والنظم من الشامی قال فی البزازیة وفی شرح الطحاوی خروج الدم لا یدل علی الحیٰوة الا اذا کان یخرج کما یخرج من الحی عند الامام وھو ظاھر الروایة اور پاخانہ کا نکلنا استرخائے موت سے بھی ہو سکتا ہے لہذا اگر بلی نے سر نہیں کاٹا اور شہ رگ بھی نہیں کاٹی اور خون تیزی اور دھار سے نکلا جیسے زندہ ذبح کرنے سے نکلتا



ہے تو حلال ہے ورنہ مشکل ہے۔

۲۔ اگر مالک نے حرام شدہ مرغی کھالی تو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا، سزا کا مستحق ہے جو حاکم شرع مناسب طریق پر لگا سکتا ہے۔ آپ لوگ اپنے اخلاق اور دباؤ سے اسے مجبور کر سکتے ہیں کہ غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ کرے، قرآن کریم میں ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الآیۃ اور حدیث پاک میں ہے من رأی منکم منکرا فلیغیرہ الحدیث رواہ مسلم۔[۵]

مجھے ترجموں کے لکھنے کی فرصت نہیں، مسئلہ لکھ دیا ہے اور زیادہ سمجھنا ہو تو یہاں تشریف لائیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعلیٰ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بقلم خود

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ ۳/۶/۷۴





الاستفتاء

میں مسمیٰ ارشد مسیح اچانک یوسف مستری کی دکان پر گیا۔ وہاں ایک بکری بیمار قریب المرگ تھی اور کوئی بھی ذبح کرنے والا نہیں تھا۔ اہل خانہ میں سے ماسوائے ایک عورت کے کوئی بھی نہ تھا۔ عورت کے مجبور کرنے پر میں نے اپنے مذہب کے مطابق یہ الفاظ پڑھے اور ذبح کیا "باپ بیٹے روح القدس کے نام پر آمین۔"

---

۵ صحیح مسلم، جلد اول ص۵۱

خداوند کے نام پر میں نے اس کو ذبح کیا"۔ ارشاد مسیح۔

کیا یہ بکری حلال ہے یا حرام ؟

السائل: محمد باغ علی نوری، محمد حسین ۱۹ ۹/۸۰





یہ بکری حلال نہیں ہوئی بلکہ حرام ہے، کیونکہ مسلمان کی ذبح نہیں کی ہوئی بلکہ مرتد کی ذبح کی ہوئی ہے۔ اگر اصل کتابی بھی یوں ذبح کرے تو حرام ہے ۔ وہ باپ بیٹے روح القدس کا نام لے کر ذبح کرتا ہے جو حرام ہے، فتاوٰی عالمگیری ص ۳، منہا ان یکون مسلما اوکتابیا اور یہ جو انگریزوں کے وقت اسلام چھوڑ کر عیسائی بنے، مرتد ہیں، کتابی نہیں کما صرح بہ علمائنا الکرام اور اگر کتابی بھی ہو مگر یہ الفاظ کہہ کے ذبح کرے تو وہ درست نہیں فتاوٰی عالمگیری اسی صفحہ میں ہے انہ سمی المسیح علیہ السلام وحدہ او سمی اللہ سبحانہ وسمی المسیح لا توکل ذبیحتہ نیز اسی صفحہ میں ہے منہا تجرید اسم اللہ تعالیٰ عن غیرہ وان کان اسم النبی علیہ السلام۔ بہرحال ان کفریہ الفاظ سے ذبح کی ہوئی حلال نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ عورت خود ذبح کرتی اللہ کے نام پر تو جائز ہو جاتی کما فی البخاری وغیرہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ



سیدنا محمد و آلہ و صحبہ و بارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہ

۸ ذیقعدۃ المبارکہ ۱۳۸۲ھ - $\frac{۹}{۸۰}$ ۱۹

الاستفتاء

بخدمت اقدس قبلہ وکعبہ سیدی وسندی شیخ المشائخ غوثی وغیاثی جناب فقیہ اعظم دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے بعد مؤدبانہ عرض یہ ہے:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام ان مسائل میں:



۱- شیعہ بدمذہب رافضی کا ذبح کیا ہوا جانور جائز ہے یا نہیں اور اس کی دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۲- ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کے ورثاء میں ایک لڑکی اور تین لڑکے اور چار حقیقی بھائی ہیں۔ ترکہ از روئے شرع کس طرح تقسیم کیا جائے۔

۳- غلام فرید نے اپنے دس مربع زمین محمد رمضان کے پاس دس ہزار روپے کے عوض رکھی، اس شرط پر کہ جب دس ہزار روپے دے گا وہ اپنی زمین چھڑا لے گا۔ اس عرصہ میں جو زمین سے آمدنی ہوگی وہ محمد رمضان کی ہوگی۔ کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے؟

۴- زید اعتکاف کی حالت میں حقہ نوشی کے لیے مسجد سے باہر گیا، کیا اس کا اعتکاف ٹوٹا یا نہیں؟ مولوی رشید احمد اپنے فتاوی میں لکھتا ہے کہ معتکف باہر جاکر حقہ پی سکتا ہے

۵۔ بکر نے روزہ کی حالت میں عمداً حقہ نوشی کی، کیا اس پر قضا ہے یا کفارہ؟
مولوی عبدالحی اپنے فتاوٰی میں لکھتا ہے صرف قضا ہے کفارہ نہیں۔
مہربانی فرما کر ان سوالات کا جواب قرآن وحدیث وفقہ حنفی کی روشنی
میں دیں۔ آپ کا غلام سائل، الفقیر الحقیر سید محمد عبدالغفار شاہ
تھانہ ساہوکا، تحصیل بورے والا۔ مورخہ ۸





۱۔ جب زید بدمذہب ہے، رافضی ہے تو دریافت کرنے کی کیا ضرورت؟
ایسے شخصوں سے ایمان ہی مجبور کرتا ہے کہ پرہیز کی جائے اور رافضی تبرائی ہوتے
ہیں جو کفر کی حد تک پہنچتے ہیں تو ایسے لوگوں کا ذبیحہ مردار ہے، حرام ہے۔ کما
فی جمیع کتب الفقہ الحنفی من القرآن الکریم والاحادیث
الشریفۃ واللہ اعلم۔

۲۔ اگر صرف یہی وارث ہیں تو شرعاً لڑکی کا ایک حصہ اور تین لڑکوں کے حصے
ہیں۔ یعنی کل مال کے سات حصے بنائے جائیں، ان میں سے ایک لڑکی کا اور دو دو
ہر ایک لڑکے کے صورتہ ھکذا

ایک شخص مسئلہ از (۷)، مع التصحیح

میت

لڑکی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	چار حقیقی بھائی
۱/۷	۲/۷	۲/۷	۲/۷	X X

چاروں بھائی محروم ہیں کہ اولاد ان سے قریب ترین عصبہ ہے کذا



فی الفقہ الحنفی والحدیث والقرآن الکریم واللہ اعلم۔

۳۔ یہ صورت ناجائز ہے کہ یہ قرض منافع کے ساتھ ہے جو ربٰو کی طرح ہے کل قرض جر منفعتہ فھو ربٰو بڑی مشہور حدیث ہے وذا ظاھر جدا واللہ اعلم۔

۴۔ معتکف جب مسجد سے باہر چلا گیا تو اعتکاف حضرت امام اعظم کے نزدیک فاسد ہو گیا جبکہ مخصوص شرعی عذر سے نہ ہو تو اور شرعی عذروں میں حُقہ نوشی نہیں ہے۔ رہا رشید احمد تو وہ وہابی دیوبندی ہے جس کے نزدیک کوا کھانا بھی ثواب ہے۔ ایسے کا کہنا کوئی شرعی دلیل نہیں۔ بڑی باتیں بنانے سے کچھ نہیں بنتا، کسی کتاب مستند میں ہے تو بتائیں عجیب بات ہے، خود ہی مفتی بنتے ہیں اور قرآن و حدیث سے جواب مانگتے ہیں مگر رشید احمد کے قول کو سند بناتے ہیں۔ کوئی ہو، جب بلا دلیل شرعی بات کرے اس کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں کوا کھانا ثواب لکھا، کوئی اور دلیل نہیں فقط رشید احمد لکھا ہے۔

سب کتب فقہ حنفی میں عذر لکھے ہیں۔ وہ دیکھ لیں۔ واللہ اعلم۔

۵۔ اس پر قضا اور کفارہ لازم ہے۔ طحطاوی ج۱، ص۵۰۴ میں ہے لا یبعد لزوم الکفارۃ للنفع والتداوی وکذا الدخان الحادث شیء به وابتدع بھذا الزمان۔ شامی ج ۲ ص ۴۳۲ میں حضرت شیخ شرنبلالی کی شرح وہبانیہ سے ہے ویلزمہ التکفیر لوظن نافعا۔ کذا دافعا شھوات بطن فقررا۔ مولانا عبد الحی کا بلا دلیل لکھنا بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ وہ سراج منیر کا حوالہ دیتے ہیں جس میں "لا یتغذی به عادۃ" لکھا ہے۔ حالانکہ حُقہ بھی عادۃً پیا جاتا ہے تو اس دلیل کا تقاضا بھی ہے کہ کفارہ پڑے۔



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علیٰ حبیبہ
وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارك وسلم

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
المہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال
۲ ربیع المظفر ۱۴۰۱ھ ۸۰ - ۱۲ - ۱۱

الاستفتاء

بخدمت جناب محترم مرشدی واستاذی جناب فقیہ اعظم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ؛ معروض بار بعد ازیں صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک بھینس گبھن یعنی حاملہ بقضائے الٰہی قریب المرگ ہوگئی، مالک نے ذبح کردی اور اس بھینس مذکورہ کا گوشت و پوست بانٹ دیا، بعد ازیں ایک مولوی صاحب نے یہ فرمایا کہ اس بھینس کا گوشت حرام ہے کیونکہ اس کے پیٹ سے بچہ مرا ہوا نکلا ہے، یہ بالکل حرام ہے۔ اس مسئلہ میں بہت جھگڑا ہو گیا ہے۔ آپ جناب پوری پوری تشفی فرما کر مطمئن کردیں، نہبت نوازش ہوگی۔

آپ کا خادم : بندہ فضل الحق بقلم خود چک جعفر علی شاہ ۲۸ ۲۸





اگر مالک مسلمان ہے اور اس نے بھینس زندہ کو ذبح کیا ہے اللہ تعالیٰ کے



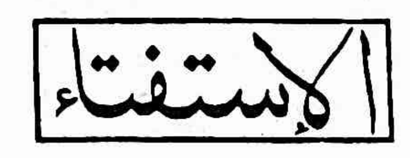
نام پر تو وہ حلال ہے، قرآنِ کریم میں واضح فرمان ہے فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بایٰتہ مؤمنین پ ۸ ع ۱ آیت ۱۱۸ یعنی اگر اللہ تعالےٰ کی آیتیں مانتے ہو تو کھاؤ ان جانوروں سے جو اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے، اور اگلی آیت میں ہے وما لکم الا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم الاٰیۃ یعنی تمہیں کیا ہوا کہ اس جانور سے نہ کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور یونہی بکثرت حدیثیں ہیں اور کتبِ فقہ میں حلال لکھا ہے، فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۲۸۷ میں ہے واذا علمت حیٰوتہا یقیناً وقت الذبح اکلت بکل حال یعنی جب جانور مریض کی زندگانی یقیناً معلوم ہو ذبح کے وقت تو وہ ہر حال میں حلال ہے، کھایا جائے، تو واضح ہوا کہ اس مولوی صاحب سے غلطی ہوگئی ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ حاملہ جانور کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ نکلے تو وہ بچہ حرام ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے نام پر چھری چلی نہیں تو یہ اور مسئلہ ہے نہ کہ ماں حرام ہوگئی۔ اس مولوی صاحب سے مطالبہ کریں کہ دلیل لاؤ، حرام کہنا سخت گناہ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلیٰ الہ واصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۹۸ھ ۲۸ ۲/۷۸





محترم جناب مفتی صاحب

السلام علیکم، مزاج گرامی! حسب الحکم حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی ایک



مسئلہ حاضرِ خدمت ہے، امید ہے کہ جلدی جواب سے نوازیں گے۔
مرغیاں ذبح کرکے پر اتارنے کے لئے سخت گرم پانی میں ڈالتے ہیں، انتڑیاں وغیرہ سب اس کے پیٹ میں ہی ہوتی ہیں، کیا اس سے مرغی مکروہ ہوجاتی ہے؟ اسکو کھایا جانے یا نہیں، تفصیل کے ساتھ جلد ہی تحریر فرمادیں، نیز صحت کے متعلق بھی تحریر فرمائیں۔

نقط والسلام
حبیب الرحمٰن قریشی از جہلم





بعض صورتوں میں پاک تو بلا کراہت جائز اور بعض میں پلید تو ناجائز ہے،
دار العلوم کا اجلاس دستار بندی کل صبح شروع ہو رہا ہے، مہمان آرہے ہیں لہٰذا تفصیل خود حضرت قاضی[1] صاحب مدظلہم کتب مندرجہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔
فتح القدیر ج ا ص ۱۸۶، غنیۃ المستملی ص ۲۰۵، بحر الرائق ج ا ص ۲۳۹، مراقی الفلاح اور حاشیۂ طحطاویہ ص ۹۲، در المختار اور حاشیۂ شامیہ ج ا ص ۳۰۹، حاشیۂ طحطاویہ ج ا ص ۱۶۳ نیز حاشیۂ طحطاویہ ج ا ص ۱۶۴ کا ارشاد فالاولی قبل وضعہا فی الماء المسخن ان یخرج ما فی جوفہا و یغسل محل الذبح مما علیہ من دم مسفوح تجمد بھی قابلِ غور ہے اور مفید۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاکرم وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حضرتِ قاضی صاحب قبلہ سے بعد از سلام محبت و نیاز معروض کہ صحت

---

[1] حضرت علامہ قاضی غلام محمود ہزاروی علیہ الرحمہ جو ان دنوں جہلم میں قیام پذیر تھے۔ (مرتب)



بفضلہ وکرمہ تعالے بہت اچھی ہے البتہ اجلاس دستار بندی کی وجہ سے فرصت اور کم ہو گئی ہے۔ بیرونِ ملک مبارک کام کا دورہ مبارک ہو۔

فتاوی نوریہ چونکہ غیر مطبوع اور صرف ایک ایک نسخہ ہی ہے لہذا باہر بھیجنا مشکل ہے، امید کہ معذور القصور فرمائیں گے۔ رقعہ مرسلہ جوابی لفافہ دفتر دار العلوم میں محفوظ ہے، ضرورت کے وقت ان شاء اللہ تعالے استعمال ہو گا، ہاں ابھی خیال آیا کہ چونکہ آپ بیرونِ ملک تشریف لیجا رہے ہیں اور واپسی کی تاریخ معلوم نہیں لہذا واپس بھیج رہا ہوں۔

والسلام مع الاکرام

دعاگو:

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ شعبان المکرم ۱۳۹۱ھ ۱۰۰۷۱ ۳۰



الاستفتاء

میں نے آج ہی سنا ہے کہ انڈا عورت نہیں توڑ سکتی اور آدمی انڈہ توڑتے وقت تکبیر نہ پڑھے تو وہ کھانا جائز نہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟ تکلیف کا شکریہ!

جہاں خاں اسٹیشن ماسٹر از اسٹیشن بصیر پور ۲۸/۸/۶۸



وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : یہ محض جہلاء کا افتراء ہے کہ انڈے کو جانور



کا حکم دیتے ہوئے تکبیر اور وہ بھی مرد کی زبان سے ضروری تصور کرتے ہیں پھر خود ہی اسکا خلاف بھی کرتے ہیں ورنہ دھاردار آلہ اور رگوں کا کاٹنا بھی شرط کرتے، انڈا عقلاً عرفاً شرعاً بے جان شے ہے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے تخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی (پارہ سوم) اس بے جان سے انڈا بمع غیر مراد ہے اور بے جان کے لئے ذبح نہیں، تو تکبیر ضروری نہ رہی اور یہ بھی افترا جہال ہے کہ عورت کا ذبح جائز نہیں، کتبِ فقہیہ اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث شریف سے ثابت ہے اور ثابت بھی نہایت نمایاں طور پر ہے کہ عورت ایماندار باقاعدہ ذبح کرے تو جائز ہے، صحیح بخاری شریف ج۲ ص ۸۲۷ وغیرہ میں بھی کافی حدیثیں موجود ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۲ شوال المکرم ۱۳۶۷ھ





حلال و حرام جانور

باب ما یحلّ اکلہ وما لا یحلّ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں کہ زید امام مسجد نے طوطا کو حلال سمجھتے ہوئے کھالیا، اب گاؤں والے کہتے ہیں، چونکہ طوطا حرام ہے لہذا زید کی امامت جائز نہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ طوطا پنجے سے کھاتا ہے اور جو پنجے سے کھائے وہ حرام ہے اور دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم نے حلال سنا ہی نہیں، تو کیا طوطا واقعی حرام ہے اور زید کی امامت جائز نہیں۔ بینوا توجروا۔

سائل: ولی محمد از مہریجے ضلع عظمگڑھ



قواعد وضوابطِ شریعتِ غرا کی رُو سے طوطا حلال ہے کہ ایسا پرندہ جس میں بہنے والا خون ہو اس کی حرمت ان دو چیزوں سے ثابت ہوتی ہے چنگل سے شکار کرنا یا مردار خور ہونا، فتاوٰی عالمگیری ص ۵۷ ج ۴ ما لہ دم سائل کے بیان میں ہے و کل ذی



مخلب من الطیر، نیز اسی میں ہے وکل ذی مخلب من الطیر و ما اکل الجیف وبہ ناخذ ونحوہ فی الخانیۃ ص ۳۵۲ ج ۴ والدر المختار وردالمحتار للشامی ص ۲۶۵، ۲۶۶ ج ۵ وتکملۃ البحر ج ۸ ص ۱۷۱، ۱۷۲ ورمز الحقائق ص ۳۴۶ وھو المفھوم من المتون الموضوعۃ لنقل المذاھب کالکنز وغیرہ، عنایہ شرح ہدایہ ج ۸ ص ۴۱۹ میں ہے واصل ذٰلک ان کل ما یاکل الجیف فلحمہ نبت من الحرام فیکون خبیثا عادۃ بلکہ ائمہ ثلاثہ امام اعظم، امام شافعی، امام احمد علیہم الرحمہ کا مجمع علیہ مذہب یہی ہے میزان شعرانی ج ۲ ص ۶۱، رحمۃ الامۃ ج ا ص ۱۷۱ میں ہے والنظم من ذی الرحمۃ واتفق الائمۃ الثلاثۃ ابوحنیفۃ والشافعی واحمد علیٰ تحریم ذی مخلب من الطیر یعد وبہ علیٰ غیرہ کالعقاب والصقر والبازی والشاھین وکذا ما لا مخلب لہ الا انہ یاکل الجیف کالنسر الخ اور طوطا نہ چنگل سے شکار کرتا ہے اور نہ مردار خور ہے لہذا حلال ہے، عوام کا کہنا کہ پرندہ پنجہ سے کھانیوالا حرام ہے، محض غلط ہے، وہ بیچارے ذی مخلب کا معنیٰ نہیں سمجھتے، ذی مخلب کا معنیٰ ہے مخلب والا اور مخلب اس دھار دار ناخن کا نام ہے جس کے ساتھ جانور شکار کرتا ہے، صراح ص ۲۷، منتہی الارب ج ا ص ۳۴۸، منتخب اللغات علی الغیاث ص ۴۸۴، غیاث اللغات ص ۴۵۸ میں ہے والنظم من الغیاث مخلب بکسر میم وسکون خائے معجمہ وفتح لام وبائے موحدہ چنگال مرغِ شکاری الخ

ہمارے فقہائے کرام شکر اللہ تعالیٰ مساعیہم الجمیلہ نے ایسے بہترین انداز سے مسائلِ شرعیہ کا بیان فرما دیا کہ بفضلہ تعالیٰ ادنیٰ فہمِ مستقیم والا بھی نہیں بہک سکتا، ذو مخلب کی تفسیر درالمختار وقریہ الشامی ج ۵ ص ۲۶۵، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۰۴ میں ہے والنظم من الدر یصید بمخلبہ ونحوہ فی مجمع البحار ج ا ص ۳۶۳۔ رمز الحقائق ص ۳۴۶، تکملۃ البحر ج ۸ ص ۱۷۱ میں ہے والمراد



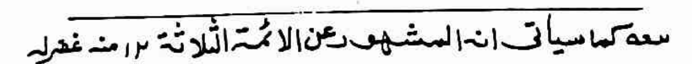


بذی مخلب مالہ مخلب ھو سلاح لہ و نحوہ فی المغرب ج ۱ ص ۱۶۳
شرح الوقایہ ج ۴ ص ۳۳۵، فتاوی قاضیخان ج ۴ ص ۱۵۷، مبسوط امام سرخسی ج ۱۱
ص ۲۰۳ میں ہے النظم من الشرح ذو المخلب طائر یختطف بالمخلب
اور مبسوط ج ۱۱ ص ۲۲۵، کفایہ ص ۱۸۴، عنایہ ۱۸۴ میں ہے والمراد بالمختطف
ما یختطف بمخلبہ من الھواء کالبازی والعقاب والشاھین،
رمز الحقائق ص ۳۴۶، تکملۃ البحر ج ۸ ص ۱۷۱، ہدایہ ج ۴ ص ۳۷۲، شامی ج ۵ ص ۲۶۵
میں ہے والنظم من الرمز ان المراد بذی مخلب ھو سباع الطیر
و مثلہ فی دستور العلماء ج ۳ ص ۲۳۱ اور سبع کی تعریف ہدایہ ج ۴ ص ۳۷۲،
دستور العلماء ج ۳ ص ۲۳۲، شامی ج ۵ ص ۲۶۵ میں ہے والنظم من الھدایۃ
والسبع کل مختطف منتھب جارح قاتل عادۃ۔ فتاوی قاضیخان ج ۴
ص ۱۵۷، فتاوی عالمگیر ج ۴ ص ۵۷، والنظم للامام والطیر الذی لیس لہ
مخلب کالدجاج والحمام الخ۔



بہر ظاہر کہ مرغی، کبوتر وغیرہ کا پنجہ ضرور ہے مگر اس سے شکار نہیں کرتے لہذا ذی مخلب نہ ہوئے اور اگر عموم المجاز سے مخلب کا معنی پنجہ لیا جائے تب بھی مدعا ثابت کہ مشائخ کرام نے تفسیرات مذکورہ سے مقید فرما دیا اور ہدایہ ج ۴ ص ۳۷۳ کفایہ ج ۸ ص ۱۸۴، تکملۃ البحر ج ۸ ص ۱۷۱، رمز الحقائق ص ۳۴۶، دستور العلماء ج ۳ ص ۲۳۲ میں ہے والنظم من الرمز و التکملۃ المراد بذی مخلب ھو سباع الطیر لا کل مالہ مخلب۔

رہا ان عوام کا حلال نہ سننا تو یہ کوئی دلیل نہیں، ان بیچاروں نے تو بہت سے فرائض کا نام نہیں سنا ہوا، تو کیا وہ فرائض فرائض نہ ہونگے اور ہم نے تو بہت سے عوام سے سنا ہے[للعہ] کہ طوطا حلال ہے، عام عوام کی رسائی "انواع مولانا بارک اللہ


سعہ کما سیاتی انہ المشھور عن الائمۃ الثلاثۃ ۱۲ منہ غفرلہ

تک ہے اور اس میں حلال لکھا ہے۔

فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۵، حلال جانوروں کے بیان میں ہے الحمام اور در المختار ص ۲۶۵، کفایہ ج ۸ ۴۱ میں ہے کالحمامۃ اور عربی میں حمام وحمامہ کبوتر اور ہر طوق دار پرندے کو کہتے ہیں۔ منتخب اللغات مع الغیاث ص ۴۳ ۱۲، غیاث اللغات بحوالہ منتخب اللغات وکنز وکشف وشرح نصاب وبحر الجواہر، زبدۃ الفوائد ص ۱۷۷ و ۱۷۸، منتھی الارب ج ۱ ص ۲۴۹، صراح ص ۴۶۶ میں ہے والنظم من الغیاث حمامہ بفتح کبوتر وقمری وفاختہ وہر مرغ طوق دار، اور طوطا بھی طوق دار ہے تو حلال ہوا، فتاوٰی برہنہ ج ۲ ص ۱۵۲ میں حلال جانوروں کے بیان میں ہے وہمچنیں ہر طوق دار کما فی خزانۃ المفتیین بلکہ صریح طوطے کی تصریح بھی اسی صفحہ میں ہے" وہمچنیں طوطی وعلیہ الفتوٰی، بلکہ ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے ساتھ



ائمہ اربعہ سے حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل علیہما الرحمۃ بھی متفق ہیں بلکہ ایک قول میں امام شافعی بھی متفق ہیں، میزان شعرانی ج ۲ ص ۶۲، رحمۃ الامہ ج ۱ ص ۱۷۱ میں ہے والنظم من المیزان من ذلک قول الائمۃ الثلاثۃ فی المشھور عنھم انہ لا کراھۃ فیما نھی عن قتلہ کالخطاف (الی ان قال) والببغاء کما فی الغیاث والصراح ومنتھی الارب و منتخب اللغات والطاؤس مع قول الامام الشافعی فی ارجح القولین انہ حرام ای والقول الاخر انہ حلال وکذا عد فی کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ الببغاء فی الطیور الحلال فی ج ۲ ص ۲ عند الائمۃ الثلاثۃ، اور جب طوطا حلال ہے تو زید بیچارے کا کیا جرم کہ اسے امامت سے روکا جائے۔

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ



تعالٰی علٰی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۶۸ھ ۲۳ ۱/۴۹

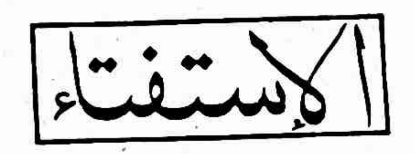
ذلک کذلک وانا مصدق لذلک

الفقیر زبیر احمد غفرلہ اللہ الاحد

ھٰذا الجواب عین الصواب والمجیب بفضل اللہ مصیب ومثاب۔

ابوالضیاء محمد باقر النوری القادری الاشرفی
مدرس دارالعلوم ھذا





کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین دریں مسئلہ آیا طوطا حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔



طوطا حلال ہے، قرآن کریم میں ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا اور یہی احادیث شریفہ اور قواعد وضوابط شرعیہ سے ثابت ہے اور پھر اس کی



صاف صاف تصریح ہے میزانِ شعرانی ج ۲ ص ۶۲ اور رحمۃ الامہ ج ۱ ص ۱۷۱ میں ہے والببغاء یعنی طوطا حلال ہے، فتاوٰی برہنہ ج ۲ ص ۱۵۲ میں ہے "وہمچنیں طوطا وعلیہ الفتوٰی"

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومحبوبنا الاعظم وعلی آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ ۱۴ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ ۳۰.۵.۶۹

الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ و کعبہ حضرت مولانا فقیہ اعظم مدظلکم

بعد از آداب عرض ہے، مزاج شریف!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! یہاں موضع کھجور والا میں دو آدمیوں کے درمیان طوطا کے متعلق جھگڑا ہے، ایک شخص کہتا ہے کہ طوطا ذبح کر کے کھانا حرام ہے لیکن دوسرا شخص دعوٰی کرتا ہے کہ طوطا کھانا حلال ہے، از راہِ کرم نوازی اس مسئلہ سے مطلع فرمائیں، مہربانی ہوگی، تحریری جواب لکھ بھیجیں۔

محمد شریف بقلم خود



جناب سردار صاحب زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔ مزاجِ گرامی!



طوطا شرعاً حلال ہے، فتاوی برہنہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور قواعدِ مذہبیہ سے بھی یہی ثابت ہے، پنجہ سے شکار کرنے والا پرندہ حلال نہیں مگر طوطا شکار نہیں کرتا اور حلال ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الانور وآلہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ از بصیرپور

۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ ۱۸ $\frac{۸}{۷۱}$





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ طوطا حلال ہے یا حرام؟

سائل: شیخ غلام محی الدین از منڈی بصیرپور $\frac{۶}{۶۴}$ ۴



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الجواب
اللھم اجعل لی النور والصواب

طوطا، قواعد وضوابطِ شریعتِ پاک کے رو سے بلاشبہ حلال ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور بکثرت دیگر ائمہ کرام کے نزدیک بھی حلال ہے، میزانِ شعرانی ج ۲ ص ۶۲، رحمۃ الامہ ج ا ص ۱۷۱ میں ہے والنظم من المیزان



من ذلك قول الائمة الثلاثة فی المشهور عنهم انه لاکراهة فیما نهی عن قتله کالخطاف (الی ان قال) والببغاء[1]۔ فتاویٰ بریہ ج ۲ ص ۱۵۲ میں ہے " وہمچنیں طوطی وعلیہ الفتویٰ " بلکہ فقہ کی مشہور پنجابی کتاب انواع بارک اللہ " کے ص ۳۸۵ میں بھی جائز لکھا ہے اور یہ بڑا مشہور مسئلہ ہے کہ طوطا حلال ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ یہ مختصر جواب ہے اور پوری تفصیل فتاویٰ نوریہ میں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۳۰-۶-۶۴



---

[1] طوطا ۱۲ غیاث وغیرہ منہ



حُرمتِ زاغ

مسمّٰی بہ اسم تاریخی

الجواب لایحل کباب الغراب

۱ ۳ ھ ۸ ۱

تعارف



کوا ایک موذی اور خبیث جانور ہے۔ جس کا کھانا حرام ہے احادیث مبارکہ سے یہی ثابت ہے اور اسی پر امت کا عمل ہے ـــــ مگر بعض لوگوں نے نہ صرف اسے حلال کہا بلکہ اس کا گوشت کھانا باعث ثواب قرار دیا۔

قیام پاکستان کے بعد جب مفتی محمد شفیع صاحب اور احتشام الحق تھانوی صاحب نے کوے کی حلت کے بارے میں فتویٰ صادر کیا تو کراچی سے آمدہ ایک استفتاء کے جواب میں حضرت فقیہ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۳۸۱ھ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کے دو تاریخی نام **الجواب لا یحل کیاب الغراب** اور "باب غراب البقع" تجویز فرمائے۔ یہ رسالہ جمعیت عالیہ اسلامیہ لاہور کی جانب سے ۱۳۸۱ھ میں "حرمت زاغ" کے نام سے شائع ہو کر ملک کے طول و عرض میں پھیلا اور بنظر استحسان دیکھا گیا۔

یہ مسئلہ دوبارہ اس وقت موضوع بحث بنا جب دیوبند مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے جمعیت علماء اسلام ہزاروی گروپ کے چند علماء نے کوا حلال ہونے کا فتویٰ دیا اور اس کا عملی ثبوت پیش کرتے ہوئے کوے کی دعوت سے لطف اندوز بھی ہوئے (تفصیل کے لئے ۷/ اگست ۱۹۷۸ء کا روزنامہ نوائے وقت لاہور ملاحظہ ہو۔)



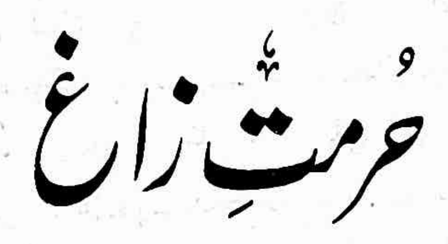
اس موقع پر مسئلے کی شرعی نوعیت سے آگاہی کے لئے ہم نے انجمن حزب الرحمن شعبہ تبلیغ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور کے ماہانہ جریدے "نورالحبیب" میں اشاعت کا ارادہ کیا تو حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے ہماری درخواست پر اس میں قابل قدر اضافہ فرمایا جو شوال ۱۳۹۶ھ / اکتوبر ۱۹۷۶ء کے "نورالحبیب" میں تاریخ اشاعت کی مناسبت سے "کوا کا خبث و فسق" (۱۳۹۶) کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہاں یہی اضافہ شدہ فتویٰ شامل کیا جارہا ہے۔

(مرتب)

---OO---









الاستفتاء

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

۱: ہمارے علاقہ میں چند لوگوں نے کوّا کھالیا ہے، ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

۲: کوّا کھانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

نوٹ: سائل نے استفتاء سے الگ ایک اور چٹھی میں لکھا کہ مولانا احتشام الحق صاحب اور مولانا محمد شفیع صاحب نے بھی شہری کوّے کو عقعق بنایا ہے اور جائز بتایا ہے۔

نوٹ: سائل کی چٹھی سے واضح ہے کہ یہ سوال اس کوّے سے متعلق ہے جو ہمارے ملک میں بکثرت پایا جاتا ہے اور کائیں کائیں کرتا ہے۔

مرسلہ: جناب محمد معین الدین صاحب، کراچی ۱۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ارسل حبیبہ رسولا یحل للمؤمنین الطیبات ویحرم علیھم الخبائث المستخبثت فالخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثت والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات یأمر بقتل الفواسق و منھا الغراب فاجتنبہ الائمۃ والاصحاب ای اجتناب وعاب الاکلۃ المسلمون اشد معاب صلی اللہ تعالی علیہ وعلی الہ الاطہار واصحابہ خیر اصحاب وبارک وسلم ملھم جواب وتحری صواب اما بعد فالجواب





۱: توبہ و استغفار کریں اور آئندہ کسی ایک آدھ مفتی کے بھروسے میں آکر کسی ایسی چیز کو جسے عام مسلمان ناجائز جانتے ہوں، جائز نہ سمجھیں۔

۲- اس کوّے کا کھانا جائز نہیں کیونکہ یہ خبیث ہے حالانکہ ہمارے ہادیٔ برحق حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ خصوصی خداداد شان ہے کہ خبیث چیزوں کو حرام کرنے والے ہیں، قرآن کریم میں ہے و یحرم علیھم الخبائث پ۹ ع ۹ سورۃ الاعراف - یہ ایسی نص جلیل ہے جس سے بالاجماع سب خبیث چیزوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے، شامی ص ۲۰۶ ج ۵ میں ہے قال فی معراج الدرایۃ اجمع

العلماء علیٰ ان المستخبثات حرام بالنص وھو قولہ تعالیٰ ویحرم علیھم الخبائث، اور اس کوے کا خبیث ہونا حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصوصی صریح ارشادِ پاک سے ثابت ہے جس کو ائمہ حدیث نے اپنے پُر اعتماد اسنادوں سے بیان فرمایا ہے۔ اتنی حدیث کی مستند کتابوں میں یہ حدیث ہے کہ تمام کا ذکر باعثِ تطویل ہے لہذا صحیح مسلم کی صرف ایک ہی حدیث پر اکتفار ہے۔ صحیح مسلم شریف ص ۳۸۱ ج ۱ میں صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے ہے کہ حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خمس فواسق یقتلن فی الحل والحرم الحیۃ والغراب الابقع الحدیث" یعنی پانچ جانور فاسق[1] (خبیث، گندے) ہیں جو حل اور حرم میں مارے جاتے ہیں، سانپ اور غرابِ ابقع الخ، سننِ بیہقی ص ۳۱۷ ج ۹ میں ہے کہ حضرتِ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا انی لاعجب ممن یاکل الغراب وقد اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قتلہ للمحرم وسماہ فاسقا واللہ ماھو من الطیبٰت یعنی بلا شک میں ضرور تعجب کرتی ہوں ایسے شخص سے جو کوّا کھائے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم (حج کا احرام باندھنے والا جو شکار نہیں کر سکتا) کو اس کے مارنے کی اجازت دی ہے، اس کا نام فاسق (ناپاک) رکھا ہے، اللہ کی قسم وہ طیبات (پاکیزہ وحلال چیزوں) سے نہیں'' نیز بیہقی کے اسی صفحہ اور ابنِ ماجہ ص ۲۴۱ میں حضرتِ



---

[1] اس فسق سے مراد ان جانوروں کا خبیث اور زیادہ ضرر دینے والا ہونا مراد ہے چنانچہ لغتِ حدیث کی نہایت معتمد کتاب نہایہ ج ۳ ص ۲۲۶ میں ہے لخبثھن اور مجمع البحار ص ۸۷ ج ۳ میں ہے اور بحر الرائق ص ۳۳ ج ۳ میں ہے ومعنی الفسق فیہ (الحدیث) خبثھن وکثرۃ الضرر، تیسیر القاری شرح البخاری ص ۱۵۵ ج ۲ میں ہے فاسق غراب ازان ست کہ کاوش مے کند لشت مجروح دواب را" یعنی کوے کا فاسق ہونا یوں ہے کہ چوپائیوں کی زخمی پیٹھوں کو کریدتا رہتا ہے ۱۲ منہ غفرلہٗ



عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے من یأکل الغراب وقد سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسقا واللہ ما ھو من الطیبٰت "یعنی کوا کون کھا سکتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام فاسق رکھا ہے؟ اللہ کی قسم وہ طیبات سے نہیں۔" اور یہ مضمون بیہقی کے اسی صفحہ میں حضرت عروہ بن زبیر (جو جلیل القدر تابعی مجتہد، حضرت ابوبکر صدیق کے نواسے اور ام المؤمنین کے بھانجے اور شاگرد ہیں رضی اللہ عنہم) سے ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ کوا طیبات سے ہے؟ تو فرمایا کیف یکون من الطیبٰت وقد سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفاسق یعنی کوا طیبات سے کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فاسق قرار دیا ہے، اور یونہی سنن بیہقی ص ۳۱۶ ج ۹، ابن ماجہ ص ۲۴۱ میں حضرت امام قاسم (جو حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے اور حضرت صدیقہ کی پاک گود میں تربیت پانیوالے، جوان کے اور دوسرے صحابہ کرام کے شاگرد رشید تابعی جلیل القدر مدینہ منورہ کے سات مشہور ائمہ میں سے ایک ممتاز فرد ہیں (رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین) سے بہ الفاظ متقاربہ ہے کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا ایؤکل الغراب تو فرمایا ومن یاکل الغراب بعد قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسق شلبی علی الزیلعی ص ۲۹۵ ج ۵ میں ہے قال القدوری فی شرحہ والاصل فی تحریم الغراب الابقع والغداف ما روی ھشام بن عروۃ عن ابیہ انہ سئل عن اکل الغراب فقال من یاکل ذلک بعد ان سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسقا یعنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس من الفواسق یقتلن فی الحل والحرم، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام قدوری نے غراب ابقع کی تحریم کا اصل یہ قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فاسق فرمایا ہے لہذا ہمارے فقہائے کرام نے بھی اس کوے کو خبیث و مستخبث قرار دیا ہے، مبسوط ص ۲۲۵ ج ۱۱، فتاوی عالمگیری ص ۲۸۵ ج ۴ میں ہے الغراب الابقع مستخبث طبعا





حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۸۰ ج ۲، ص ۱۸۲ ج ۲ میں بھی بڑی تفصیل سے ہے، ص ۱۸۰ میں فرمایا
و منها الحيوانات المجبولة على ايذاء الناس والاختطاف
منهم و انتهاز الفرص للاغارة عليهم وقبول الهام الشياطين فى
ذلك كالغراب الخ یعنی حرام جانوروں سے وہ جانور بھی ہیں جن کی فطرت ہی
لوگوں کو ستانا اور ان سے چیزیں اچک لیجانا اور ان کے ہر لوٹنے کے مواقع تاڑنا
اور اس بارہ میں شیطانوں کے مشورے اور وسوسے قبول کرنا ہے جیسے کوّا،
ص ۱۸۲ میں فرمایا وسمى بعضها فاسقا فلا يجوز تناوله ويكره ما ياكل
الجيف والنجاسة وكل ما يستخبثه العرب لقوله تعالى ويحرم
عليهم الخبائث یعنی بعض کا نام فاسق رکھا تو ان کا کھانا جائز نہیں اور مکروہ ہیں
وہ جانور جو مردار اور گندگی کھاتے ہیں اور وہ جانور جن کو عرب گندا جانتے ہیں
کیونکہ کلام الٰہی میں ہے ويحرم عليهم الخبائث اور عینی علی الکنز ص ۳۴۶،
در المختار ص ۶۸۲، در المنتقیٰ ص ۵۱۳ ج ۲ میں ہے ملحق بالخبائث
اور اسی خبثِ طبعی کی بنا پر بلا ستائے ستاتا رہتا ہے۔ مبسوط ص ۹۲ ج ۴، ہدایہ
ص ۲۶۲ ج ۱ وغیرہما میں ہے انه يبتدئ بالاذى کہ بے شک یہ کوّا ستانے
میں پہل کرتا ہے۔ زیلعی علی الکنز ص ۲۹۵ ج ۵ میں ہے فصار كسباع الطير
کہ یہ کوّا اپنی مردار خوری کے سبب درندہ پرندوں کی طرح بن گیا ہے، اور فقہائے
کرام نے یہ بھی تصریح فرمادی ہے کہ یہ کوّا مردار کھایا کرتا ہے اور پاک چیز بھی کھایا کرتا
ہے۔ مبسوط ص ۹۲ ج ۴، ہدایہ ص ۲۶۲ ج ۱ میں ہے یاکل الجیف ویخلط
مظاہر حق ص ۳۹۴ ج ۲ میں ہے "وہ کوّا سیاہ و سفید ہے کہ وہ اکثر مردار، نجاست کھاتا
ہے" بلکہ عینی شرح البخاری ص ۸۲ ج ۵، زیلعی علی الکنز ص ۶۶ ج ۲ میں ہے لا يبتدئ
بالاذى الا الغراب الابقع کہ کوّوں کے تمام اقسام میں سے بلا ستائے
غرابِ ابقع کے علاوہ کوئی اور کوّا نہیں ستاتا۔





نووی شرح مسلم ص ۳۸۱ ج ۱ میں ہے فی ظهره و بطنه بیاض اور اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۷۷، ۳ میں ہے "در پشت و شکم وے سفید باشد" یعنی اس کے پیٹ اور پشت پر سفیدی ہوتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے پیٹ اور پیٹھ پر سیاہی ہوتی ہے۔ عینی علی البخاری ص ۸۰ ج ۵ میں ہے الـذی فی بطنه وظهره سـوا د -

ان تصریحات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ اس کے پیٹ اور پیٹھ میں سفیدی ہوتی اور سیاہی بھی ہوتی ہے، شرارتی ہے، ستانے کے بغیر ستاتا رہتا ہے خصوصاً زخمی پشت جانوروں کو اور مرغی وغیرہ کے چھوٹے بچے شکار کیا کرتا ہے حالانکہ یہ صفتیں عقعق میں نہیں پائی جاتیں بلکہ عقعق کو عرفاً غراب (کوا) کہا ہی نہیں جاتا اور عقعق کی آواز عین اور قاف کے مشابہ ہے۔ ہدایہ ص ۲۶۲ ج ۱، غنیۃ ذوی الاحکام ص ۲۵۱ ج ۱ میں ہے انہ لا یسمی غرابا، زیلعی ص ۶۶ ج ۲ میں ہے لا یسمی غرابا عرفا اور طحطاوی علی الدر ص ۲۳۲ ج ۱ اور شامی ص ۲۹۸ ج ۵ و شامی ص ۳۰۰ ج ۲ میں ہے و یعقعق بصوت یشبہ العین و القاف، غایۃ الاوطار ص ۷۷ ا ج ۴ میں ہے، اس کی آواز میں عین اور قاف معلوم ہوتا ہے۔ قاموس اور تاج العروس ص ۱۸ ج ۷ میں ہے یشبہ صوته العین و القاف اذا صات و به سمی لسان العرب ص ۲۶۰ ج ۱۰ میں ہے وصوته العقعقۃ، منتہی الارب میں ہے، آوازش عین و قاف است، نیز شامی ص ۳۰۰ ج ۲، طحطاوی ص ۵۳۲ ج ۱ میں ہے طائر ابیض فیه سواد و بیاض یعنی عقعق سفید پرندہ ہے جس میں سیاہی اور سفیدی ہوتی ہے۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ اس پر سفیدی غالب ہوتی ہے اس لئے ابیض کہا، نیز ہدایہ ص ۲۶۲ ج ۱، زیلعی ص ۶۶ ج ۲ میں ہے لا یبتدی بالاذی، مبسوط ص ۹۲ ج ۲ میں غالباً کا اضافہ فرمایا جو موضح مراد ہے یعنی عقعق کو ستایا نہ جائے تو کسی انسان یا جانور کو عموماً ستاتا نہیں تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا





کہ یہ کوا جو ہمارے ملک میں بکثرت پایا جاتا ہے اور کائیں کائیں کرتا رہتا ہے عقعق نہیں کیونکہ عقعق بلا ستائے ستاتا نہیں اور اس کی عادت ہی ستانا ہے اور عقعق شرارتی نہیں اور یہ سخت شرارتی ہے، عقعق پر سفیدی غالب ہوتی ہے اور اس پر سیاہی غالب، اس کی آواز کائیں کائیں ہے اور اس کی آواز عین اور قاف کے مشابہ ہے، اس کو کوا کہا جاتا ہے اور عقعق کو کوا نہیں کہا جاتا تو اس وشمس کی طرح نمایاں ہوا کہ یہ عقعق نہیں بلکہ غراب البقع ہے جو بحکم حدیث شریف فاسق ہے اور فقہائے کرام نے بھی اس کے فسق اور خبث کو نہایت وضاحت سے بیان فرمایا ہے لہٰذا اس کا کھانا جائز نہیں۔

سب سے پہلے اس کے کھانے کے جواز اور ثواب ہونے کا فتویٰ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے دیا جس پر امام اہلِ سنت والجماعت اعلیحضرت رضی اللہ عنہ نے بکثرت سوالات گنگوہی صاحب کے نام بصیغۂ رجسٹری ارسال کئے اور گنگوہی صاحب وصولی سے انکاری ہوئے تو اہلِ سنت والجماعت نے وہ سوالات چھپوا کر شائع کئے جو ۱۳۲۰ھ سے آج تک لاجواب ہیں، جن کا نام " دفع زیغ زاغ " اور تاریخی نام " رامئ زاغیاں " ہے۔



بہرحال جائز بتانے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ اس کو عقعق بنا کر کھانے لگے حالانکہ یہ عقعق نہیں اور شاید یوں بھی اشتباہ لگا ہو کہ بعض کتبِ فقہ میں ہے انما یکرہ من الطیر ما لا یاکل الا الجیف کہ پرندوں میں سے وہی مکروہ ہیں جو صرف مردار ہی کھاتے ہیں اور چونکہ یہ کوا صرف مردار ہی نہیں کھاتا بلکہ دانہ اور حلال گوشت بھی کھایا کرتا ہے تو شاید اس عبارتِ مذکورہ کی بنا پر اس کوّے کو حلال وطیب سمجھنے لگے حالانکہ یہ قاعدہ سب پرندوں کے لئے نہیں بلکہ صرف ان پرندوں کے لئے ہے جو ملحق بالخبائث نہیں اور اگر عام ہی مانا جائے تو لازم کہ یہ صاحبان شکرہ، باز، شاہین، چیل، گدھ وغیرہ کو بھی حلال بنا دیں، یہ بھی ایسے پرندے ہیں کہ حلال گوشت بھی کھا لیا کرتے



ہیں خصوصاً ایسی صورت میں کہ ان کو پنجرہ میں بند کرکے حلال گوشت ہی کھلایا جائے حالانکہ یہ پرندے کبھی حلال نہیں ہوسکتے" تو صاف صاف ثابت ہوا کہ یہ حکم عام نہیں بلکہ اس عبارت میں " الطیر " کا لام لامِ عہدِ خارجی ہے اور مراد وہ پرندے ہیں جنکی حرمت شرعاً ثابت نہیں، چنانچہ فقہائے کرام نے اس قاعدہ کی کالدجاج (جیسے مرغیاں) فرما کر وضاحت کردی کہ جیسے مرغی کبھی کبھی نجاست کھانے کے باوجود بھی حلال ہی رہتی ہے یونہی یہ پرندے بھی اور جو مرغی صرف نجاست ہی نجاست کھانے لگے یا بکثرت کھائے کہ گوشت میں بدبو پیدا ہوجائے تو ایسی مرغی جسے فقہائے کرام " جلّالہ " فرماتے ہیں مکروہ ہوجاتی ہے تو یونہی یہ پرندے بھی جب صرف مردار ہی مردار کھائیں، ان میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے اور مکروہ ہوجاتے ہیں اور جس طرح مرغی جلّالہ کو بند کرکے پاک خوراک دی جائے اور بدبو زائل ہوجائے تو کراہت زائل ہوجاتی ہے یونہی دوسرے حلال پرندوں کی کراہت بھی زائل ہوجاتی ہے اور جب حرام پرندوں میں یوں ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا کہ پاک خوراک سے اگرچہ عمر بھر کھائیں، حلال ہوجائیں تو ثابت ہوا کہ یہ قاعدہ عام نہیں، سب پرندوں اور سب کووں کو شامل نہیں، ان صاحبان سے پہلے قہستانی[1] بیچارے کو بھی یہی اشتباہ لگا کہ جامع الرموز میں لکھ بیٹھے لو اکل کل من الثلاثۃ الجیف والحب جمیعا حل ولم یکرہ، یعنی اگر غرابِ ابقع وغیرہ سب کوّے مردار اور دانا اکٹھا کھائیں تو بلاکراہت حلال ہوجاتے ہیں۔



یہ صاحبان بھی اگر اسی اشتباہ میں ہیں تو قہستانی کی طرح کھل کر یہ فتویٰ کیوں نہیں دیتے کہ غرابِ ابقع چیل گدھ وغیرہ سب پرندے اصل میں حلال ہیں، کھانا چاہیں تو دانہ اور پاک گوشت کھلا کر ذبح کرکے کھا سکتے ہیں، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور ایک یہ اشتباہ

---

[1] یہ بیچارے سخت غیر معتمد ہیں، ان کے کسی ایسے قول کا کوئی اعتبار نہیں کما حررہ الشامی فی ردالمحتار والرسائل الثلاثین وغیرہ وغیرہ فی غیرھا ۱۲ منہ غفرلہ

بھی ہو سکتا ہے کہ کتاب الذبائح میں بعض شراح نے لکھ دیا کہ غراب تین قسم ہے، ایک قسم وہ کوا ہے جو صرف مردار کھاتا ہے اور وہ نہ کھایا جائے، دوسرا قسم وہ کوا ہے جو صرف دانہ کھاتا ہے تو وہ کھایا جائے اور ایک قسم وہ ہے جو مردار اور دانہ دونوں کھاتا ہے اور وہ بھی حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک کھایا جاتا ہے اور وہ قسم عقعق ہی ہے، اس لئے کہ وہ مرغی کی طرح ہے۔ زیلعی ص ۲۹۵ ج ۵ میں ہے والغراب ثلثۃ انواع نوع یاکل الجیف فحسب فانہ لا یؤکل و نوع یاکل الحب فقط فانہ یؤکل و نوع یخلط بینھما وھوا یضا یوکل عند ابی حنیفۃ وھوالعقعق لانہ کالدجاج، تو وہ حضرات اس حصر وھوالعقعق سے شاید یہ سمجھ بیٹھے کہ ہر وہ کوا جو مردار اور دانہ کھاتا ہے، عقعق ہے اور حلال ہے، بنائً علیہ اس کوے کو بھی عقعق سمجھ بیٹھے حالانکہ وہ عقعق ہرگز ہرگز نہیں بلکہ غرابِ البقع ہے۔ ان حضرات نے وھوالعقعق تو دیکھ لیا مگر یہ نہ دیکھا کہ والغراب ثلاثۃ انواع میں حصر نہیں اور نہ ہی یخلط بینھما میں حصر ہے بلکہ یہاں تو مردار اور دانہ دونوں کھانے والے کوے کا صرف ایک نوع بیان کیا گیا ہے جس کا نام عقعق ہے اور خوردنی ہے مگر دوسرے نوع کا یہاں ذکر نہیں جو غرابِ البقع ہے اور خوردنی نہیں جس کا ذکر کتاب الذبائح سے کتاب الحج میں گزر چکا چنانچہ زیلعی ص ۶۶ ج ۲ میں ہے و المراد بالابقع الذی یاکل الجیف او یخلط اور مبسوط ص ۹۲ ج ۴ و ہدایہ ص ۲۶۲ ج ۱، الجوہرۃ النیرہ ص ۲۱۵ ج ۱ میں ہے و النظم من الھدایۃ المراد بالغراب الذی یاکل الجیف و یخلط لانہ یبتدئ بالاذی اما العقعق فغیر مستثنی لانہ لا یسمی غرابا و لا یبتدئ بالاذی۔

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ عقعق کے علاوہ بھی ایک ایسا کوا ہے جو





مردار اور دانہ کھایا کرتا ہے اور خبیث ہے، خود بھی حضرات غراب البقع کے ذکر
کے بعد اما الخ فرما کر واضح کر رہے ہیں کہ غراب البقع عقعق کے علاوہ ہے اور
عقعق نہیں، ہاں ان بعض شراح کی اس تقسیم مذکورہ میں ایسے کوّے کے متعلق
بظاہر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ وہ عقعق ہی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ تاویل جو بیان کی گئی
ہے، ضروری ہے تاکہ کلام شراح متون کے مخالف نہ ہو بلکہ خود بعض شراح ہی کا
یہ کلام اپنے اس کلام (جو کتاب الحج میں ہے) کے مخالف نہ ہو، متون میں تو اس کے
خلاف کا قطعاً ذکر ہی نہیں بلکہ کوّوں کے الگ الگ نام و احکام مذکور ہیں چنانچہ
ان جانوروں میں جو خوردنی نہیں، غراب البقع کا ذکر لفظ غراب البقع کے ساتھ ہی ہے
جو اپنے اطلاق سے اپنے تمام افراد کو شامل ہے عام ازیں کہ وہ صرف مردار خور
ہی ہوں یا مردار کے ساتھ دانہ بھی ملاتے ہوں البتہ بعض متون میں غراب البقع کے
بیان میں ہے الذی یاکل الجیف مگر اس سے صرف مردار خور ہی مراد لینا
درست نہیں کہ اس میں کوئی کلمہ حصر نہیں جو مفید صراحت ہو لہٰذا غراب البقع کے وہ
افراد جو مردار اور دانہ دونوں کھاتے ہوں، ان پر بھی یاکل الجیف صادق
ہے تو وہ بھی خوردنی نہیں ہوں گے چنانچہ الجوہرۃ النیرہ ص ۲۷۹ ج ۲ میں قدوری
کے قول ولا یوکل الابقع الذی یاکل الجیف کی شرح میں فرمایا وکذا
کل غراب یخلط الجیف والحب لا یوکل، اور قبل ازیں روز روشن
کی طرح ثابت ہو چکا کہ وہ بھی بحکم حدیث صحیح اور آیت پاک خوردنی نہیں، ان کے
خبث کے اظہار کے لئے مردار خوری کا ذکر کیا گیا ہے اور چونکہ وہ خوردنی نہیں لہٰذا
دانہ کی ملاوٹ کا کوئی اعتبار نہیں کہ حرام جانور دانہ کھانے سے حلال نہیں ہو سکتا،
خنزیر وغیرہ کافی حرام جانور ہیں جو دانہ وغیرہ پاک چیزیں بھی کھاتے ہیں، اس پاک
کھانے سے وہ حلال نہیں ہو سکتے بنائً علیہ اس ملاوٹ دانہ کے ذکر میں کوئی فائدہ نہ تھا
لہٰذا یاکل الجیف پر ہی اکتفاء کیا گیا بخلاف عقعق کے کہ وہ خوردنی ہے تو اس کا





کوئی غیر بھی جو صرف مردار ہی کھاتا ہو کہ گوشت میں بدبو پیدا ہو جائے تو جلّالہ (نجاست خور) کی طرح خوردنی نہیں رہے گا لہذا اس کے بیان میں دانہ ملانے کا ذکر بھی ہوا کہ اس ملاوٹ کی صورت میں گوشت بدبودار نہیں ہوگا جس طرح کہ اکثر مرغیاں پلید خوراک کے ساتھ دانہ بھی کھاتی ہیں اور ان کا گوشت بدبودار نہیں ہوتا لہذا زیلعی وغیرہ میں (انہ کالدجاج اکہ وہ مرغیوں کی طرح ہے) فرما کر وضاحت فرما دی۔ بہر حال متون سے روز روشن کی طرح یہ ثابت ہے کہ غراب القع دانے کی ملاوٹ کی صورت میں بھی خوردنی نہیں تو اس تقسیم بعض شراح کی یہ تاویل مذکور اگر تسلیم نہ کی جائے تو وہ خود اپنے ہی بیان کتاب الحج کے ساتھ تعارض کی وجہ سے ساقط الاعتبار بنے گی اور حکم متون اپنی جگہ قائم رہے گا، دوسرے بالفرض اگر کلام شراح متعارض نہ بھی ہوتا تب بھی متون کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہیں کہ متون چونکہ بیان مذہب کے لئے موضوع ہیں لہذا شروح سے مقدم ہیں۔ شامی ص ۶۶ ج ۱ میں ہے ان ما فی المتون مقدم علی ما فی الشروح، خصوصاً یہاں تو اس حکم متون کی تائید حدیث صحیح مشہور و مسند و مرفوع سے ہو رہی ہے جس کا ذکر مسلم شریف سے سن چکے اور ہمارے امام اعظم کے ساتھ اس کی تحریم میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہما بھی متفق ہیں چنانچہ میزان شعرانی ص ۶۱ ج ۲، رحمۃ الامہ ص ۱۷۱ ج ۱ میں ہے والنظم منہا اتفق الائمۃ الثلاثۃ ابو حنیفۃ والشافعی واحمد علی تحریم کل ذی مخلب (الی ان قال) والغراب الابقع۔

الحاصل یہ کہ یہ کوّا خبیث ہے اور بحکم آیت وحدیث اس کا کھانا جائز نہیں جلیل القدر صحابہ اور تابعین تعجب کرتے ہیں کہ ایسے گندے پرندے کو کون کھا سکتا ہے۔ ائمہ و مشائخ کرام کے نزدیک بھی خوردنی نہیں تو عاقل کا کام نہیں کہ کسی متفقہ کے ایسے متفکہانہ کلام سے جو محتمل اور ماوّل ہو، دھوکا کھائے یا کسی نااہل کے کلام کو دلیل بنائے اور ایسے گندے اور موذی جانور کو منہ لگاتے ہوئے نہ شرمائے۔





تعجب کہ دیوبندی حضرات کے نزدیک اس گندے پرندے کا کھانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ باعثِ ثواب ہے چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۰ ج ۲ میں ہے :-

(سوال)

مسئلہ : جس جگہ زاغ معروفہ کو حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو برا کہتے ہوں تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا یا نہ ثواب ہوگا نہ عذاب ؟

الجواب

ثواب ہوگا ۔ فقط

رشید احمد



افسوس کہ اس کے کھانے کا عدمِ جواز تو قرآنِ کریم، حدیث اور صحابہ کرام وائمہ قدیم حدیث کے بکثرت اقوال اور فتووں سے ثابت ہے مگر جواز کی دلیل فقط رشید احمد ہے، تو آنکھیں بند کرکے کوّے کے کباب اور شوربے سے لطف اندوز ہورہے ہیں حالانکہ انصاف کا تقاضا یقیناً یہ ہے کہ انسان اس کے نزدیک ہی نہ جائے چنانچہ دیوبندیوں میں سے جو محتاط ہیں وہ عدمِ جواز کے قائل ہیں، چنانچہ ان کے مشہور استاذِ کبیر مولوی ابوسعید غلام مصطفٰے سندھی قاسمی اپنے حاشیۂ قدوری مطبوعہ اصح المطابع کراچی کے ص ۲۲۰ میں لکھتے ہیں :

اعلم ان الغراب الذی یقال لہ کوا فی الھندیۃ و "کان" فی السندیۃ فنص علی حرمتہ رأس المحققین المخدوم محمد ھاشم السندی التتوی فی رسالۃ فاکھۃ البستان ۔

اور ان کے نہایت ہی بلند پایہ مسلم محقق مولوی محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی ۔ فیض الباری شرح صحیح بخاری کے ج ۳ ص ۱۳ میں فاسق جانوروں کے بیان میں کہتے ہیں :-

وھو عندی قید اتفاقی فان الغراب من المؤذیات شرعا کیف کان ۔



بہر حال ماہِ نیم ماہ اور مہرِ نیم روز سے بھی زیادہ واضح ہوا کہ اس کوّے کا کھانا جائز نہیں اور یہ حقیقت تو ہر عقلمند پر واضح ہے کہ ناجائز کام کرنے پر ثواب نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ کلما قیل سوال وحرر جواب۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین شرعِ مبین دریں مسئلہ کہ مسمی زید نے بکر کو کہا کہ بی بی فاطمۃ الزہرا خاتونِ جنت نے بوجہ ایامِ ماہواری اپنی چادر جو کہ خون آلود تھی، رکھی تھوڑی دیر کے بعد جب اٹھائی تو خرگوش بھاگ نکلا، یہ خرگوش بی بی صاحبہ کے حیض کے خون سے پیدا ہوا، ازیں وجہ ہم اہلِ شیعہ اسے حرام سمجھتے ہیں، بکر نے کہا کہ میں اپنے علمائے کرام اہلِ سنت سے دریافت کرونگا، یونہی تسلیم نہیں کرسکتا، پھر بکر جو کہ اہلسنت و الجماعت کا آدمی ہے، اٹھ کر دوسرے آدمی کو کہا، پھر دوسرے نے زید سے تین بار دریافت کیا کہ کیا تو نے ایسے الفاظ کہے ہیں؟ زید نے کہا ہاں کہے ہیں، تین بار تکرار کیا کہ اس اثنا میں تین گواہ بھی موجود تھے اور خود زید بھی اپنی زبان سے اقرار کرتا ہے، کیا ایسے آدمی کے لئے جو بتول بی بی پر یہ داغ لگائے کوئی تعزیر ہے یا نہ؟ اگر ہے تو کیا؟ بینوا توجروا۔

۲۔ اکرم کا مکان تیار ہو رہا تھا، راج اور مزدور کام کر رہے تھے، اسلم نے آکر کہا کہ اکرم کبھی کسی کی روٹی کا خرچ برداشت نہیں کرتا تھا، آج موقعہ دیا ہے، اکرم نے ہنس کر جواب دیا کہ اللہ دینی کا کرم ہے، رمضان شریف ہے، اب بھی ایک وقت کا کھلانا

ہوں، اسلم نے بگڑ کر کہا تیری لڑکی سے بدفعلی کروں اور ۔۔۔۔۔[۵] ۔۔۔ اکرم نے بھاگ کر اسلم کے منہ پر ہاتھ دیا اور کہا کہ اے جاہل! یہ کیا کہا! چند گواہ بھی موجود ہیں، موافق شریعت کے حکم سے سرفراز فرمائیں۔

کاتب الحروف: لاشئی عبد المجید مدرس پرائمری سکول سیٹھا نوالہ سنٹر نوان کوٹ
ڈاک خانہ چوبارہ تحصیل لیہ ضلع مظفر گڑھ،
برادرِ خورد حاجی رشید احمد صاحب اوورسیر محکمہ نہار





خرگوش شرعاً حلال ہے، رب العالمین جل وعلا نے فرمایا خلق لکم ما فی الارض جمیعا یعنی تمہارے نفع کے لئے پیدا کیا ان سب چیزوں کو جو زمین میں ہیں اور چونکہ خرگوش بھی ارضی جانور ہے تو جائز ہوا کیونکہ اس آیت سے تمام ان چیزوں کا حلال ہونا ثابت ہے، جن کی ممانعت قرآنِ کریم یا حدیث شریف میں نہیں آئی، پھر حدیثِ شریف میں ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرگوش کا گوشت قبول فرمایا، صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۱ تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ حلال ہے۔

رہا مسمی زید شیعہ کا وہ چادر والا افترا کہ خرگوش خون سے پیدا ہوا ہے، یہ محض بے اصل اور بیہودہ بات ہے، آخر اس عقلمند کو یہ معلوم نہیں کہ بھیڑ بکری دنبہ وغیرہ جانور

---

۵ میاں، اس خبیث نے وہی گالی (خاکش بدہن) محبوبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شانِ ارفع واعلیٰ میں بکی معاذ اللہ ثم معاذ اللہ قلم وہ لکھ نہیں سکتا، اس لئے جگہ چھوڑ دی ہے ۱۲ منہ غفرلہ



مادۂ منویہ سے پیدا ہوتے ہیں اور مادۂ منویہ خون سے پیدا ہوتا ہے تو زید کے خیال سے تمام جانور ہی حرام ہونے چاہئیں۔

ہمارا اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام اہلِ بیت پاک ہیں اور جس چیز کو ان سے نسبت ہو جائے وہ ہمارے لئے تبرک ہے، پھر خون کی نسبت کرنا اور ایسے انداز سے بیان کرنا ادب کے خلاف ہے بلکہ بعض حضرات کے نزدیک تو حضرتِ طیبہ طاہرہ زہرا اس خون سے بری تھیں، افسوس کہ یہ لوگ محبت کے بلند بانگ دعووں کے باوجود محبت اور ادب کے خلاف حرکتیں کرتے ہیں، ایسے مفتری کذاب پر یقیناً تعزیر عائد ہوتی ہے جو واقعات کے مطابق حاکمِ شرع کی تجویز یا صوابدید پر موقوف ہے پھر اسلم کا بکنا اور بکنا بدترین شرارت اور کفر وارتداد ہے جس میں کسی مسلمان کو قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں، جو ایسے بدگو کے کفر یا عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے، شفا شریف ج۲ ص۱۸۶ میں ہے واجتمعت الامۃ علیٰ قتل متنقصہ من المسلمین وسابہ قال اللہ تعالیٰ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاٰخرۃ واعد لھم عذابا مھینا وقال اللہ تعالیٰ والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم، پھر اسی کے ص۱۹۰ اور درر غرر ج ص۳۰۰، فتاویٰ خیریہ ج۱ ص۱۰۳، درالمختار اور شامی ج۳ ص۴۰۴ میں ہے اجمع المسلمون علیٰ ان شاتمہ کافر وحکمہ القتل و من شک فی عذابہ وکفرہ کفر۔



ان سب عبارات کا حاصل یہ ہے کہ شہنشاہِ کون ومکاں حبیبِ ربِ رحمٰن محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں نازیبا الفاظ اور گالی بکنے والا انسان تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے اور کافر بھی ایسا سخت کہ جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ حاکمِ اسلام اسے قتل کردے، یہ سزا اسلامی حکومت کا فرض ہے، عوام الناس کا کام نہیں، البتہ اپنا پورا پورا اثر ورسوخ

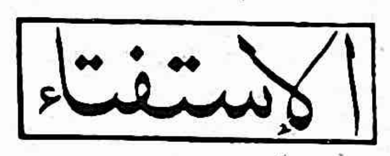


اور تمیمی ذرائع سے ایسے شخص کو مجبور کرکے تائب بنانا اور اصلاح کرنا ہر ایک مسلمان کا حق ہے اور ایمان کا تقاضا ہے نیز یہ بھی حق ہے کہ حکومت کو متوجہ کیا جائے کہ ایسے بدخواہان ملک وملت کے لئے شرعی سزائیں لگائے اور پاکستان کے پاک وجود کو ایسے گندے اور ناپسند عناصر سے پاک فرمائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۴ شوال المکرم ۱۳۸۳ھ ۲۸ ۲/۶۴



السلام علیکم کے بعد عرض یہ ہے کہ ایک آدمی نے سانڈہ پکڑا تھا، وہ آدمی امام مسجد ہے، ایک آدمی کہتا ہے یہ سانڈہ ورتنا حرام ہے، وہ آدمی حلال کہتا ہے اور یہ حلال ہے یا کہ حرام ہے، اس کو ورتنے یا کہ نہ؟

موضع ابدال کے





سانڈہ حرام ہے، شامی میں ہے کالفارۃ والوزغۃ ج۵ ص ۲۶۵، تو ورتنے (استعمال کرنے) سے پرہیز کریں الا بشروط معلومۃ۔



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ

واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ دارالعلوم ہذا

۴ ربیع الاول شریف

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید عرصہ سے بیمار ہے، حکیم صاحب نے ایسی دوائی تجویز کی جس میں کُتّے کا گوشت پڑتا ہے، زید کُتّا لے کر امام مسجد کے پاس دوائی کے لئے ذبح کرانے گیا، امام مسجد نے تکبیر پڑھ کر ذبح کر دیا۔ لوگ امام پر اعتراض کرتے ہیں کہ کُتّا حرام ہے، اس پر کیوں تکبیر پڑھی؟ امام صاحب کہتے ہیں کُتّا آبی جانور ہے اور آبی جانور پاک ہوتا ہے اور بوقت ضرورت دوائی میں استعمال ہو سکتا ہے اور ضرورت مند بیمار کے سوا دوسروں کے لئے حلال نہیں اور حرام ہے، اس کا شرعی حکم بیان کریں، بینوا توجروا۔

السائل: رجب علی سیراحصہ دار موضع گھگہ مہر شاہ

نشان انگوٹھہ سائل ۵ شوال المکرم ۱۳۷۷ھ



شرعاً واقعی وہ جانور جو خالص آبی ہیں، پاک ہیں، پانی میں مرجائیں تو پانی پلید

نہیں ہوتا مگر مچھلی کے سوا سب حرام ہیں، ان کا کھانا جائز نہیں، یہ سمجھنا کہ ہر پاک چیز حلال ہے، غلط ہے، سم الفار پاک ہے مگر کھانا حلال نہیں، ہاں بیمار کے لئے شرعًا اس صورت میں اجازت ہے جب مسلمان، شرع کا پابند، بڑا حاذق اور ماہر حکیم یا ڈاکٹر کہے کہ اس کے سوا اس مرض کا کوئی علاج نہیں، اگر زید اس شرط مذکور کے ساتھ استعمال کرے تو کر سکتا ہے

مگر کسی نیم حکیم یا نیم ڈاکٹر یا بے عمل حکیم کے بتانے سے حلال نہیں، یہ خیال رہے کہ لوگ بے پرواہی سے کسی غیر شرعی بلکہ عیسائی وغیرہ کافر ڈاکٹروں کے کہنے یا نیم حکیم ٹوٹکے بازوں کے پیچھے پڑ کر حرام چیزیں کھانا شروع کر دیتے ہیں، یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں

بہر حال شرطِ مذکور کے ساتھ زہر بھی استعمال کر سکتا ہے اور بغیر تکبیر کے ساتھ ذبح بھی کر سکتے ہیں کہ جان، جان پیدا کرنے والے کے نام پر بآسانی نکلے، یہ جانور بھی اسکی مخلوق اور اس کی تسبیح پڑھنے والے ہیں، شرعًا حرج نہیں، جو منع بتائے، دلیل لائے اور سند دکھلائے، اگر ذبح نہ کریں جھٹکے کے طور پر ڈنڈا وغیرہ مار کر اور تکلیفیں دے کر ہلاک کریں تو کیا مسلمان پسند کریں گے؟ ہرگز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی القادری غفرلہ

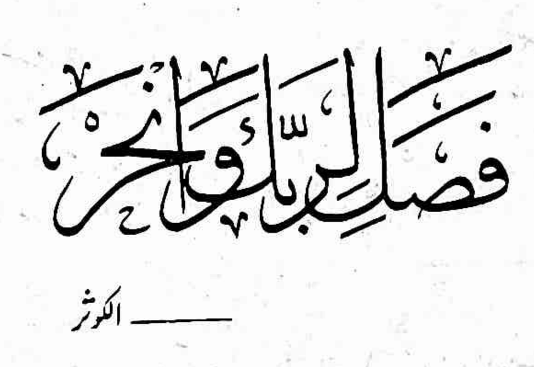
۵ رشوال المکرم ۱۳۷۷ھ






قربانی





—— الکوثر

پس آپ نماز پڑھیں اپنے ربّ کے لیے اور قُربانی دیں



يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِیْ ؟
قَالَ سُنَّةُ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ

الحدیث

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) یہ قربانیاں کیا ہیں ؟ ۔ آپ نے ارشاد فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنّت ہیں۔





تعارف



مخصوص جانور کو مخصوص ایام میں متعلقہ شرائط کے ساتھ بہ نیت تقرب ذبح کرنے کو شریعت میں اضحیہ یا قربانی کہتے ہیں-----

قربانی سنت ابراہیمی ہے' جسے اسلام میں باقی رکھا گیا ہے----- قربانی میں اصل چیز جذبہ' ایثار اور تقویٰ و پرہیزگاری ہے----- قرآن مجید میں صاف صاف فرمادیا گیا:

لَن یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُومُھَا وَ لَا دِمَاؤُھَا وَ لٰکِن یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُم-----

(الحج: ۳۷)

"اللہ تعالیٰ کو تمہارے گوشت' پوست اور خون کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی بارگاہ میں تو تمہارے تقویٰ و پرہیزگاری کی قدر ہے"

قربانی ہر ایسے آزاد' مقیم اور صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہے جو رہائش' لباس اور ضروریات زندگی سے زائد ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر مالیت رکھتا ہو اور اس پر سال گزرنا ضروری نہیں بلکہ قربانی کے ایام میں صاحب نصاب ہو جانے سے قربانی واجب قرار پائے گی-----

صاحب نصاب نہ ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص قربانی کے لئے جانور خریدے تو اس پر قربانی لازم ہو جائے گی-----اسی طرح نذر مان لینے سے بھی قربانی واجب ہو جاتی ہے-----اگرچہ نذر ماننے والا فقیر ہی کیوں نہ ہو-----

قربانی کے جانوروں میں سے اونٹ پانچ سال----- گائے' بھینس دو سال-----



اور-----بکرا' چھترا ایک سال سے کم عمر نہ ہو-----دنبہ بشرطیکہ فربہ ہو' چھ ماہ کا بھی جائز ہے-----ان جانوروں کی ہر جنس کے نر و مادہ کی قربانی کی جا سکتی ہے-----افضل یہ ہے کہ قربانی کا جانور خوبصورت' فربہ اور بے عیب ہو-----معمولی عیب ہو تو قربانی ہو جائے گی-----اس سلسلے میں فقہائے کرام نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ ایسا عیب جو منفعت کو بالکل زائل کر دے یا جمال و زیبائی کو یکسر ختم کر دے' قربانی سے مانع ہے-----

صاحب نصاب کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر سال قربانی کرے-----ہمارے آقا و مولیٰ حضور ﷺ کا یہی طریقہ مبارکہ تھا-----حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :

اقام رسول الله ﷺ بالمدينة عشر سنين يضحى-----

(ترمذی)

"رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال قربانی کرتے رہے"

قربانی (اضحیہ) کے لئے تین ایام مخصوص ہیں :

دس' گیارہ اور بارہ ذوالحجۃ المبارکہ-----قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا ہی لازم ہے' کوئی دوسری چیز اس کا متبادل نہیں ہو سکتی-----

احکام شرعیہ سراسر حکمت پر مبنی ہیں-----قربانی کا نفسیاتی اثر یہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں حرارت ایمانی پیدا ہوتی ہے اور راہ خدا میں اپنی عزیز سے عزیز متاع لٹا دینے کا جذبہ اجاگر ہوتا ہے-----

کتاب الاضحیہ کے آخر میں "باب العقیقہ" کے عنوان سے عقیقہ کے مسائل بھی شامل کر دیے گئے ہیں' اس طرح مجموعی طور پر کتاب الاضحیہ میں چوبیس استفتاءات شامل ہیں-----

(مرتب)

-----☆☆☆-----





کتاب الاضحیّۃ

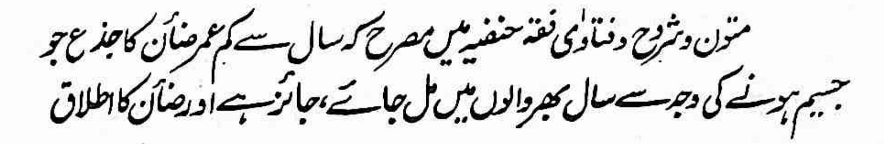




کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ سال سے کم عمر بھیڈ یا مینڈھا قربانی کے قابل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل : مختار احمد از کھٹہ سید علی



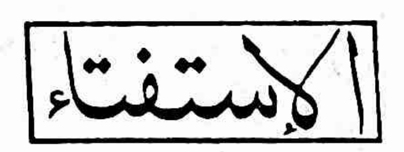

متون وشروح وفتاوٰی فقہ حنفیہ میں مصرح کہ سال سے کم عمر ضأن کا جذع جو جسیم ہونے کی وجہ سے سال بھر والوں میں مل جائے، جائز ہے اور ضأن کا اطلاق



جنس بھیڑ اور دنبہ دونوں پر آتا ہے مگر در المختار ج ۵ ص ۲۸۱ اور شرح الوقایہ ص ۴۳
مع چلپی مجتبائی میں ہے والنظم للصدر والضأن ماله إلية یعنی ضان
سے مراد وہ ضان ہے جس کی چکی ہوتی ہے، تو ثابت ہوا کہ وہ حکم جواز خاص دنبہ
میں ہے، بھیڑ اور مینڈھے میں نہیں، منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۳۵، شامی
ج ۱ ص ۲۹۷ میں ہے اذا صرح بعض الائمة بقيد لم يرد عن
غيره منهم تصريح بخلافه يجب ان يعتبر، شامی ج ۲ ص ۱۰۶
ان الاخذ بالاحتياط فی باب العبادات واجب اور یہ بھی ظاہر کہ احتیاط
اس میں ہے کہ بھیڑ اور مینڈھا سال سے کم عمر قربانی نہ کیا جائے کہ خروج عن العہدہ متیقن ہو۔
فاللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی
حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ





سائل نے زبانی سوال کیا کہ چھترا شش ماہہ قربانی بن سکتا ہے اور ایک مولوی صاحب
کا فتویٰ جواز بھی پیش کیا۔ (اور وہ یہ ہے)

سوال

دنبہ اور مینڈھا یعنی چھترا خواہ مذکر ہو یا مؤنث، یہ ہر دو اصناف چھ ماہ کے قربانی
جائز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب

دنبہ اور مینڈھا ہر دو چھ ماہ کے قربانی کرنے جائز ہیں، اسمیں حنفی مذہب کے

رُو سے کسی قسم کا اختلاف نہیں، حوالہ صح الجذع من الضأن الجذع شاة لها ستة اشهر (ترجمہ) درست ہے قربانی کرنی بھیڑوں سے جذع کی، اور جذع کی تفسیر خود صاحب شرح وقایہ نے کی ہے، چھ ماہ کی عمر کا جائز ہے۔

عبد الرحمن عفی عنہ مستند دار العلوم دیوبند





حسب تصریحات فتاویٰ و شروح و متونِ معتبرۂ مذہب مہذبِ حنفیہ سُنی سے کم عمر جانور قربانی کے قابل نہیں، ماسوا ضأن کے کہ اس کا جذعہ بھی جائز ہے بشرطِ فربہی خاصہ مگر جذع کی تفسیر میں اختلاف ہے، محدثین اور اہلِ لغت کے نزدیک سال سے پہلے جذع نہیں ہو سکتا کما بین فی فتح الباری والعینی شرح البخاری وغیرهما من اسفار الشروح واللغات المعتبرة اور ہمارے احناف کے تو کئی مختلف اقوال ہیں کما بین الشامی وغیرہ اور ضان کا اطلاق گو چھترے پر بھی ہو سکتا ہے مگر اس ضان مستثنیٰ کو فقہائے کرام نے مخصوص و مقید فرمایا تو یہ چھترے کو شامل نہ ہوگا چنانچہ شرح الوقایہ ج ۴ ص ۷۳ منح سے شامی ج ۵ ص ۲۸، طحطاوی علی الدر ج ۴ ص ۱۶۴، منح و مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام سے، فتاویٰ مولانا عبد الحی ج ۲ ص ۳۱۷، تکملہ سلطان الفقہ ص ۱۴ میں شامی اور غایۃ الاوطار سے ہے والنظم من شرح الوقاية والضأن ما تكون له الية یعنی ضان سے مراد وہ ہے جس کی چکی ہوتی ہے تو بھیڑ چھترا کا استثناء نہ ہوا کہ ان کی چکی نہیں ہوتی، تو اگر جذع کی تفسیر احناف پر اعتبار ہے تو ضان مستثنیٰ کا معنی بھی احناف ہی سے دریافت



کریں ورنہ اہلِ لغت و محدثین تو جذع سال سے کم عمر کو نہیں کہتے۔

نہایت تعجب ہے کہ مولانا صاحب نے جذع کی ایک تفسیر تو شرح الوقایہ سے نقل کی اور اس کے بالکل ساتھ ملی ہوئی تفسیر الضأن کی چھوڑ دی، یہ تغافل یا تکاسل یا تساہل وہ بھی عند الافتاء کب جائز ہو سکتا ہے، پھر اس پر دعویٰ عدم اختلاف جو وسعتِ نظر پر مبتنی ہو جبِ ازدیاد تعجب ہے اور ایسے ہی شاہ کا ترجمہ بھیڑ دنبہ بھی محض ایجاد فی اللغۃ ہی ہے، الحاصل احتیاط و تحقیق یہ ہے کہ بھیڑ یا چھترا سال سے کم عمر کا قربانی نہ کیا جائے ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبرھان۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳۰ ذوالقعدہ ۱۳۷۰ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا کیا حکم ہے دنبہ عمر کتنی کا ہوئے اور بھیڑ کی عمر کیا ہوئے اور بکری کی عمر کتنی ہوئے (جواب دو اجر ملے گا)

مولوی غلام صابر بقلم خود سکنہ پھلرون

ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ 19.9.51

(نوٹ) سائل نے اس سوال کے متعلق سید محمود احمد شاہ صاحب خطیب دیپالپوری کا فتویٰ جواز بھیڑ ششماہہ بشرطِ اختلاط بلاحوالہ خاصہ بھی پیش کیا اور زبانی بھی بیان کیا کہ بھیڑ اور چھترا ششماہہ کے متعلق جھگڑا ہے۔







بکری بھیڑ دنبہ قربانی کے لئے سال یا سال سے زیادہ عمر کے چاہیئے البتہ
دنبہ کا بچہ جو بوجہ فربہی سال والوں میں مختلط ہو جائے اور چھ ماہ یا زیادہ کا (علی اختلاف
الاقوال) کا ہو تو جائز ہے، بعض احباب زمان بھیڑ اور چھترے کے متعلق بھی یہی سمجھ گئے
مگر انہیں غور کرنا چاہیئے کہ گو لفظِ ضأن از روئے لغت بھیڑ دنبہ دونوں پر بولا جاتا ہے
مگر اس مسئلہ میں ہمارے حضرات احناف نے لفظِ الضأن معرف بلام العہد سے
تعبیر فرمایا ہے کما فی عامۃ المعتبرات، بلکہ یہ بھی تصریح فرمادی کہ یہ معرف و
معہودہ ضأن ہے جس کی چکلی ہوتی ہے، شامی علی الدر ج ۵ ص ۲۸۱، طحطاوی علی
الدر ج ۴ ص ۱۶۴، شرح الوقایہ ج ۴ ص ۳۳۷ منح اور مفاتیح الجنان سے مولانا
عبدالحی مرحوم کے فتاویٰ ج ۲ ص ۳۱۷ میں ہے الضأن ماتکون لہ الیۃ
اور یہ بھی قابلِ غور ہے کہ ضأن جذع از روئے لغت وہ ہے جو پورے سال کا
ہو چکا ہو، عنایہ علی الہدایہ ج ۸ ص ۴۳۵، شامی علی الدر ج ۵ ص ۲۸۱ میں ہے فی
اللغۃ ماتمت لہ سنۃ، بلکہ صراح ص ۳۰۸، منتہی الارب ج ۱ ص ۱۵۲ وغیرہا
میں ہے والنظم من الصراح آنچہ بسال دوم درآمدہ باشد از گوسپند ومثلہ
فی المغرب ج ۱ ص ۸۰، والکفایۃ علی الہدایۃ ج ۸ ص ۴۳۵ اور یہی جمہور کا
قول ہے۔ فتح الباری علی البخاری ج ۱۰ ص ۴، عینی علی البخاری ج ۱۰ ص ۱۶ میں ہے من
الضأن مااکمل السنۃ وھو قول الجمہور البتہ ہمارے اور بعض دیگر
حضرات کے نزدیک جذع سال سے کم ہوتا ہے مگر کتنا کم؟ اس میں متعدد قول چھ ماہ سے



دس ماہ تک ہیں کما بسط الشامی وغیرہ تو اگر مسئلہ معہودہ میں غیر مقلد حضرات ضأن کے متعلق ہمارے حضرات احناف کی قید لام عہد اور ما لہ السنۃ کا اعتبار نہ کرتے ہوئے دنبہ اور بھیڑ دونوں کا حکم ایک ہی سمجھیں تو جذع کا معنی بھی وہی لیں جو لغوی اور جمہور کا قول ہے یعنی سال بھر کا تو اس صورت میں بھی ہمارا مدعٰی احناف ثابت ہے کہ بھیڑ اور بھیڑا سال کا چاہیئے اور یہ جائز نہیں کہ ضأن کے متعلق تو ہمارے حضرات کی قید نہ مانیں اور جذع کے متعلق مانیں کہ یہ تلفیق اور بعید از تحقیق ہے ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبراھین والانصاف۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۸ ر ذی الحجۃ المبارکہ ۸۷ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں:

۱۔ قربانی کا جانور بکری اور بھیڑ اور دنبہ چکی والا تینوں کے لئے عند الحنفیہ شکر اللہ سعیہم ایک سال کا ہونا ضروری ہے یا کہ ان تینوں سے کسی کا سال سے کم ہونا بھی کافی ہے، اگر سال سے کم ہونا کافی ہے، تو کیا بھیڑ مسئلہ قربانی میں بکری کے حکم میں داخل ہوگی یا کہ دنبہ کے حکم ہیں۔

۲۔ ریڈیو کا اعلان جبکہ حکومت اسلامیہ کی طرف سے کرایا جائے تو کیا رؤیت ہلال میں یہ اعلان معتبر ہوگا یا نہیں؟



۳- اگر امام لاؤڈ سپیکر کا میکر فون سامنے رکھ کر قرأت پڑھے اور تکبیر و تسمیع وغیرہ اسی میں ادا کرے تو کیا مقتدیوں کی نماز اقتداء درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد عبد العزیز غفرلہ خادم مدرسہ عربیہ احیاء العلوم عظیم آباد بوریوالہ ضلع ملتان





۱- بکری، بھیڑ، دنبہ قربانی کے لئے سال یا سال سے زیادہ عمر کے چاہییں مگر دنبہ کا وہ بچہ جو بوجہ فربہی سال والوں میں مل جائے اور ہو بھی چھ ماہ یا زیادہ کا علی اختلاف الاقوال تو جائز ہے اور چونکہ از روئے لغت کلمہ ضأن دنبہ، بھیڑ دونوں پر بولا جاتا ہے لہذا بعض احباب عموم سمجھ گئے حالانکہ ہمارے مشائخ احناف شکر اللہ سعیہم الجمیلہ اس مسئلہ کو الضأن معرف بلام العہد سے تعبیر فرمایا ہے کما فی عامۃ المعتبرات بلکہ نص فرمادی کہ اس معرف ومعہود سے مراد وہ ضأن ہے جس کی چکی ہوتی ہے، شامی علی الدر ج ۵ ص ۲۸۱، طحطاوی علی الدر ج ۴ ص ۱۶۴، شرح الوقایہ ج ۴ ص ۳۳۷، منح اور مفاتیح سے فتاوی عبد الحی ج ۲ ص ۲۱۷ میں ہے ما تکون لہ الیۃ بلکہ جامع ضأن لغت میں وہ ہے جو پورے سال کا ہو چکا ہو، عنایہ علی الہدایہ ج ۸ ص ۴۳۵، شامی علی الدر ج ۵ ص ۲۸۱ میں ہے فی اللغۃ ما تمت لہ سنۃ بلکہ صراح ص ۳۰۸، منتہی الارب ج ۱ ص ۲۵۱ میں ہے والنظم من الصراح آنچہ بسالِ دوم درآمدہ

سہ کما بسطہ الشامی وغیرہ ۱۲ منہ

باشد از گوسپند و مثله فی المغرب ج ۱ ص ۸۷ والکفایۃ علی الھدایۃ ج ۸ ص ۴۳۵ اور وہی ہمارے علاوہ جمہور فقہاء کا قول ہے۔ فتح الباری علی البخاری ج ۱۰ ص ۴ عینی علی البخاری طبع قدیم ج ۱۰ ص ۱۶۱ اور طبع جدید ج ۲۱ ص ۱۴۶ میں ہے من الضأن ما اکمل السنۃ وھو قول الجمھور۔ تو مسئلہ معہودہ میں اگر ہمارے احناف[للعہ] کی قید لام عہد اور نص ما لہ السنۃ کا اعتبار نہیں تو جذع کی تفسیر بھی وہی مانیں جو لغت اور جمہور کے نزدیک ہے یعنی سال بھر کا ہو ورنہ تلفیق بعید از تحقیق کا ارتکاب مستحسن نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

۲۔ ہاں معتبر ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ بقاعدہ ثبوت شرعی کے بعد اعلان کیا جاتا ہے، فتاویٰ عالمگیر ج ۴ ص ۸۶ میں ہے خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان او فاسقا، شامی علیہ الرحمہ نے توپوں کے فائر معتبر مانتے ہوئے فرمایا وان کان ضاربہ فاسقا ج ۲ ص ۱۴۵۔ علمائے کرام نے علامات ظاہرہ کا اعتبار بلکہ موجب عمل قرار دیا، منحۃ الخالق ج ۲ ص ۲۷۰، رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۵ میں ہے لانہ علامۃ ظاھرۃ تفید غلبۃ الظن وغلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل اور غائبین عن المصر کے حق میں بالخصوص بھی اعتبار فرمایا جبکہ س لیں منحۃ الخالق کے اسی صفحہ میں ہے والظاھر وجوب العمل بھا علی من سمعھا ممن کان غائبا عن المصر کاھل القری ونحوھا کما یجب العمل بھا علی اھل المصر الذین لم یروا الحاکم قبل شھادۃ الشھود۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت وجماعت نے بھی اسے قابل اعتبار و اعتماد قرار دیا، رسالہ طرق اثبات الہلال ص ۲۲ میں ہے "حاکم شرع کے حضور



[للعہ] یہ لفظ غیر مقلدین کے اختلاف کے لحاظ سے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ



شہادتیں گزرنا اس کا ان پر حکم نافذ کرنا ہر شخص کہاں دیکھنا سنتا ہے بحکم حاکم اسلام اعلان کے لئے ایسی ہی کوئی علامت معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورا وغیرہ یہ تعمیم تو نہایت ہی مفید ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ قدرے تفصیل سے فقیر کا فتویٰ رضوان میں شائع ہو چکا ہے من شاء فلیطالع ولینصف ولا یتعسف فان المتعسف لا یفیدہ شیئ مفید۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

واللہ تعالیٰ اعلم[۱]

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۴ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۸۱ھ



الاستفتاء

مخدومی و محترمی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ :- خیریت مابین نیک مطلوب !

یہاں بین العلماء نزاع واقع ہے کہ بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بہار شریعت ص ۲۹ میں جائز کیا ہے اور زیور بہشتی میں پہلے جائز لکھ کر دوسرے دیدشی میں مشکوک قرار دیا، ردالمحتار میں فرمایا الجذعۃ من الضأن وھو مالہ الیۃ، برائے کرم واپسی ڈاک تحقیق انیق فرما کر مشکور فرمائیں، ہمارے ائمہ کرام متقدمین اور ظاہر الروایت میں سے اگر کوئی تشریح ہے، لغت میں اور

---

[۱] اس وقت اس مسئلہ کی تحقیق نہیں ہوئی تھی لہذا یہ جواب دیا گیا بعد ازاں پوری تحقیق ہوئی تو جواز کا مفصل رسالہ "تکبیر الصوت" شائع ہوا اور وہی حق ہے ۱۲ منہ غفرلہ (یہ رسالہ فتاوی نوریہ حصہ اول میں شامل کر دیا گیا ہے) (مرتب)



فقہ احناف میں کوئی فرق ہو، عالمگیری میں ہے یجوز الجذعۃ من الضأن خاصۃ، ردالمحتار میں ہے کہ لا یجوز الجذعۃ من المعز وغیرہ، اس "وغیرہ" سے کیا مراد ہے، بھیڑ شاۃ معز اور ضان میں سے کس میں شامل ہے اور بھیڑ جذعہ میں چکی دار دنبہ مخصوص ہے یا کیسے ہے؟

عجلت میں ٹکٹ میسر نہ ہوتے لہٰذا تکلیف نظر انداز نہ فرماتے ہوئے پہلی ڈاک میں جواب ارسال فرمائیں، والسلام۔ جملہ احباب کو السلام علیکم۔

محمد علم الدین مکان ۹ نزدیک ڈاکخانہ اوکاڑہ





مکرمی ومحترمی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔ عافیتِ دارین مطلوب!

آج جناب کا مرسلہ عنایت نامہ موصول ہوا، جواباً معروض کہ بھیڑ کم از کم ایک سال کی ہونی چاہیئے کہ گو لفظِ ضأن از روئے لغت بھیڑ اور دنبہ دونوں پر بولا جاتا ہے مگر ظاہر یہی ہے کہ مسئلۂ معہودہ میں دنبہ ہی مراد ہے کہ کتبِ معتبرۂ فقہیہ میں مصرح ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جس کی چکی ہوتی ہے، شرح وقایہ ج ۴ ص ۳۳۸، طحطاوی علی الدر ج ۴ ص ۱۶۴، شامی علی الدر ج ۵ ص ۲۸۱ میں ہے مالہ الیۃ مولانا عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمہ نے اپنے فتاوٰی ج ۲ ص ۳۱۷ میں منح اور مفاتیح الجنان سے نقل فرماتے ہوئے اسی پر اعتماد فرمایا اور جن اصحابِ متون وشروح وفتاوٰی نے کوئی قید نہیں لگائی وہ بھی الضأن معرف بلام العہد ذکر فرما رہے ہیں کہ لامِ عہد



کا اشارہ تعیین کردے بلکہ لفظ جذع کی تفسیر میں ہمارے حضرات کے اقوال مختلف ہیں اور دوسرے جمہور فقہاء اور ارباب لغت کے نزدیک تو جذع ضان سال سے کم ہو سکتا ہی نہیں، عنایہ علی الہدایہ، کفایہ علی الہدایہ ج ۸ ص ۴۳۵، شامی علی الدرج ۵ ص ۲۸۱، مغرب ج ۱ ص ۷۸، صراح ص ۳۰۸، منتہی الارب ج ۱ ص ۲۵۱، میں ہے والنظر للشامی فی اللغة ما تمت لہ سنة. فتح الباری شرح البخاری ج ۱۰ ص ۴، عینی شرح البخاری ج ۱۰ ص ۱۶ میں ہے ما اکمل السنة وھو قول الجمھور اور اس تفسیر سے ہی مدعیٰ واضح ہے کہ اس کی بنا پر تو دنبہ بھی سال ہی کا ضروری ہے اور اگر جذع کی تفسیر ہمارے فقہائے کرام سے لیں اور الضأن کے لام عہد اور قید مالہ الیۃ (جس کی ہمارے حضرات نے تصریح فرمائی) کا اعتبار نہ کریں بلکہ لغت پر اعتماد کریں تو یہ تلفیق بعید از تحقیق ہے مگر مسئلہ میں زیادہ الجھنا بھی نہیں چاہئے کہ ایک ایسا فرعی مسئلہ ہے جس میں ہمارے علمائے عصر کا اختلاف آرہا ہے ولکل وجھة ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات گو احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ بالاتفاق بریٔ الذمہ ہو جائے کم از کم سال کا ہو کہ اس کے جواز پر سب متفق ہیں ولا اعتبار لمن خالف من غیر نا مع قلتھم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بصیرپور





مکرمی مولوی محمد نور اللہ صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم: مؤدبانہ التماس ہے کہ مندرجہ ذیل مسئلہ کا فتویٰ بھیج دیں، آپ کے



پاس پہلے بھی دو عدد لفافے اسی مذکورہ ذیل مسئلہ پر ارسال کر چکے ہیں لیکن جواب سے محروم رہ گئے، دوبارہ نوازش نامہ ارسال ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ بھیڑ یا لیلا چھ ماہ کا کیوں نہیں جائز؟ اس جگہ ہمارے چک میں چھ مہینے کا جائز کرتے ہیں مہربانی کر کے اس کا فتویٰ بھیجدیں، فتویٰ باحوالہ واضح کر کے اور پورا صحیح صحیح لکھ کر بھیجدیں تاکہ ہم ان کو سمجھا سکیں۔

جواب جلد از جلد مطلوب ہیں، قربانی نزدیک ہے (فقط والسلام)

السائل: حافظ علی محمد، امام مسجد چک نمبر ۷/۱-ایل





حدیث شریف صحیح مسلم وغیرہ و اکثر کتب فقہیہ میں مصرح ہے کہ جذع من الضأن جائز ہے، یعنی ضأن کا جذع جائز ہے اور لغت عرب میں ضأن دنبے اور بھیڑ دونوں کو کہا جاتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ضأن سے مراد کیا ہے تو شرح الوقایہ ج ۴ ص ۳۳۸، طحطاوی علی الدر ج ۴ ص ۱۶۴، شامی علی الدر ج ۵ ص ۲۸۱ میں ہے ماله الیة یعنی اس ضان سے مراد وہ ہے جس کی چکی ہوتی ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمہ نے بھی اپنے فتاویٰ ج ۲ ص ۲۱۷ میں منح اور مفاتیح الجنان سے بھی نقل فرماتے ہوئے اس پر اعتماد کیا، بنا بریں مسئلہ واضح ہو گیا اور ظاہر یہ ہے کہ الضأن کے لام عہد کا اشارہ بھی اسی طرف ہے، اب جذع کے معنی پر بھی غور کرنا چاہیے تو اس میں ہمارے حضرات احناف کے بھی کئی قول ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ششماہہ کو کہا جاتا ہے حالانکہ لغت عرب میں جذع ضأن کا اطلاق سال



والے سے کم پر ہو ہی نہیں سکتا، عنایہ علی الہدایہ ج۸ ص ۴۳۵، کفایہ علی الہدایہ ص ۴۳۵، شامی ج۵ ص ۲۸۱، صراح ص ۳۰۸، منتہی الارب ج۱ ص ۱۵۲ میں ہے والنظم للشامی فی اللغۃ ما تمت لہ سنۃ، فتح الباری شرح البخاری ج۱۰ ص ۴، عینی علی البخاری ج۱۰ ص ۱۱۶ میں ہے ما اکمل السنۃ وھو قول الجمہور تو اگر جذع کا معنی ششماہہ لیا جائے جو ہمارے فقہائے کرام کے کئی اقوال سے ایک قول ہے تو الضان کا معنی بھی ویسا ہی لینا مناسب ہے جو فقہائے احناف نے ہی متعین فرمایا ہے یعنی دنبہ کہ چکلی والا وہی ہوتا ہے اور اگر الضان کا معنی عام لیا جائے کہ لغت میں بھیڑ اور دنبہ دونوں پر بولا جاتا ہے تو جذع کا معنی بھی لغت کا ہی لینا چاہیے یعنی سال بھر کا اور یہ نامناسب ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں فقہائے کرام کی ایک بات مان لی جائے اور دوسری کا انکار کیا جائے کہ یہ تلفیق ہے اور بعید از تحقیق ہے۔



واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

یکم ذوالحجہ ۷۴ھ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مؤدبانہ التماس ہے کہ چھ ماہ کا چھترا (یعنی لیلہ بھیڑ کا) قربانی کے لئے جائز ہے یا کہ نہیں؟ ثبوت مع کتبِ حدیث دینا ہوگا یا فقہ کے مطابق، چھترا اور دنبہ میں فرق ہے یا کہ نہیں؟ یا یہ ایک ہی نسل میں سے ہیں؟



بہت جلدی جواب فرمائیں، نہایت ہی ضروری تاکید ہے آپ کی عین نوازش ہوگی۔
زیادہ آداب نیاز۔ السائل: الحقیر الفقیر خاکسار علی محمد نوری



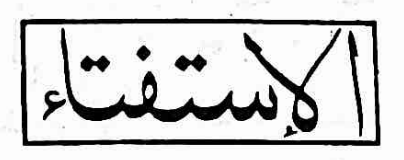


اس کا جواب بھی پچھلا جواب ہے مگر یہ اس سے زائد ہے تو ثابت ہوا کہ وہ شنشاہ ضأن جس کی قربانی جائز ہے، دنبہ کا بچہ ہے اور بھیڑ بکری کا بچہ کم از کم سال بھر کا چاہیئے، شامی ج۵ ص۲۸۱ میں ہے قید لانہ لا یجوز الجذع من المعز وغیرہ بلاخلاف کمافی المبسوط، درالمختار میں ہے وحول من الشاۃ والمعز۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان، اور ایسے فروعی مسائل میں زیادہ الجھنا بھی مناسب نہیں وھو الھادی۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ قربانی کے لئے چھترے کی کتنی عمر چاہیئے؟ بعض لوگ ششماہ کا جائز کہتے ہیں، بینوا توجروا۔
سائل: محبوب عالم صاحب لوسن پوری







سال یا سال سے بڑا ہونا ضروری ہے کہ ثنی ہونا شرط ہے کما فی عامۃ معتبرات المذھب المھذب اور استثنائے جذعہ ضأن دنبہ کے ساتھ خاص ہے، شرح الوقایہ ج ۴ ص ۳۳۸ اور منح سے شامی ج ۵ ص ۲۸۱، طحطاوی علی الدر ج ۴ ص ۱۶۴ نیز منح و مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام سے فتاوی عبد الحی ج ۲ ص ۳۱۷، مجموعۃ الفتاوی علی ہامش الخلاصہ ج ۴ ص ۳۱۷ میں بالفاظ متقاربہ ہے ھو مالہ الیۃ، کہ یہ ضأن جو ششماہہ جائز ہے وہ ہے جس کی چکی ہوتی ہے، شامی میں مزید افادہ فرمایا قید بہ لانہ لا یجوز الجذع من المعز وغیرہ بلا خلاف کما فی المبسوط قہستانی، یعنی یہ قید اس لئے لگائی کہ کسی اور قسم کا جذع بلا خلاف جائز نہیں تو جب جواز جذعہ (یعنی ششماہہ) چکی والے کے ساتھ خاص ہوا تو چھترا ششماہہ جائز نہیں کہ دوسرے قسم سے ہے چکی والا نہیں، اور چونکہ عربی میں چھترے کو بھی ضأن کہہ لیتے ہیں لہذا بعض احباب کو اشتباہ ہوگیا اور دونوں کو جائز کہہ دیا حالانکہ ذرا تدبر و غور سے دیکھتے تو تصریحات مندرجہ بالا سے حق واضح ہو جاتا، یہ تو نہایت نامناسب ہے کہ جذع کا معنی تو وہ لیا جو فقہائے کرام احناف نے بیان فرمایا اور ضأن اپنی طرف سے مطلق ہی رکھا، بعض کتاب کا ماننا اور بعض کا نہ ماننا بُرا ہے، اگر ضأن مطلق ہی رکھنا تھا تو جذع کا معنی بھی وہی کرتے جو جمہور نے کیا کہ پورے سال کا ہو، تب بھی حق واضح تھا بلکہ بعض صحابہ کرام کے نزدیک تو اب مطلقاً جائز نہیں ویدل



عليه ظواهر احاديث رواها مسلم وغيره اور بعض حضرات کے نزدیک مقید بالضرورۃ ہے کما یدل علیہ حدیث جابر مرفوعا عند مسلم وغیرہ کذا فی فتح الباری وغیرہ، تو اتنے اختلافات کے ہوتے ہوئے احتیاط ضروری خصوصاً ان حضرات کے نزدیک جو عمل بالحدیث کے مدعی ہیں۔

الحاصل چھترا ایک سال کا ضرور ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱ ماہِ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ

ذلک کذلک انا مصدق بذلک

المذنب ابوالرضا محمد حسن علی عفی عنہ



ﷺ جواب منجانب حضرت مولانا نصیر الدین صاحب نمبردار رکن پورہ

(نقل مطابق اصل)

"چھترا کی عمر ایک سال ہونی چاہیئے اور دنبہ کی عمر چھ ماہ ہے، اس سے کم عمر کی قربانی جائز نہیں ہے اور جو عام رواج ہے کہ قربانی میں چھترا چھ ماہ کا جائز، یہ غلط ہے، صرف دنبہ شش ماہہ جائز ہے نہ چھترا کیونکہ کہا ہے صاحبِ تنویر الابصار و درالمختار نے ویصح الجذع ذو ستۃ اشہر من الضأن قال صاحب الطحطاوی الضأن ما لہ الیۃ یعنی جس کے واسطے چکی ہو، اور چھترے کی چکی نہیں ہوتی مجلد الرابع مطبوعہ مصر ص ۱۶۴۔"

نصیر الدین بقلم خود از رکن پورہ



الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ وکعبہ سیدی جناب عالی قبلہ گاہ حضرت فقیہ اعظم پاکستان مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :- مزاج شریف!

خلاصہ آنکہ جزع من الضأن کے متعلق عرض ہے کہ آپ کا فتوٰی اس بارے میں کیا ہے، قبل ازیں شنید بھی آپکے فتوٰی بعدم جواز کی بغیر الیۃ بہار شریعت میں در المختار کے حوالے سے بندہ نے جائز دیکھا ہے، الیۃ کی شرط نہیں پس بندہ نے خود مندرجہ ذیل کتب میں الیۃ کی شرط نہیں دیکھی لہذا مجھے شبہ ہوا کہ میرا مغالطہ نہ ہو، قدوری، کنز الدقائق، ہدایہ، شامی، عالمگیری، فتاوٰی قاضی خاں، فتاوٰی سراجیہ (غیاث اللغات میں ضأن کا معنٰی میش ہے) ان تمام کتابوں میں الیۃ کی شرط نہیں اور کئی علماء کرام جواز کے قائل ہیں البتہ فتاوٰی عبدالحی میں منح الغفار شرح تنویر الابصار شرعۃ الاسلام، مفاتیح الجنان کے حوالے سے والضأن ما لہ الیۃ ہے، حدیث شریف میں تو کوئی الیۃ کی شرط نہیں الا الجذع من الضأن اور ضأن کا معنٰی لغت میں میش ہے اور میش لغت میں بھیڑ ہی کو کہتے ہیں، یہ تو بندہ کی رائے ہے واللہ اعلم بالصواب۔



فتاوٰی عبدالحی میں فقہاء کا اصطلاحی معنٰی تحریر ہے جو مذکور ہوا، بدائع صنائع اور مبسوط میں نہیں مل سکی، جواب جلد ارسال فرمائیں تاکہ یہ مسئلہ غلط مشہور نہ ہو جائے تاحال تو ہم مانعین سے ہیں حالانکہ ظاہر کتب مستند سے کوئی شرط مذکور مستفاد نہیں۔

سعید احمد فضلی فاضلی ٹھوی بیدم





فرزندِ عزیز مولانا صاحبزادہ فضلی صاحب فضلہ اللہ بالتحقیق الانیق

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :-

مولانا صاحب! تحقیق یہ ہے کہ اس جذع من الضأن سے عند الفقہاء ۳۳۷
'مالہ الیۃ' مراد ہے، رہا آپ کی تحقیق تو یہ بچپن ہی ہے کیونکہ شرح الوقایہ جلد چہارم ص
اور درر الحکام شرح الغرر ج ۱ ص ۲۶۹، شامی ج ۵ ص ۲۸۱، طحطاوی علی الدر ج ۴
ص ۴ ۱۶، غایۃ الاوطار ج ۴ ص ۱۸۶ اردو ترجمہ در المختار میں ہے مالہ الیۃ اور
شامی وطحطاوی نے حوالہ منح الغفار کا دیا ہے جو تنویر الابصار کی شرح خود مصنف علیہ الرحمہ
نے کی ہے جو در المختار کا متن ہے حالانکہ در المختار میں صرف الضأن ہی ہے تو آپ نے
در المختار کا کیوں ذکر کیا جبکہ الضأن بھیڑ اور دنبہ دونوں پر ہی بولا جاتا ہے تو الضأن
کے لام عہد خارجی کا کیوں نہ خیال کیا حالانکہ سب فقہاء الضأن معرف باللام ہی لکھ رہے
ہیں، بلکہ مبسوط ج ۱۲ ص ۱۰، بدائع الصنائع ج ۵ ص ۷۰، عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۷ میں
من الضأن خاصۃ ہے تو آپ عام کیوں کر رہے ہیں، در المختار شرح ہے
تنویر الابصار کی اور تنویر الابصار کے مصنف علیہ الرحمہ نے اس کی شرح منح الغفار میں
فرمایا مالہ الیۃ تو اگر درِ مختار کے مصنف کو یہ پسند نہ تھا بلکہ حکم عام تھا تو رد فرما دیتے
تو معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں بھی صحیح ہے کہ یہ حکم 'مالہ الیۃ' کا ہے اب اسکی دلیل
کہ یہ منح الغفار میں ہے، یہ کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ ج ۵ ص ۲۸۱ اور علامہ طحطاوی علیہ الرحمہ
ج ۴ ص ۱۶۴، حاشیۂ در المختار میں حوالہ منح سے لکھتے ہیں 'مالہ الیۃ' اور خود آپ نے





فتاویٰ عبدالحی کا حوالہ بھی دیا ہے اور یونہی در الحکام کے ج ۱ ص ۲۶۹ اور شرح وقایہ ج ۴ ص ۳۳۷ میں یہ تصریح کی ہے "مالہٗ الیۃ"، مگر آپ کو نظر نہیں آیا تو یہ صرف آپ کی کمزوری ہے، مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا۔

پھر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جذع کی عمر شش ماہ صرف فقہائے کرام نے لکھی ہے باقی جمہور اور اہلِ لغت، تو وہ کہتے ہیں کہ جذع من الضأن سال بھر کا ہوتا ہے چنانچہ شامی ج ۵ ص ۲۸۱، طحطاوی ج ۴ ص ۱۶۴، عنایہ علی الهدایہ ج ۸ ص ۴۳۵، کفایہ علی الهدایہ ج ۸ ص ۴۳۵، عینی علی الهدایہ ج ۴ ص ۱۸۴ والنظم للشامی لٰکن فی اللغۃ ما تمت لہ سنۃ، نہایہ اور عینی شرح البخاری ج ۲۱ ص ۱۴۶ میں ہے من الضأن ما اکمل السنۃ وھو قول الجمھور اور یونہی فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۔ تو اگر جذع من الضأن کی تفسیر میں "مالہٗ الیۃ" پسند نہیں تو جذع من الضأن کی تفسیر میں فقہاءِ کرام کی تفسیر کا کیوں اعتبار کرتے ہیں؟ یہ بھی اہلِ لغت اور جمہور کی تفسیر مانیں کہ سال کا ہو تو یہ ہمارے فقہاءِ کرام کے نزدیک بالاتفاق درست ہے اور تلفیق ہرگز نہ کریں کہ بعید از تحقیق ہے اور یہ بھی سوچیں کہ اگر صرف لغت کے لحاظ سے ضأن عام مراد ہے کہ چھترا کہیں تو قربانی بالاتفاق ادا نہ ہوگی جبکہ چھترا کی عمر سال نہ ہو تو شک میں ہرگز نہ پڑیں، انواع بارک اللہ ص ۳۸ میں خوب فرمایا ؎

بھیڈ قیاس دنبے نے کردے اکثر عالم بھائی
بعضے شرط کرن ہک سالہ احوط اہیا بھائی

بلکہ صراح میں ہے "آنچہ بسالِ دوم درآمدہ باشد" اور یونہی منتہی الارب میں ہے، پھر آپکا یہ جبروتی حکم کہ میش بھیڑ ہی کو کہتے ہیں، کہاں تک صحیح ہے؟ منجد ضاد میں ہے الضأن خلاف الماعز من الغنم اور یونہی سورۃ انعام کے اواخر میں من الضان ہے، وہاں تفسیریں دیکھو، ذوات الصوف ہوگا یعنی ضأن اون والے جانور کو کہتے ہیں اور یہ تو



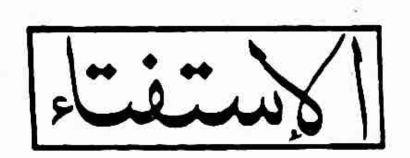


آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ دنبہ[1] کی بھی اون ہوتی ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور یہ مسئلہ فتاوی نوریہ قلمی جلد دوم[2] میں ص ۴۰ص ۸۲، ۸۳، ۱۰۵، ۱۱۱ تا ۱۱۲، ۲۰۹، ۲۱۰ میں بالتفصیل ہے، آپ کئی سال یہاں رہے اور اتنا بڑا مغالطہ،

واللّٰہ تعالٰی اعلم وصلی اللّٰہ تعالٰی علی حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللّٰہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۹۹ھ ۶ $\frac{11}{79}$



الاستفتاء

جس جانور کی پیدائشی دُم نہ ہو، قربانی کے لئے اس کے جواز و عدم جواز کے بارہ میں کوئی جزئیہ حضور کے پیشِ نظر ہو تو تحریر فرمائیں، فقیر نے موجودہ کتب میں کافی تتبع تلاش کی ہے مگر کہیں نہیں پایا ہے۔

وانا العبد الضعیف ابو البیان غلام علی غفرلہٗ خادم الطلبہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ جامع مسجد ستلج کاٹن ملز، اوکاڑہ

---

[1] غیاث اللغات میں صوف کے متعلق ہے: موئے دنبہ و میش ۱۲ منہ غفرلہٗ

[2] یہ تمام فتوے اسی جلد میں شامل کر دیے گئے ہیں۔ (مرتب)







پیدائشی دم نہ ہونا ہمارے امام الائمہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مانع نہیں ہے،
شامی ج ۵ ص ۲۸۳ میں ہے ذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ انہ یجوز
خانیہ اور قاضی خاں علیہ الرحمہ ج ۴ ص ۳۴۸ میں فرماتے ہیں والشاۃ اذا لم یکن لھا
اذن ولا ذنب خلقۃ یجوز قال محمد لا یکون ھذا ولو کان
لا یجوز وذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ انہ یجوز اور قاضی خاں
علیہ الرحمہ کا تقدیم یجوز دلیل ترجیح واختیار ہے کہ خطبہ میں تصریح فرما چکے ہیں وقدمت
ما ھو الاظھر وافتتحت بما ھو الاشھر ولا یخفی ما فی حصر
الاظھریۃ والاشھریۃ من التقویۃ وکلمۃ الشاۃ فی موضوع
المسئلۃ لیست بقید بل علی داب المشائخ فی سرد المسائل
وذا ظاھر جدا علی خادم کلماتھم الطیبۃ طرا۔
واللہ تعالی اعلم وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ والہ
وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی قادری غفی بصیرپوری ۲ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۷۳ھ



از طرف حافظ شاہ محمد

جناب مولانا نوراللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔

گزارش ہے آنجناب سے ایک مسئلہ ذبح قربانی بابت فتوٰی طلب ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بکرا ہے جس کو مالک نے خصّی کیا ہوا ہے اور اس کی انڈیں یعنی خائے چیڑا چیر کر بدن سے علیحدہ کر کے پھینک دئے گئے، اب آپ سے امر طلب یہ ہے کہ وہ بکرا اب قربانی کے لائق ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب جواب سے مشکور فرمائیں۔

یعنی کئی علماء کرام سے پوچھا ہے، سب علماء کرام اس مسئلہ قربانی کو جائز قرار دیتے ہیں مگر اسلام کی ساتویں کتاب میں مولانا مولوی غلام قادر بھیروی ایسی قربانی کو بالتشریح ناجائز یعنی منع فرماتے ہیں کیونکہ خلئے بدن سے علیحدہ کئے گئے ہیں، اس واسطے ناجائز ہے، آپ مہربانی فرما کر پوری پوری تشفی مع حوالہ کتب کے تحریر فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں، فقط

میرا پتہ یہ ہے:

ریاست بہاولپور ضلع بہاولنگر ڈاک خانہ فقیر والی چک ۱۳۷ ون ایل پاس حافظ شاہ محمد امام مسجد کو ملے۔





ایسا بکرا جو سوال میں مذکور ہے، قربانی کے لائق ہے، کنز الدقائق لاہوری ص ۳۴۸، شرح الوقایہ ج ۴ ص ۳۳۷، ہدایہ ج ۴ ص ۱۴۶، در المختار مع الشامی ج ۵ ص ۲۸۲، مبسوط ج ۱۲ ص ۱۱، فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۱۷۶، خلاصۃ الفتاوٰی ج ۴، ص ۳۱۴، فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۸۰ والنظم من الخلاصۃ والذکر منہا



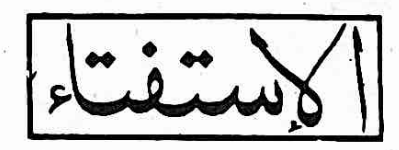
افضل اذا كان خصيا، یعنی بھیڑ بکری سے نر بہتر ہے جبکہ خصی ہو کیونکہ خصی کا گوشت بہتر ہوتا ہے، مبسوط میں ہے وکان ابراھیم یقول ما یزاد فی لحمه بالخصاء انفع للمساکین مما یفوت بالانثیین اذ لا منفعة للفقراء فی ذٰلک اور ایسے ہی اور معتبرات میں بھی ہے اور لغتِ عرب میں خصی کہتے ہی اسے ہیں جس کے خلئے نکالے گئے ہوں، منتہی الارب ج ۱ ص ۳۳۵ میں ہے: مخصی خایہ کشیدہ (ص) اخصاہ خصائر بالکسر والمد خصی کرد اور نیز اسی میں ہے: خصی کغنی خایہ کشیدہ، صراح ص ۷۴ ۵ میں ہے: خصاء بالکسر والمد خایہ کشیدن (ع ذاکر) خصی لغة منہ، دستور العلماء ج ۲ ص ۸۲ میں ہے من کانت له آلة قائمة ونزع خصیاه، حاشیہ شرح الوقایہ چلپی میں ہے ھوالذی اخرجت خصیاه، عینی شرح کنز الدقائق میں ہے المخصی منزوع الخصیتین اور یہ تو بڑا ظاہر کہ خایہ کھلنے کے کام تو آتا نہیں پھر ان کا نکال دینا یا مل دینا ایک ہی معنی میں ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں الموجوء الذی یلوی عروق الخصیة فیصیر کالخصی مبسوط سے سن چکے اذ لا منفعة الخ

واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ تعالیٰ وصلی علی محبوبہ الاعلیٰ وآلہ وصحبہ التقی۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۷ ذوالحجۃ المبارکہ ۶۵ھ





الاستفتاء

جناب حافظ محمد سعید صاحب سکھیر زادت عنایاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، : مزاجِ گرامی !

آپ کی طرف سے مسمی محمد حسین تیلی نے دریافت کیا کہ ایسی گائے جس کے تین تھنوں سے دودھ آتا ہے اور ایک تھن سے دودھ نہیں آتا اور مقدار میں بھی چھوٹا ہے، پیدائشی ایسا ہے، کٹا ہوا نہیں اور کوئی بیماری بھی نہیں تو کیا ایسی گائے کی قربانی ہوسکتی ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے :-





ایسی گائے کی قربانی شرعاً جائز ہے، خلاصۃ الفتاوٰی ج ۴ ص ۳۲۱ میں ہے والتی لا ینزل لھا لبن غیر علۃ اور شامی ج ۵ ص ۲۸۳ میں ہے وذکر فیھا جواز التی لا ینزل لھا لبن من غیر علۃ، نیز فتاوٰی عالمگیری ج ۴ ص ۸۰، ۸۱ میں ہے ومن الابل والبقر اذا انقطع اللبن من ضرعیھما بعدازاں فرمایا کل عیب یزیل المنفعۃ علی الکمال او الجمال علی الکمال یمنع الاضحیۃ ومالا یکون بھذہ الصفۃ لا یمنع تو ثابت ہوا کہ وہ گائے جائز ہے البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مستحب یہ ہے کہ کوئی ایسا چھوٹا عیب بھی نہ ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ



۲۰ ۳/۶۷

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایسی گائے بکری جس کا سینگ مینگ تک ٹوٹ گیا یا مینگ بھی قدرے ٹوٹ گیا تو کیا وہ قربانی بن سکتی ہے؟ کہا جاتا ہے کہ جائز نہیں کیونکہ بعض کتب فقہیہ میں ہے کہ سینگ مشاش تک ٹوٹ جائے تو جائز نہیں اور مشاش کا معنے سینگ ہے کما فی لسان العرب وتاج العروس۔

نوٹ: مینگ سینگ کا وہ اندرونی حصہ ہے جس پر سینگ غلاف کی طرح ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: محمد اجمل مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور
مؤرخہ ۹ ذوالحجۃ المبارکہ ۱۳۹۱ھ

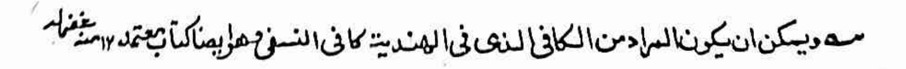




مینگ بایں معنیٰ سینگ ہی ہے جس کو عربی میں قرنِ داخل یعنی اندرونی سینگ اور اس کا غلاف بیرونی سینگ ہے جسے قرنِ خارج کہا جاتا ہے، لسان العرب ج ۷ ص ۱۵۵ اور ج ۱۲ ص ۴۸۵، قاموس اور اس کی شرح تاج العروس ج ۹ ص ۲۹، فقہ اللغۃ ص ۷۵ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم من اللسان القصماء المکسورۃ



القرن الخارج والعضباء المکسورۃ القرن الداخل۔ صحاح ج۱ ص۱۸۳ اور
لسان العرب ج۱ ص۶۰۹۔ قاموس اور تاج العروس ج۱ ص۳۸۷، مغرب ج۲ ص۴۰
میں ہے العضباء الشاۃ المکسورۃ القرن الداخل۔ ان عبارات سے
روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ مینگ بھی سینگ ہی ہے اور سینگ کے متعلق اہل الاطلاق
کتب معتمدۂ مذہب مہذب ظاہر الروایۃ وغیرہا میں ہے کہ پیدائشی بے سینگ یا ٹوٹے
ہوئے سینگ والا جانور جائز ہے، کافی، مبسوط السرخسی اور شرح ج۱۲ ص۱۱ اور کافی میں ہے
فتاوی عالمگیری ج۴ ص۸۰، بدائع صنائع ج۵ ص۷۶، فتاوی امام قاضی خان ص۲۴۹،
ہدایہ ج۴ ص۴۳۲ میں بالفاظ متقاربہ ہے والنظم من الھندیۃ ویجوز بالجماء
التی لا قرن لھا وکذا مکسورۃ القرن کذا فی الکافی حالانکہ کافی[سہ] ظاہر الروایۃ
کا مجموعۂ معتمدہ ہے اور مبسوط اس کی وہ بلند پایہ شرح ہے کہ اسی پر فتوی دینا اور اعتماد
کرنا چاہیئے اور اس کے خلاف پر عمل نہ ہو، شامی ج۱ ص۶۴ میں ہے واعلم ان
من کتب مسائل الاصول کتاب الکافی للحاکم الشہید وھو کتاب معتمد
فی نقل المذھب شرحہ جماعۃ من المشائخ منھم الامام شمس الائمۃ
السرخسی وھو المشھور بمبسوط السرخسی لا یعمل بما یخالفہ
ولا یرکن الا الیہ ولا یفتی ولا یعول الا علیہ، اور بدائع، خانیہ، ہدایہ اور ہندیہ
کا علو شان بھی نہاں نہیں، تو امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ ایسی گائے بکری قربانی بن سکتی
ہے، بلکہ مشائخ عظام نے تو یہ تصریح بھی فرمادی کہ پیدائشی بے سینگ کی بہ نسبت
ٹوٹے سینگ والا جانور بطریق اولی جائز ہے۔ تبیین الحقائق ج۶ ص۵، عینی علی الکنز
ص۴۴۸، مجمع الانہر ج۲ ص۵۱۹، طحطاوی علی الدر ج۴ ص۱۶۴ میں ہے والنظم
منہ بل ھو اولی منہ۔ یعنی جماء جائز ہے تو شکستہ شاخ بطریق اولی جائز ہے کہ


سہ ویمکن ان یکون المراد من الکافی الذی فی الھندیۃ کافی النسفی وھو ایضا کتاب معتمد ۱۲ منہ غفرلہ

اس میں سینگ کا کچھ نو نشان ہوتا ہے پھر فقہائے کرام نے اس کی تعلیل و توجیہ
میں یہ فرمایا کہ قربانی کا مقصود اصلی یعنی گوشت سینگ سے متعلق نہیں تو اس کا ہونا
نہ ہونا برابر ہے۔ مبسوط، ہدایہ، عینی، طحطاوی کے انہی صفحات میں ہے
والنظم من المبسوط فلان ما فات منها غیر مقصود لان الاضحیۃ
من الابل افضل ولا قرن لہ۔ اور ایسے جانور کی قربانی کا مبنیٰ وہ فتوائے مبارکہ
ہے جسے حضور باب العلم مولائے مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے صادر فرمایا
تو صحیح اسنادوں سے بلاشک وشبہہ وریب ثابت ہے کہ سینگ کا ٹوٹنا نقصان
نہیں دیتا اور اس میں کوئی ڈر نہیں، سنن الترمذی بالتصحیح ج ۱ ص ۱۹۴، مستدرک مع التصحیح
وتقریر الذہبی ج ۴ ص ۲۲۵ میں ہے والنظم من الترمذی کہ سائل کے سوال
فمکسورۃ القرن کے جواب میں حضور والا نے ارشاد فرمایا لا بأس امرنا
او امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نستشرف العینین
والاذنین اور شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۹۷، سنن دارمی ج ۲ ص ۴، مستدرک ج ۴
ص ۲۲۵ مع تصحیح الحاکم وتقریر الذہبی ہے والنظم من الطحاوی
اتی رجل علیا رضی اللہ عنہ فسألہ عن مکسورۃ القرن فقال لا یضرك
قال عرجاء قال اذا بلغت المنسك امرنا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن۔ بدائع صنائع میں فرمایا لما روی
ان سیدنا علیا رضی اللہ عنہ سئل عن القرن فقال لا یضرك
امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث، اور بدائع میں دوسری روایت
میں لا یضرك کے عوض لا ضیر ہے اور یونہی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا
بھی یہی ارشاد ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۸۴، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۹۶
سنن نسائی ج ۲ ص ۲۰۲، دارمی ج ۲ ص ۴، مستدرک ج ۱ ص ۴۶۸ میں بالفاظ متقاربہ
ہے قلت للبراء فانی اکرہ ان یکون فی السن نقص وفی الاذن



نقص و فی القرن نقص قال فما کرھت فدعہ و لا تحرمہ علیٰ احد قال الحاکم ولھذا الحدیث شواھد کثیرۃ متفرقۃ باسانید صحیحۃ وقال الذھبی صحیح ولہ شواھد، اور ایسے ہی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بھی جواز مروی ہے، مبسوط سرخسی میں فرمایا وقد روی فی ذلک عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور یہ صرف ہمارے ہی نزدیک نہیں بلکہ حضرت امام شافعی جمہور ائمہ و علماء اسلام کا یہی مذہب ہے کہ ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔ حضرت امام محی الدین نووی علیہ الرحمہ شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۵ میں فرماتے ہیں جوزہ الشافعی وابوحنیفۃ والجمھور سواء کان یدمی ام لا اور یونہی عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۳ ص ۵۵ میں ہے ذھب ابوحنیفۃ والشافعی والجمھور الیٰ انھا تجزئ التضحیۃ بمکسورۃ القرن مطلقا اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا بھی یہی مذہب ہے البتہ اگر خون جاری ہو تو چونکہ خون کا جاری ہونا ان کے نزدیک مرض ہے اور مریض کی قربانی جائز نہیں، لہذا جائز نہیں اور فرماتے ہیں کہ خون بند ہو جائے تو جائز ہے، مذہب مالکیہ کا معتمد ترین اور قدیم ترین فتاوی المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲ میں ہے قلت ارأیت ان کانت مکسورۃ القرن ھل تجزئ فی الھدایا والضحایا فی قول مالک قال مالک نعم ان کانت لا تدمی قلت ما معنی قولہ ان کانت لا تدمی ارأیت ان کانت مکسورۃ القرن فند برأ ذلک و انقطع الدم وجف ایصح ھذا ام لا فی قول مالک قال نعم اذا برأت انما ذلک فی ما اذا کانت تدمی بحدثان ذلک قلت لما کرھہ مالک اذا کانت تدمی قال لانہ





.... مرضا من الامراض۔

ان سب نصوصِ حدیثیہ وفقہیہ وغیرہا میں قرن مطلق ہے جو خارج وداخل دونوں قرنوں کو شامل ہے والاطلاق حجۃ کالنص، پھر ان سب نصوص میں مکسورۃ القرن ہے یا ایک میں لفظِ نقص بھی آیا ہے مگر قصماء یا عضباء نہیں آیا جس کا صریح مفاد یہ ہے کہ یہ حکم صرف قرنِ خارج یا صرف قرنِ داخل سے خاص نہیں ورنہ قصماء یا عضباء سے تعبیر کرتے وذا ممالا یخفی۔ پھر مشائخ عظام کا مسئلہ جماء کو اصل اور مسئلہ مکسورۃ القرن کو اسی پر بنا فرمانا بھی دلیل عموم ہے کہ جماء دونوں قرنوں سے خالی ہے اور تعلیل مبسوط وہدایہ وغیرہا کا بھی یہی تصریحی مفاد ہے کیوں کہ قرنِ خارج کی طرح قرنِ داخل بھی خوردنی نہیں اور یونہی اونٹ دونوں قرنوں سے عاری ہے حالانکہ اس کی قربانی افضل ہے۔ پھر حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کا فتوائے مبارکہ میں لا بأس اور لا یضر فرما کر متصل ہی یہ فرمانا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن بھی عموم کی دلیلِ اول ہے اور چھٹی دلیل یہ کہ علامہ نووی علیہ الرحمہ نے مذہب جمہور کے بیان میں یدمی اور لا یدمی فرمایا حالانکہ جریانِ خون قرنِ داخل کے انکسار سے ہی ہو سکتا ہے اور ساتویں دلیل عموم یہ کہ فقہاء کرام نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ یہ جواز تب ہے کہ انکسار دماغ تک نہ پہنچے ورنہ جائز نہیں، فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الھندیۃ المصریہ ج ۶ ص ۲۹۳ میں ہے والتی لا قرن

سه لا یقدم مابین "لانہ" و "مرضا" لضعف الوقتین والتصاقھا فان "لانہ" فی اخر ص ۲ و "مرضا" فی اول ص ۳ والظاھر ان مابینھما کلمۃ "صار" او "عدہ" او ما بمعنی احدھما واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

عه عینی علی الہدایہ ج ۴ ص ۱۸۲ طبع نولکشور میں ہے وقال مالک ان کان قرنہ یدمی کثیر الم یجزہ لانہ بالادماء تصیر کالمریضۃ ۱۲ ابو الخیر النعیمی غفرلہ ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۹۲ھ، یکم مئی ۱۹۷۲ء یوم الاثنین المبارک





لہا من الاول یجوز فان انقطع او انکسر یجوز الا اذا بلغ الدماغ خلاصۃ الفتاوٰی ج ۴ ص ۳۲۰، کتاب الفقہ ج ۱ ص ۵۹۵، فتاوٰی برہنہ ج ۱ ص ۳۵۳، جامع الرموز ص ۴۵۶، شامی ج ۵ ص ۲۸۲ میں ہے ان بلغ الکسر المخ لا یجوز، لسان العرب ج ۳ ص ۵۲، قاموس اور اس کی شرح تاج العروس ج ۲ ص ۲۷۷، منجد ص ۳۵۰ میں ہے والنظم من اللسان المخ الدماغ حالانکہ روز روشن کی طرح واضح ہے کہ قرنِ داخل نصف سے زائد بھی کٹ جائے تب بھی کٹا ہوا دماغ تک نہیں پہنچتا البتہ اگر جڑ سے اکھڑ جائے چونکہ جڑ اور کھوپڑی کی اوپر کی ہڈی کا خلقۃً اتصال ہے لہذا یہ کٹا ہوا دماغ تک پہنچ سکتا ہے جو حقیقۃً انقلاع القرن یا استیصال القرن ہے اور ایسے جانور کو مستاصلہ کہا جاتا ہے جس کی ممانعت ایسی حدیث مرفوع و مسند میں آئی جس کی تصحیح حاکم نے فرمائی قررہ الذھبی نصا و سکت علیہ ابوداؤد و معلوم ان سکوتہ دلیل الرضا ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱، مستدرک ج ۴ ص ۲۲۵ میں ہے والنظم لابی داؤد انما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المصفرۃ والمستأصلۃ (الی ان قال) والمستأصلۃ التی یستأصل قرنہا من اصلہ اور ہر صورت میں عدمِ جواز اس لئے نہیں کہ قرنِ داخل ٹوٹ گیا ہے بلکہ اس لئے کہ اس کے اکھڑنے سے کھوپڑی ٹوٹ گئی اور جانور بیمار ہوگیا جس کی بیماری بیّن ہے یا اس لئے کہ شدتِ درد سے دبلا ہو جائے گا تو خارج فی المقصود بن جائیگا اور پر ظاہر کہ یہی صورت انقلاع مراد ہے اس عبارت سے جو بدائع ج ۵ ص ۷۶ اور اسی سے ہندیہ ج ۴ ص ۸۰، شامی ج ۵ ص ۲۸۲ میں ہے ان بلغ الکسر المشاش لا یجزیٔ سیتضح ان شاء اللہ تعالیٰ اور آٹھویں دلیل یہ کہ قرنِ داخل ٹوٹے ہوئے جانور کے متعلق کتبِ حدیث میں ایک ایسی حدیث مرفوع مروی ہے جس کے راوی حضرتِ مولائے مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم





ہیں اور اس حدیث سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے جو شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۹۷، سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۹۴، نسائی ج ۲ ص ۲۰۳، ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲، ابن ماجہ ص ۲۳۴، مستدرک ج ۱ ص ۴۶۸، سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۹۴ میں ہے جس کی تصیحح و تحسین ترمذی نے فرمائی والکلمات عن الاول قال سمعت علیا رضی اللہ عنہ یقول نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عضباء القرن والاذن حالانکہ عضباء القرن کا تعلق قرنِ داخل سے ہی ہے کما مر عن اللسان والقاموس و تاج العروس وفقہ اللغات والمغرب تو اگر مکسورۃ القرن کا جواز قرنِ خارج کے ساتھ ہی خاص ہوتا تو ہمارے ائمہ و مشائخ بلکہ جمہور علماء و فقہاء مکسورۃ القرن الخارج فرماتے مگر یوں نہیں کہا بلکہ اس حدیث کی ہی تاویل وغیرہ کرتے ہیں چنانچہ مرقات ج ۳ ص ۳۱۰ میں اسی حدیث کی شرح میں حضرتِ ملا علی قاری فرماتے ہیں فیکون النہی تنزیہا اور یہ تو مبرہن و مبین ہی ہے کہ نہی تنزیہی سے کراہتِ تنزیہیہ ہی ثابت ہوتی ہے جو جواز کے مخالف نہیں بلکہ افادہ جواز کرتی ہے[1] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے مراد وہی استیصال القرن والی صورت ہے یعنی بالکل جڑ ہی سے نکل جائے حتی کہ دماغ نظر آنے لگے چنانچہ ابوداؤد کی شرح عون المعبود ج ۳ ص ۵۵ میں اسی حدیث کی شرح میں ہے قال فی البحر ان اعضب القرن المنہی عنہ ھو الذی کسر قرنہ او عضب من اصلہ حتی یری الدماغ لا دون ذلک فیکرہ فقط اور امام طحاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ حدیث ہے ہی منسوخ ورنہ حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم جو اس حدیث کے راوی ہیں اس کے خلاف مکسورۃ القرن کا فتوے ہرگز نہ دیتے۔ شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۹۸ میں ہے



---

[1] ای تنزیہا کما فی آخر الجواب ۱۲ منہ غفرلہ



فان قال قائل فانت لا تکرہ عضباء القرن و فی حدیث جری بن کلیب عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم النھی عنھا قیل لہ انما ترکنا ذلک لان علیا رضی اللہ عنہ لم یر بذلک بأسا فیما قد رویناعنہ فی حدیث حجیۃ بن عدی فعلمنا بذلک ان علیا رضی اللہ عنہ لم یقل بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف ما قد سمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا بعد ثبوت نسخ ذلک عندہ"

تو واضح ہوا کہ مکسورۃ القرن میں قرن عام ہے داخل وخارج دونوں کو شامل ہے ورنہ کوئی سوال ہی نہ پڑتا بلکہ اس حدیث کا حکم قرنِ داخل کے ساتھ ہی مختص ہوتا اور مکسورۃ القرن کا جواز قرنِ خارج سے ہی خاص ہوتا تو تاویل وغیرہ کی ضرورت نہ پڑتی۔ رہا سائل کا لسان العرب اور تاج العروس کے حوالہ سے مشاش کا معنی قرنِ داخل کہنا تو وہ معتبر نہیں کیونکہ جن کتبِ فقہیہ میں مشاش کا ذکر آیا ہے ان میں وہیں متصل ہی مشاش کا وہ معنی بیان کیا ہے جو لسان العرب وغیرہ کتبِ لغت وغیرہا میں بھی مذکور ہے تو وہی معتبر ہے۔ بدائع، ہندیہ، شامی میں ہے ان یبلغ المشاش لا یجوز وھی رؤس العظام، مجمع البحار ج ۳ ص ۳۰۲ اور نہایہ، در النثیر ج ۴ ص ۱۰۲ میں ہے والنظر من الدر المشاش رؤس العظام کالمرفقین والکتفین والرکبتین، نیز مجمع ونہایہ میں دوسرا قول بھی بیان کیا ہے کہ رؤس العظام اللینۃ التی یمکن مضغھا لسان العرب ج ۶ ص ۳۴۷ اور تاج العروس ج ۴ ص ۳۵۱ میں مادۂ مشش میں یہ دونوں معنی بیان کئے اور ساتھ ہی اور بھی کئی معانی بیان کئے مگر قرنِ داخل کا ذکر ہرگز نہ کیا، اس کا ذکر تو صرف مادۂ عضب میں یعنی عضباء میں تبعاً ہے، بہر حال معتبر وہی معنی ہے جو خود فقہائے کرام نے بیان فرمایا کہ صاحب





البیت) دسہی بمافیہ اور پھر فقہائے کرام کا معنی لسان وتاج والے برمحل ذکر کر رہے ہیں تو اس کے خلاف کا اعتبار کیسے ہو اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ مشاش مشاشہ کی جمع ہے تو مشاشہ کا معنی راس العظم ہوا مگر حیوانات ضحایا کے قرون جمع ہے لہذا المشاش فرمایا تو رؤس العظام سے تفسیر کی، اب دیکھنا یہ ہے کہ رؤس العظم سے مراد یہاں کونسا حصہ ہے تو ظاہر ہے قرن داخل کا بالائی حصہ مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ روز روشن کی طرح واضح ہو چکا کہ قرن داخل کا انکسار مانع نہیں تو اس کی صرف بالائی طرف کا انکسار کیسے مانع بن سکتا ہے اور وہ کلمرفقین والمکتفین والمرکبتین بھی نہیں اور نہ ہی ایسا نرم کہ چبانے اور کھانے کے قابل ہو لہٰذا وہ مراد نہیں البتہ قرن داخل کا حصہ زیریں یعنی اس کی جڑ جو سر کی کھوپڑی میں ہی پیوست ہے، مراد ہو سکتا ہے کہ وہ بھی راس معنی طرف ہے[سے] اور وہی جڑ کھوپڑی کے لئے بمنزلہ راس ہے کیونکہ کھوپڑی کا وہ حصہ جو قرن کے ساتھ مشترک ہے دائرہ نما خلا ہوتا ہے، کھوپڑی کی ہڈی ہر طرف سے وہیں آکر ختم ہو جاتی ہے اور اس کا ٹوٹنا سر کی ہڈی کا ٹوٹنا ہے جس سے انکسار دماغ د مخ تک پہنچ جاتا ہے اور وہی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس کا ذکر عون المعبود سے گذرا اور راس کا مانع ہونا بھی اس لئے نہیں کہ یہ وہ انکسار القرن ہے بلکہ اس لئے کہ یہ انقلاع القرن ہے اور انجراح الراس ہے جو ایسا مرض ہے کہ مہلک بن سکتا ہے اور درد شاریہ کے باعث مقصود کو بھی نقصان پہنچاتا ہے تو فقہائے کرام کی وہ مختلف عبارات جن میں بلوغ الی المخ والدماغ



سے جیسے کہ محاورات میں کہا جاتا ہے یا راس یعنی اصل ہے کما فی قولہ تعالیٰ فلکم رؤس اموالکم، دف البحر المحیط ج ۲ ص ۳۳۹ رؤس الاموال اصولها وكذا فی الجلالین ۱۲ منہ غفرلہ



اور المشاش کا ذکر ہے، سب متفقۃ المعنی بن گئیں اور مکسورۃ القرن کا عموم وشمول بھی برقرار رہا بلکہ بلوغ الی المخ وغیرہ فرمانا ہی اس عموم کو ظاہر کر رہا ہے کیونکہ بلوغ الی المخ وغیرہ کی صورت میں کسر القرن مانع نہیں کہ وہ مرض مہلک یا نقصان بدہ مقصود نہیں بلکہ مانع جواز انقلاع القرن یا انجراح الراس ہے جو کسر القرن پر موقوف نہیں بلکہ صحیح وسالم پورے قرن کا قلع بھی یہ صورت پیدا کر دیتا ہے تو ماہ نیم ماہ و دہر نیم روز کی طرح نمایاں ہوا کہ کسر القرن مانع جواز نہیں اگرچہ قرن داخل سے ہی متعلق ہو البتہ اس میں شک نہیں کہ کسر القرن ایک عیب یسیر (چھوٹا) ضرور ہے تو جس طرح اس قسم کے دوسرے چھوٹے عیبوں سے مبرا ہونا مستحب ہے اسی طرح اس سے بری ہونا بھی مستحب ہے شامی ج ۵ ص ۲۸۲ میں ہے واعلم ان الکل لا یخلو عن عیب والمستحب ان یکون سلیما عن العیوب الظاھرۃ فما جوز ھٰھنا جوز مع الکراھۃ[للعہ]، ص ۲۸۴ میں فرمایا لانہ خلاف المستحب ھٰذا ما استفید من نصوص اسفار المذھب المھذب واللہ اعلم فان کان حقا فمن اللہ العلیم الحکیم الھادی المنان وان کان خطأ فمنی ومن الشیطٰن ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم وصلی اللہ تعالٰی وسلم علٰی سیدنا ومولانا محمد و



سے بفضلہ تعالٰی اس فتوٰی کے پورے تین ماہ بعد ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۹۲ھ صبح آٹھ بجے مدرسہ نعمانیہ لاہور کے کتب خانہ سے عینی علی الہدایہ میں نہایت ہی واضح نص حضرت محرر المذہب امام محمد علیہ الرحمہ سے مل گئی وہو ہذا: وقال محمد فی الاصل لو کسر بعض قرنہا او جمیعہ اجزأت، عینی علی الہدایہ ج ۴ ص ۱۸۲ طبع نولکشور والاصل ہو الاصل فاغتنم ھٰذا ۱۲ منہ غفرلہ ۱۵ ربیع الاول شریف ۹۲ھ

للعہ: ای التنزیہیۃ فانہا ھی خلاف الاولٰی وخلاف المستحب کما حقق وبین فی محلہ ۱۲ منہ غفرلہ



آلہ و اصحابہ و علماء امتہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ خادم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف
شب ۱۴ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۹۱ھ ۳۰/۱/۷۲

الجواب حق صحیح و صواب
والمفتی المحقق مصیب و مصاب والحق احق ان یتبع

قال بفمہ و نمقہ بقلمہ الاحقر محمد اکبر غفر لہ البر
خادم دار الافتاء مفتاح العلوم بہاولنگر

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ



الاستفتاء

حضرت قبلہ محترم مولانا صاحب مد ظلہم

السلام علیکم: کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے:۔
ایک گائے جس کا سینگ دائیں جانب کا دوسرے سینگ سے مقابلۃً پون انچ تقریباً چھوٹا ہے یعنی کسی لڑائی میں مویشی کے ساتھ اس کی ٹوپی بھر گئی تھی نیز اس گائے کے تقریباً دو ماہ کے حاملہ کا بھی شبہ ہے، کیا اس کی قربانی بروئے شریعت جائز ہے؟ جوابی آگاہی بخشیں۔ والسلام
تابعدار: مطلوب احمد صدیقی، پی۔ ایس، لنک برجی ۱۷۲





وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

ایسی گائے کی قربانی شرعاً جائز ہے کیونکہ سینگ کا ہونا ہی شرط نہیں تو بھرنے سے کیا حرج ہے البتہ اگر جڑ سے نکل جائے تو عیب ہے نیز شبہے کا تو اعتبار ہی نہیں، اگر واقعی حاملہ ہے تو قربانی اس کی بھی جائز ہے۔ شریعت میں یہ شرط ہرگز نہیں کہ حاملہ نہ ہو، فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۳۰۰ میں ہے ویجوز الجماء وکذا مکسورۃ القرن کذا فی الکافی نیز اسی میں ہے الغنم والابل والبقر الخ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۵ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۸۶ھ ۱۷/۳/۶۷





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بیل جس کی رانوں کا چمڑا ڈھلا تھا لیکن اب اس کی جلد اچھی ہو چکی ہے، فقط سفید سفید نشانات موجود ہیں، اس کا کلھا کا نشان موجود ہے اس پر بھی بال اُگے ہوئے



ہیں، بیل کی عمر جوان ہے، خوب موٹا تازہ ہے، دیکھنے میں قد آور خوبصورت بھی لگتا ہے
کیا یہ بیل قربانی کے لئے جائز ہے؟

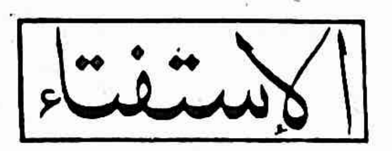
السائل
مولوی غلام مرتضےٰ امام مسجد پنڈ لجا گیر
۲۰۱۰۷۴





بصورتِ صحتِ سوال وہ بیل شرعاً یقیناً قربانی کے قابل ہے کہ یہ چیزیں مانع
نہیں کما فی اسفار المذہب المھذب الحنفی۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وبارک وسلم۔
حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۶ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۹۷ھ



محترم مولوی نور اللہ صاحب دام اقبالہ
السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ خیریت طرفین مدام نیک مطلوب ہے، صورتِ احوال
یہ ہے کہ علمائے دین اس مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے ایک بھینسا

اپنی گرہ سے ۷۰ روپے میں خریدا اور دس بارہ روز اپنے گھر رکھا پھر انہوں نے قربانی کے لئے ستر روپے میں فروخت کیا اور دو بکھرے اپنے رکھے، یہ مسئلہ درست ہے یا کہ نہیں؟ اور اس کے بعد ان کو مجبور کیا گیا، یا تو منافع نہ لو اور یا اپنے بکھرے نہ رکھو۔ جب ان کو مجبور کیا گیا تھا اس وقت آٹھ دن گزر چکے تھے اور وہ علیحدہ کئے گئے تھے اور ان کی جگہ دو اور بسیری شامل کئے گئے اور جن کو مجبور کیا گیا تھا انہوں نے دوسری جگہ کہیں بکھرے لے لئے، اس مسئلہ کا مکمل تشریح سے فیصلہ لکھیں۔ حامل رقعہ ہذا مولوی محمد دین نے زبانی بیان کیا ہے کہ وہ دو شخص تجارت پیشہ ہیں اور وہ بھینسا بھی فروخت کرنے کے لئے ہی خریدا تھا اور جب انہیں مجبور کیا گیا تو بھینسے کے حصے چھوڑ کر گلے میں دو حصے پالے جو ایک سو چالیس کی بنے اور آخر وہ دو حصے بھینسے کے رضا سے چھوڑ دیئے۔ فقط والسلام

السائل: وزیر علی شاہ، چک لسنت پورہ





شرعاً وہ بھینسا تجارت کا ستر روپے کا خریدا ہوا ستر روپے میں فروخت کرنا جائز ہے اور اپنے حصے بھی رکھ سکتے ہیں، قرآن کریم میں ہے احل اللہ البیع، نیز ارشاد ہے الا ان تکون تجارۃ عن تراض اور مجبور کرنے والوں نے غلطی کی ہے، انہیں ایسا کرنا جائز نہیں تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مجبور کرنے کے بعد وہ دو شخص اگر اپنی رضا سے حصے چھوڑ گئے ہیں تو سب کی قربانی جائز ہے



اور اگر محض زبردستی کی اور بالکل راضی نہ تھے، دھکیل کر نکالے گئے تو جائز نہیں، وہی قرآن کریم کا حکم الا ان تکون تجارۃ عن تراض اور رضا سے نکلے تو دوسرے حصے پہلے حصوں سے چونکہ قیمت میں زائد ہیں تو ان کے حق میں بھی کوئی حرج نہیں، مبسوط ج ۱۲ ص ۱۳ میں ہے واذا اشترى اضحية ثم باعها فاشترى مثلها فلا بأس بذلك۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۸ ر ذی الحجۃ المبارک ۷۴ھ



الاستفتاء

السلام علیکم: اس مسئلہ کے متعلق علمائے دین کیا ارشاد فرماتے ہیں، ایک شخص مثلاً زید نے قربانی کے لئے ایک گائے بعوض ۹۵ روپے کی خرید کی ہے جس کو تقریباً بیس یوم ہو گئے ہیں، اسی یوم سے زید نے عمر کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ دس تاریخ ذی الحجۃ تک اس گائے کو اپنے مال مویشی میں رکھو اور ہر طرح کی حفاظت رکھو اور اس کو اپنے مال کے ساتھ چارہ بھی ڈالو تو آپ کو دو روپے دئے جائیں گے، زید کی شرط عمر نے منظور کر لی، اب زید اپنے حصہ دار برائے قربانی مقرر کر رہا ہے اور ہر ایک حصہ دار سے مبلغ ۱۶ روپے لے رہا ہے، اگر زید سے پوچھا جائے کہ اس طرح جائز ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے منڈی حویلی سے خرید کی ہے، اس سفر خرچ پر میرا اپنا کرایہ وغیرہ اور گائے کا خرچ اس رقم میں ہے، اب



صرف جواب یہ درکار ہے کہ آیا وہ زید یہ رقم لے سکتا ہے یا نہیں خود بھی حصہ دار بنتا ہے مثلاً ، اصل رقم : ۹۵ روپے

پرورش گائے : ۲ روپے کل میزان خرچ : ۸ ـ ۹۷ روپے

اب جو رقم وصول

مزدور جس نے گائے کو پہنچایا : ۸ آنے کر رہا ہے : ۰۰ ـ ۱۱۲ روپے

معہ اپنی پتی کے زائد رقم : ۸ ـ ۱۴ روپے

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص سے گائے خریدی گئی ہے اس نے ذمہ اٹھایا تھا کہ میں آپ کو گائے بصیر پور پہنچا دونگا، کیا یہ قربانی اس طرح پر جائز ہے یا نہیں؟ جواب کے مشکور رہوں گے، جواب بھی ثبوت کے ساتھ ہو۔

نور محمد حصہ دار روڑی بقلم خود





قرآنِ کریم کا ارشاد ہے احل اللہ البیع اللہ تعالے نے بیع حلال فرمائی ہے اور دوسرا ارشاد ہے الا ان تکون تجارۃ عن تراض کہ تجارت ایک دوسرے کی رضا مندی سے ہو تو اگر زید نے وہ گائے نیتِ نفع سے خریدی ہے تو خریدنا بھی جائز اور دوبارہ فروخت کرنا بھی جائز جس قیمت پر لینے والے راضی ہو جائیں حسب ارشادِ قرآنِ کریم اور اگر گھر کی گائے ہو تو ہر ایک ہی کا نفع اٹھانا اور اپنا حصہ مفت رکھنا جائز مانا جاتا ہے مگر طرزِ سوال کی بنا پر لازم کہ وہ بھی جائز نہ ٹھہرے اور زید مذکور فی السوال نے خود مجھے بیان کیا تھا اول الامر کہ



ہیں نے نفع کی غرض سے تجارۃً خریدی ہے اور سائل نے جو فہرستِ مصارف تیار کی ہے اس میں زید کے قیمتی وقت کو نظر انداز ہی کیا گیا ہے حالانکہ زید طبیب ہے، اس کے وقت کی قیمت بھی مصارف میں شامل کر کے حساب کریں، حقیقت روشن ہو جائے گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۵، ذی الحجۃ المبارکہ ۶۵ھ



الاستفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قربانی کی کھالیں امام مسجد کو اس حالت میں دے سکتے ہیں جبکہ قلت آمدنی کی وجہ سے گزر اوقات انتہائی عسیر اور افلاس کا خطرہ ہو، چونکہ دیہات کی اکثر مساجد میں بغیر تنخواہ کے امام مسجد کو مقرر کیا جاتا ہے، سالانہ کچھ غلہ بمشکل بسرِ اوقات ملتا ہے، لہٰذا ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں، اندیشہ ہے کہ سخت مفلسی کی حالت میں امام کو سخت ذلت اور مصیبت میں گرفتار ہونا پڑے گا لہٰذا فقہِ حنفی کے مطابق تفصیلاً جواب دیں، عین نوازش ہوگی، بینوا توجروا۔

سائل: حافظ محمد ایوب امام مسجد چک ۱۰ آرائیاں
ڈاک خانہ خاص تحصیل وضلع شیخوپورہ



ہاں جائز ہے جبکہ بطور امداد و خیرات ہو یا ہدیہ و تحفہ کی صورت میں ہو یعنی بطور تنخواہ نہ ہو، چام اور گوشت کا ایک ہی حکم ہے تو جس طرح قربانی کا گوشت فقیر اور غنی دونوں کو دے سکتا ہے یونہی چام بھی دے سکتا ہے اور محنت و مزدوری میں گوشت اور چام دونوں جائز نہیں، فتاوٰی عالمگیری ج۴ ص ۸۲، تکملۃ البحر ج۸ ص ۱۷۸ وغیرہا کتب مذہب حنفی میں صاف صاف لکھا ہے واللحم بمنزلۃ الجلد نیز فتاوٰی عالمگیری ج۴ ص ۸۱ میں ہے، ویھب منہا ما شاء للغنی والفقیر، فتاوٰی عالمگیر ج۴ ص ۸۲ تنویر الابصار در المختار، رد المحتار شامی ج۵ ص ۲۸۷ وغیرہا میں ہے والنظم من الھندیۃ ولا ان یعطی اجر الجزار والذابح منہا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال
بقلم خود

۲۸ ذو القعدۃ المبارکہ ۱۳۹۱ھ

۱۶ $\frac{1}{۲ے}$



ـــہ وکلمۃ ما للعموم والضمیر منہا یرجع الی الاضحیۃ فتشمل الجلد ایضاً ۱۲ منہ



الاستفتاء

جناب الحاج حضرت مولانا نوراللہ صاحب بصیرپور شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں :

کیا قربانی کی کھالیں امام مسجد کو امداد کے طور پر دی جاسکتی ہیں جو کہ تنخواہ کے طور پر نہیں ؟

مولوی عبدالخالق ساکن بیروالی تحصیل دیپالپور ۳۰/۹/۷۶



ہاں بطور امداد دینا بلاشبہہ جائز ہے، قرآن کریم میں ہے وتعاونوا علی البر والتقوٰی کہ نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو، امام مسجد کی خدمت بلاتنخواہ کرنا ہے جو نیکی ہے تو اس کی امداد میں کوئی حرج نہیں جبکہ قربانی کا گوشت پوست غنی اور فقیر دونوں کو دینا جائز ہے تو مسجد کی خدمت معاذاللہ کوئی شرعی عیب نہیں کہ جو چیز عام مسلمانوں کے لئے جائز ہے وہ امام وخادم مسجد کے لئے ناجائز ہو جائے، فتاوٰی عالمگیر ج۴ ص۸۱ طحطاوی علی الدر ج۴ ص۱۶۶ میں ہے ویہب منہا ماشاء للغنی والفقیر۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا



محمد وعلىٰ آله واصحابه وبارك وسلم۔
حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۵ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ ۳۰/۹/۷۶

الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :- سلام مسنون، مزاج شریف خیریت وعافیت۔
عرض یہ ہے کہ میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہوں اور عرض یہ ہے کہ ایک مسئلہ دریافت ہے، اگر ریڈیو پر تلاوت قرآنِ کریم ہو رہی ہے تو سجدہ تلاوت فرض ہے یا نہیں؟

اور قربانی کی کھالیں صدقہ زکوٰۃ وغیرہ مسجد پر لگانا جائز ہے یا نہیں؟

داڑھی منڈے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

اگر کوئی نمازی نہ ہو امامت کے لئے داڑھی منڈا نماز پڑھا سکتا ہے؟

بینوا توجروا

احقر محمد جمیل الرحمٰن سعیدی غفرلہ قادری رضوی ۱۱/۸/۷۶





۱۔ ریڈیو سے سنی گئی اگر بولنے والے کی اصل کلام ہی ہوتی ہے تو سننے والے

پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور اگر اصل کلام نہیں بلکہ اس بولنے والے کی کلام کا عکس ہوتا ہے جس کو صدا کہتے ہیں تو واجب نہیں ہوتا مگر احتیاط اسی میں ہے کہ سجدہ کر لیا جائے، سجدہ بہر حال جائز ہے۔

۲۔ قربانی کی کھال مسجد پر جائز ہے مگر زکوٰۃ جائز نہیں کما صرح به مشائخنا علیہم الرحمۃ فی کتب المذهب المهذب الحنفية كافية۔

۳۔ داڑھی منڈانے والے کو امام بنانا مکروہ تحریمیہ ہے کما فی الغنیۃ وغیرھا البتہ اگر سارے ہی ڈاڑھی منڈانے والے ہوں تو امید کہ گنجائش ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بانی و مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۷، ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۹۸ھ ۸/۱۱/۷۸




عقیقه

مع الغلام عقیقۃ فاھریقوا عنہ دما

——— الحدیث

بچے کے ساتھ عقیقہ ہے لہٰذا تم اس کی طرف سے خون بہاؤ۔





تعارف



بچہ پیدا ہونے پر بطور شکرانہ جو جانور ذبح کیا جائے اسے "نسیکہ" اور عرف عام میں "عقیقہ" کہا جاتا ہے۔ عقیقہ "عق" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے علیحدہ کرنا اور کاٹنا۔۔۔ پھر نومولود بچے کے سر کے بالوں کو عقیقہ کہا جاتا ہے کیونکہ انہیں مونڈ کر سر سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اسی لئے اس موقع پر ذبح کئے جانے والے جانور کو بھی عقیقہ کہتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں عقیقہ کے جانور کے خون سے بچے کا سر آلودہ کردیا جاتا تھا۔ اسلام نے جاہلیت کی یہ رسم ختم کردی اور جانور ذبح کرنے کو برقرار رکھا جیسا کہ سنن ابوداؤد کے "باب فی العقیقہ" میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے مستفاد ہے۔

عقیقہ ایک مباح و مستحب فعل ہے جسے وجوب قربانی کے حکم کے باوجود باقی رکھا گیا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ وجوب قربانی کے بعد کیا کیونکہ قربانی ہجرت کے ابتدائی سال مشروع ہوئی اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عقیقہ تین ہجری اور چار ہجری میں کیا گیا۔

مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء کا عقیقہ کے جواز و استحباب پر اجماع ہے۔

بعض لوگ یہ تاثر دیتے ہیں کہ عقیقہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں مگر یہ تاثر مبنی بر حقیقت نہیں۔ مشہور حنفی عالم اور محدث علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ (م۸۵۵) فرماتے ہیں کہ امام اعظم علیہ الرحمتہ کی طرف عقیقہ کو خلاف شرع کہنے کی نسبت محض افتراء اور بہتان ہے۔۔۔ آپ نے عقیقہ کی مطلقاً نفی نہیں بلکہ اس کے سنت موکدہ ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج۲۱، ص ۸۳)



عقیقہ میں لڑکے اور لڑکی کے لئے ایک ایک بکرا یا بعض روایات کے مطابق لڑکے کے لئے دو بکرے ذبح کئے جائیں۔ قربانی کی گائے وغیرہ بڑے جانور میں عقیقہ کا حصہ بھی رکھا جا سکتا ہے۔ عقیقہ کے جانور کے لئے بھی انہی شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے جو قربانی کے جانور کے لئے مخصوص ہیں۔

عقیقہ میں اصل یہ ہے کہ ساتویں دن کیا جائے یا ساتویں کا لحاظ رکھتے ہوئے چودہویں' اکیسویں یا اٹھائیسویں دن کر لیا جائے۔۔۔ ورنہ جب چاہیں کیا جا سکتا ہے۔

باب العقیقہ میں چار استفتاءات شامل ہیں۔۔۔۔۔

(مرتب)

—OO—



باب العقیقۃ

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس میں کہ عقیقہ میں کس عمر کی گائے ذبح کرسکتے ہیں اور اگر کھانے کے لئے گائے خریدی جائے اور اس میں عقیقہ کے لئے حصہ مقرر کیا جائے اور ذبح کی جائے تو یہ عقیقہ ہوسکتا ہے یا سالم گائے کرنی چاہیئے؟ بینوا ماجورین من رب العٰلمین۔

سید شاہ ازٹی سابیوالی



کم از کم دو سال کی گائے عقیقہ کے لئے صالح ہے کہ اس میں وہ جانور کفایت کرسکتا ہے جو قربانی میں جائز ہو تو عقیقہ کے لئے کم از کم گائے کا ساتواں حصہ ضروری ہے اور حصہ داروں سے کسی کی نیت عبادت کے سوا گوشت کھانے وغیرہ کی نہ ہو تو یہ بھی معلوم ہوا کہ سالم گائے کا ذبح کرنا ضروری نہیں شامی ج ۵

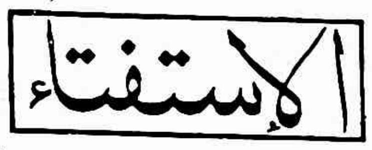


ص ۲۸۵ میں ہے و شمل ما لو کانت القربۃ واجبۃ علی الکل او البعض اتفقت جہاتہا او لا کاضحیۃ و احصار و جزاء صید و حلق و متعۃ و قران خلافا لزفر لان المقصود من الکل القربۃ وکذا لو اراد بعضہم العقیقۃ عن ولد قد ولد لہ من قبل لان ذلک جہۃ التقرب بالشکر علی نعمۃ الولد ذکرہ محمد رحمہ اللہ تعالٰی۔ ہاں اگر سالم گائے کی جائے تو جائز و مستحب تر ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علی المحبوب وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی الحنفی القادری الفریدپوری
نورہ اللہ ربہ وقواہ
۲۰ رجب المرجب ۱۳۶۱ھ





کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں کہ عقیقہ ساتویں دن نہ ہوا تو بعد میں کرنا جائز ہے یا نہیں ایک صاحب کہتے ہیں کہ منع ہے بینوا ماجورین من رب العلمین۔



جواز مقابل منع بلاشبہہ ہر حال میں ثابت ہے، حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مع الغلام عقیقۃ



فاھریقوا عنہ دما وامیطوا عنہ الاذی (ترجمہ) لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے پس بہاؤ اس کی طرف سے خون اور دور کرو اس سے تکلیف رواہ الائمۃ البخاری والترمذی وابن ماجۃ وعند النسائی نحوہ، پس اس حدیث شریف میں مطلقاً خون بہانے کا استحبابی امر ہے بلا قیدِ سابع" اس قسم کی احادیثِ مطلقہ بکثرت ہیں اور بعض احادیث میں جو قیدِ سابع موجود ہے وہ استحباباً فی الاستحباب ہے، پس اگر ایک استحباب فوت ہوجائے یعنی سابع گذر جائے تو دوسرا کیوں ترک کیا جائے، علامہ شامی علیہ الرحمہ نے عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں فرمایا ہے وفی فصول العلامی المسمی بالکراھیۃ والاستحسان فی الفصل ۳۶ ویعق عنہ فی الیوم السابع من الولادۃ الی ان قال وقد عق عن نفسہ علیہ السلام بعد ما بعث نبیا یعنی ساتویں دن عقیقہ کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد مبعوث ہونے کے عقیقہ فرمایا وفی شرح العباب للعلامۃ ابن حجر الشافعی وھو کتاب معتبر عندھم ووقتھا بعد تمام الولادۃ الی البلوغ فلا یجزی قبلھا وذبحھا فی الیوم السابع یسن الی ان قال ولیسن ان یعق عن نفسہ من بلغ ولم یعق عنہ یعنی وقتِ عقیقہ پورے پیدا ہونے سے لے کر بالغ ہونے تک ہے پس پورے پیدا ہونے سے پہلے ناجائز اور ساتویں دن ذبح کرنا سنت ہے اور جو بالغ ہوا اور اس کا عقیقہ نہ ہوا ہو تو مسنون ہے کہ خود کرے، شرح التحفہ میں ہے وقد عق النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد ما بعث نبیا کہ ضرور عقیقہ کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بعد مبعوث ہونے کے، نیز احادیثِ طیبہ اسی طرف ناظر کہ سابع مستحب مستقل ہے کما یدل علیہ مع الغلام فی الحدیث المار عن البخاری والترمذی وابن ماجۃ وفی حدیث النسائی عن ام کرز علی الغلام وعلی الجاریۃ، بلکہ وہ حدیث جس میں ذکرِ سابع ہے



اسی سے بھی یہ مستفاد ہے وھو ھذا کل غلام رھین بعقیقتہ یذبح عنہ
یوم سابعہ ویحلق راسہ ویسمی رواہ البخاری عن سمرۃ بن جندب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن ماجۃ ونحوہ یعنی ہر لڑکا گروی رکھا گیا ہے بدلے
اپنے عقیقے کے، ذبح کیا جائے دن ساتویں اس کے اور مونڈا جائے سر اسکا
اور نام رکھا جائے تو کیا وقت گزرنے کے بعد اسے گروی ہی رہنے دیا جائے
اور ایسے ہی اگر ساتویں دن سر نہ مونڈا جائے یا نام نہ رکھا جائے تو کیا تمام عمر
سر منڈانا اور نام رکھنا منع ہو جائے گا؟ فتبین الامر وللہ الامر اور اگر
بالفرض یوم سابع کے بعد استحباب بوجہ عقیقہ ہونے کے ثابت ہے تو عدم استحباب سے
نفی جواز و اباحت سمجھنا سراسر بے خبری ہے کہ انعدام جواز و اباحت کے لئے دلیل
خاص کی ضرورت ہے ورنہ قاعدہ فقہیہ مستنبطہ از احادیث و آیاتِ طیبہ یہ ہے کہ
اصل اشیاء اباحت ہے یعنی جب تک دلیل کراہت و حرمت نہ ملے مکروہ و حرام
نہیں کہہ سکتے، قرآن کریم میں ہے عفا اللہ عنہا، ترمذی شریف میں ہے وما
سکت عنہ فھو مما عفی عنہ ونحوہ عند ابن ماجۃ ونص علیٰ ھذا
الشامی علیہ فی رد المحتار وغیرہ فی الاسفار اور جب اباحت
ثابت ہوئی تو منع زائل لتنافیہما بلکہ نیت صالح سے عبادت بن جائے گا کہ حدیث
صحیح میں ہے انما الاعمال بالنیات شامی میں ہے علیٰ انہ وان قلنا
انھا مباحۃ لکن بقصد الشکر تصیر قربۃ فان النیۃ تصیر العادات
عبادات والمباحات طاعات (ترجمہ) علاوہ اس کے اگر ہم کہیں کہ عقیقہ
مباح ہے مگر بقصد شکر عبادت ہو جائے گا اس لئے کہ نیت عادتوں کو عبادت
اور مباحوں کو طاعت بنا دیتی ہے، ہاں بحکم ان اللہ وتر یحب الوتر ساتویں
کا لحاظ کیا جاتا ہے کہ چودھویں یا اکیسویں دن یا ساتویں مہینے مثلاً کیا جائے تو
استحباب در استحباب اس لحاظ سے ثابت ہو جائے گا ورنہ نفسِ استحباب تو حاصل





ہی ہے پس مانع پر لازم ہے کہ دلیل منع آیات واحادیث واقوالِ ائمہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرے ورنہ تحریم حلال کے وبال سے ڈرے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلال وھٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون متاع قلیل ولھم عذاب الیم۔

واللہ ورسولہ اعلم وعلمہما اتم واحکم جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی الحنفی القادری نورہ اللہ ربہ وقواہ علی کل غبی وغوی
۱۸ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ



الاستفتاء

مکرمی ومشفقی مولانا مولوی نور اللہ صاحب دام اشفاقکم الطافکم

السلام علیکم : معروض کہ عقیقہ کے متعلق لڑکے کے لئے دو بکرے اور لڑکی کیلئے ایک بکرا بزرگانِ عظام وعلماء کرام سے اور کتب معتبر میں سے اسی طرح دیکھا سنا گیا ہے، یہ عام مشہور مسئلہ ہے، چونکہ کسی صاحب نے آپ کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا ہے آپ نے ایک بکرا کا لڑکے کے لیے جواز فرمایا ہے، اس لئے ملتمس ہوں کہ اگر ایک عدد بکرا لڑکے کے لئے جائز ہے تو وایسی کارڈ میں مع حوالہ تحریر فرماویں۔

آپ کا دعاگو : محمد فاضل خطیب جامع مسجد حویلی

۱۶/۳/۴۶





محبی اخی فی الدین مولوی محمد فاضل صاحب دام بالتمکین

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ آپ کا مرسلہ استفتاء موصول ہوا جواباً مرقوم،
فقیر نے لڑکے کے لیئے ایک بکرا وما فی معناہ ضرور جائز کہا ہے سنن ابی داود
ج ۲ ص ۳۶، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۹۹ و ج ۹ ص ۳۰۲ سیدنا ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت امام حسن اور
حسین سے عقیقہ میں ایک ایک دنبہ یا مینڈھا ذبح فرمایا، ایسے ہی بیہقی ج ۹ ص ۲۹۹
میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اور ج ۹ ص ۳۰۴ میں حضرت علی
رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ سے حضرت حسن کے متعلق ہے و لفظہ عن الحسن
بشاۃ، فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۱۱۵، شامی ج ۵ ص ۲۹۳ میں عقیقہ کی تعریف
یوں ہے والنظم من رد المحتار وھی شاۃ تصلح للاضحیۃ
تذبح للذکر والانثی۔

والمولیٰ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی حبیبہ والہ وصحبہ وسلم۔

بواپسی ڈاک اطلاع دیں، آپ نے کتب معتبرہ میں سے کس کس کتاب
میں یہ دیکھا کہ لڑکے کے عقیقے میں ایک بکرا جائز نہیں اور علماء کرام و بزرگان عظام
جو درحقیقت بہت بلند پایہ معتمد علیہم حضرات کا عنوان ہے، ان میں کون کون صاحب
اس عدم جواز کے قائل ہیں، دلائل تحریر فرمادیں، والسلام

منتظر الجواب الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ





الاستفتاء

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ عقیقہ میں ایک گائے تین لڑکوں اور ایک لڑکی کے لئے کفایت کرسکتی ہے یا کہ نہیں اور قربانی کی گائے میں عقیقہ والا شامل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۲۔ یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ قطب ستارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور مبارک رہا ہے اس لئے اس طرف پاؤں نہیں کرنے چاہیئے اور اس سمت کا بہت زیادہ ادب کرنا چاہیئے، کیا یہ صحیح ہے یا کہ غلط العوام میں ہے بینوا توجروا۔

فقط والسلام مع الکرام

السائل: غلام مرتضٰی نوری خطیب چک ۲۲۳/E.B تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری





۱۔ ہاں تین لڑکوں اور ایک لڑکی کے عقیقے ایک گائے سے ہوسکتے ہیں اس لئے کہ عقیقہ قربانی کی طرح ہے، فتاویٰ عقود الدریہ ج ۲ ص ۲۳۳ میں ہے

اس اقتہ دم شرعا کالاضحیۃ نیز اسی میں ہے وحکمہا کاحکام الاضحیۃ یعنی عقیقہ کے حکم قربانی کے حکموں کی طرح ہیں اور جبکہ قربانی میں



گائے کا ساتواں حصہ جائز ہے تو یہاں بھی جائز ہوگا اور عقیقہ میں ایک لڑکے کے لئے ایک بکری یا گائے کا ساتواں حصہ جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایک لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں یا گائے کے دو حصے چاہئے تو اس حساب سے بھی کافی ہے کہ تین لڑکوں کے چھ حصے بنے اور ایک لڑکی کا ایک حصہ، اسی عقود الدریہ کے ج ۲ ص ۲۳۲ میں ہے ولو ذبح عن الغلام شاتين وعن الجارية شاة جاز لان النبي صلى الله عليه وسلم عق عن الحسن والحسين كبشا كبشا اور قربانی کرنے والے کے ساتھ عقیقہ کرنے والا شامل ہو سکتا ہے، شامی ج ۵ ص ۲۸۵ فتاوی عالمگیری ج ۴ ص ۸۴ میں ہے والنظم من الهندية وكذلك ان اراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل كذا ذكره محمد رحمة الله عليه۔

۲۔ یہ عوام ہی کا خیال ہے، کسی آیتِ پاک یا قابلِ اعتماد حدیث شریف میں ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔

والله تعالىٰ اعلم وصلى الله تعالىٰ على حبيبه وآله وصحبه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۸ جمادی الثانیہ ۸۵ھ ۱۴/۲۵






تعزیر

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْإِيْمَانِ
وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الحجرات)

کتنا ہی برا نام ہے ایمان کے بعد فاسق کہلانا اور جو لوگ (اس روش سے) باز نہیں آئیں گے تو وہی ظلم کرنے والے ہیں۔

مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ

——— الحدیث

تُم میں سے جو کوئی بُرا کام دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدلائے اور اگر یہ طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے اور اگر یہ طاقت بھی نہ ہو تو اپنے دل کے ساتھ (بدلنے کی خواہش رکھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے





تعارف



تعزیر کا اصل عزر ہے ــــ یہ زجر و توبیخ اور تادیب کے معنی میں مستعمل ہے۔ شرعاً تعزیر ایسی سزا کو کہتے ہیں جو کسی گناہ پر بغرض تادیب دی جائے اور شارع علیہ السلام نے اس کی کوئی حد معین نہیں فرمائی۔ اور جن جرائم کی سزا شریعت میں متعین کردی گئی ہے اور ان میں کمی بیشی ممکن نہیں، انہیں حدود کہتے ہیں۔ یہ سات جرائم کی سزا ہے۔

۱۔ قتل ۲۔ ارتداد ۳۔ ڈاکہ ۴۔ چوری ۵۔ زنا ۶۔ قذف (تہمت لگانا) ۷۔ شراب نوشی۔

تعزیر میں سزا قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے۔ بعض اوقات صرف ڈانٹ ڈپٹ یا گوشمالی کافی ہوتی ہے جب کہ بعض صورتوں میں قید و بند یا کوڑوں کی سزا دینی پڑے گی۔

آج کے دور میں جرائم کی نت نئی شکلیں سامنے آرہی ہیں۔ معاشرے کے ناسور شرپسند عناصر انتہائی قبیح، گھناؤنی اور شرمناک حرکات کا ارتکاب کرکے امن و سکون کو تہ و بالا کردیتے ہیں۔ ان کے سدباب کے لئے سخت سے سخت سزا کی ضرورت ہے جرائم کی روک تھام، مجرموں کی رسوائی اور انہیں مرقع عبرت بنانے کے لئے قاضی (شرعی جج) اپنی صوابدید پر کوئی بھی مناسب طریقہ بروئے کار لا سکتا ہے اور اس کے لئے تعزیر کا دائرہ وسیع ہے۔

تعزیر کا اختیار صرف حاکم اسلام یا قاضی ہی کو نہیں بلکہ بعض مخصوص صورتوں میں شوہر، بیوی کو۔ ماں، باپ، اپنی اولاد کو اور استاد، شاگرد کو تعزیر کرسکتا ہے۔

تعزیر کی متعدد صورتیں ہیں، جو شخص کسی مسلمان کو کسی طرح ایذا دے۔ مثلاً اسے گالی



دے یا اسے فاسق' فاجر' خبیث' لوطی' شراب خور' خائن' چور' حرام زادہ وغیرہ کہہ کر پکارے اور فی الواقع وہ شخص ایسا نہ ہو تو کہنے والے کو تعزیر لگائی جائے گی۔ ایسے ہی کسی چوپائے کے ساتھ برا کام کیا یا سربازار کسی کی پگڑی اچھالی تو مستحق تعزیر ہو گا۔

کتاب التعزیر میں آٹھ استفتاءات شامل ہیں۔

(مرتب)

—OO—





كتاب التعزير

الاستفتاء

حضرت مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عرض یہ ہے کہ آج مؤرخہ ۵۹-۱۱-۴ مسمّی جلال ولد ماچھیا قوم مرانہ ساکن ۲۸/۴-L تھانہ شاہ بھور تحصیل اوکاڑہ نے چار پہر پانی کے لالچ پر کُتّے کے ساتھ ایک ہی برتن میں کُتّے کی طرح زبان کے ساتھ پانی پیا ہے، آپ کی طرف عریضہ ارسال ہے کہ آپ باشریعت اس کا فیصلہ تحریر کریں، نوازش ہوگی۔

پرسندگان : باشندگان چک ۲۸/۴-L





اس شخص نے ایک حقیر لالچ میں آکر نہایت بے حیائی کا ثبوت دیا ہے اس پر تعزیر عائد ہوتی ہے، شامی ج ۳ ص ۱۵۲ میں ہے الحاصل وجوبہ بالجماع الامۃ لکل مرتکب معصیۃ لیس فیہا حد مقدر الخ اور تعزیر میں کوئی خاص سزا مقرر نہیں بلکہ حاکمِ شرع مجرم و جرم کی نوعیت کے لحاظ سے جو سزا مناسب سمجھے، دے سکتا ہے اگرچہ نہایت سخت ہو، یہ معاملہ حاکمِ شرع کے سپرد ہے، در المختار اور اس کے متن میں ہے (و) التعزیر (لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رأی القاضی) وعلیہ مشائخنا (زیلعی) اور چک والوں پر بھی لازم کہ دائرۂ قانونِ وقت کے اندر رہتے ہوئے اپنا اثر و رسوخ پورا پورا استعمال کرتے ہوئے اس مجرم کو مجبور بنادیں کہ صدقِ دل سے توبہ کرے اور آئندہ وہ یا کوئی اور ایسی بے حیائی کا اعادہ نہ کر سکے کہ حدیثِ پاک میں ہے من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذٰلک اضعف الایمان رواہ مسلم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۶)

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور
۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ





الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ:

مسمی محمد صدیق عرف سیتا نے ایک منکوحہ عورت مسماۃ سرداراں بی بی کو اپنے ہاں ناجائز تعلقات کی بنا پر بسایا، ایک سال بعد مسماۃ سرداراں بی بی کی لڑکی حشمت بی بی جو اس عورت کے پہلے خاوند سے تھی۔ محمد صدیق نے اس سے عقد کر لیا، عقد کرنے کے بعد بھی مسماۃ سرداراں بی بی سے ناجائز تعلقات استوار رکھے، جب سرداراں بی بی کو پتہ چلا کہ محمد صدیق نے میری لڑکی حشمت بی بی سے خفیہ طور پر نکاح کر رکھا ہے تو سرداراں بی بی مارے شرم کے فرار ہو گئی، ایسے شخص کے ساتھ از روئے شرع کھانا پینا یا رہنا سہنا، اس کا مسجد میں آ کر شریف لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے، تفصیل کے ساتھ جواب سے مشرف فرمائیں۔



السائلون: میاں شرف دین، الف دین، شیر دین، محمد رفیق

منڈی حاصلپور ضلع بہاولپور زاہری دواخانہ۔

مولانا احمد یار صاحب، یہ فتویٰ جمعرات کو لکھوا کر یا لکھ کر ساتھ لے کر آویں، ضروری تاکید ہے، اختلاف بہت پڑ چکا ہے۔



شرعاً کسی کی منکوحہ عورت کا دوسرے سے نکاح شرعی بھی نہیں ہو سکتا تو اس منکوحہ سرداراں بی بی کو مسمّٰی سیتا کا ناجائز تعلقات سے گھر آباد رکھنا اور



بسانا محض حرام تھا اور سرداراں کی کوئی لڑکی یا پوتی اس کے لیے حلال نہ رہی تو حشمت بی بی کا نکاح کرنا حرام اور فریب کے علاوہ کچھ بھی نہیں، پھر بیتہ چلنے پر سرداراں کا مارے شرم کے فرار ہونا بھی فریب ہے، اگر اسے شرم تھی تو حرامکاری کیوں کرتی رہی۔

بہرحال سرداراں بی بی اور بیتا دونوں بے شرم حرام کار ہیں، قرآن کریم میں ہے والمحصنٰت من النساء اور مذہب مہذب حنفی کے تمام فتاوی و متون و شروح وحواشی میں منکوحۂ غیر کی حرمت اور مزنیہ کی لڑکی وغیرہا کی حرمت کی روز روشن سے زیادہ روشن نصوص و تصریحات گونج رہی ہیں چنانچہ فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۲ میں ہے القسم السادس المحرمات التی یتعلق بھا حق الغیر الخ اور ص ۴ میں ہے القسم الثانی المحرمات بالصھریۃ (الی ان قالوا) فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وان علت وابنتھا وان سفلت الخ ہدایہ، فتح القدیر ج ۲ ص ۳۶۵ میں ہے والنظم من الھدایۃ ومن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وبنتھا الخ تنویر الابصار، درالمختار اور ردالمحتار شامی کے ج ۲ ص ۳۸۱ وغیرہا صفحات میں بھی ہے وبنتھا ولو من زنی الخ۔



بہرحال یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہے کہ مسمی بیتا حرام کار علانیہ فاسق اور فاجر ہے، اہل اسلام پر لازم کہ اس کے ساتھ میل جول نشست و برخاست نہ رکھیں، صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۵۰ میں ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ہے، سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان یعنی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم



نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی بُرا کام دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر یہ طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے بدل دے اور اگر یہ طاقت بھی نہ ہو تو اپنے دل کے ساتھ اور یہ گھٹیا درجہ ایمان ہے کہ اس کے بعد ایمان کا کوئی حصہ نہیں تو میل جول ایسے علانیہ ظالم و فاجر کے ساتھ کس طرح جائز ہو سکتا ہے اور اس مسئلہ کے بارے میں قرآنِ کریم کی آیاتِ مبارکہ اور احادیث شریفہ اور اقوالِ اولیاء و مشائخ عظام روزِ روشن سے زیادہ واضح طور پر ثابت ہے، البتہ مسجد میں نماز پڑھنے سے نہ روکا جائے، قرآنِ کریم پارہ اول میں ہے ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللّٰہ ان یذکر فیہا اسمہ اور سیدنا ذی النورین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان بدکار باغیوں فاسقوں فاجروں کے متعلق ہے جنہوں نے ہزارہا سخت ظلموں کا ارتکاب کیا تھا، فرمایا الصلوٰۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم واذا اساءوا فاجتنب اساء تھم (صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۶) یعنی نماز انسان کے بہترین کاموں میں سے ہے تو جب لوگ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ اچھا کام کرو اور جب بُرا کریں تو ان کی برائی سے بچو لہٰذا نماز سے نہ روکا جائے۔

واللّٰہ تعالٰی اعلم وصلی اللّٰہ تعالٰی علی حبیبہ الاعظم وسلم۔



حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بقلمہٖ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی



نے مسجد کا لاؤڈ سپیکر اتار کر عیسائیوں کو تقریر کے لئے دے دیا، اب چند آدمی اس بات پر مُصر ہیں کہ یہ سپیکر اب مسجد میں استعمال نہیں ہونا چاہیئے، بعض کہتے ہیں کہ سپیکر استعمال کیا جا سکتا ہے جنہوں نے سپیکر اتار کر دیا ہے، انہیں جرمانہ ہونا چاہیئے، حل طلب امر یہ ہے کہ جرمانہ کتنا ہونا چاہیئے جبکہ لاؤڈ سپیکر اتارنیوالے نے نصِ صریح کی خلاف ورزی کی ہے و من اظلم ممن منع مجرم کا جرم اشد ہے۔ بینوا توجروا۔

(مسئول علیہ مالدار ہے)

السائل: بشیر احمد نمبردار موضع فتحپوری تحصیل فیروز والا نزد مریدکے (شیخوپورہ)





واقعی اس شخص نے ظلم کیا ہے لہٰذا با اثر افراد اس شخص کو سمجھائیں کہ خیرات اور صدقہ کے طور پر مسکینوں کو کچھ کھلا پلا دے اور مسجد کی بھی کچھ خدمت کرے ویسے جرمانہ کے طور پر مشکل ہے کہ ھٰذا کان فی اول الاسلام ثم نسخ کما فی الدر والشامی، واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علیہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ از بصیر پور شریف ضلع ساہیوال

۱۹/۱۰/۸۰

الاستفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی جناب حضرت مولانا علامہ الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :- ہمیں ایک فتویٰ کی سخت ضرورت درپیش ہے لہذا فتویٰ عنایت فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک گاؤں کی مسجد کے امام صاحب کے بھائی تھے جن کا انتقال قریب چار سال ہوئے، ہو چکا ہے، مرحوم کی بیوہ اور بچی مرحوم کے بعد اپنے والدین کے گھر چلے گئے ہیں، امام صاحب مذکور نے ہر چند کوشش کی کہ بیوہ ہمارے گھر آجائے تاکہ بیوہ کا نکاح ثانی اپنے چھوٹے بھائی سے کردیا جائے مگر اس پر نہ تو بیوہ رضامند ہوئی اور نہ اس کے والدین وغیرہ راضی ہوئے اب اس بیوہ کے عزیز بیوہ کا نکاحِ ثانی اس کی مرضی سے کہیں اور کرنا چاہتے ہیں اور تاریخ بھی مقرر کردی گئی ہے لہٰذا امامِ مذکور نے یہ فریب کیا کہ اس بیوہ کا فرضی نکاح نامہ مکمل کرلیا ہے اور اپنے بھائی سے جھوٹا نکاح ہونا دکھایا ہے جبکہ وہ بیوہ ان کے گھر چار سال سے آئی ہی نہیں اور دو اَن پڑھ آدمیوں کے انگوٹھے بطور گواہ لگوا لئے ہیں اور مجسٹریٹ کی عدالت میں استغاثہ دائر کردیا ہے جس سے بیوہ کا نکاح ہونے میں رکاوٹ ڈال دی گئی ہے اور یہ راز ہر آدمی پر عیاں ہو گیا ہے، دھوکہ، فریب، جھوٹ ظاہر ہوگیا ہے اور چند آدمیوں نے امام سے جب یہ کہا کہ آپ امام مسجد ہیں، آپ کو ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی تو انہوں نے جواب دیا کہ میرا نجی معاملہ ہے، اپنے فائدہ کے لئے جھوٹ بھی جائز ہے وہ





اپنا حق سمجھتے ہیں اور اس دھوکہ کو جائز قرار دیتے ہیں، مہربانی سے آپ فتویٰ صادر کریں کہ ان کے پیچھے ہماری نماز جائز ہے یا نہیں اور شریعت ایسے فریبی پر کیا حد لگاتی ہے کیونکہ کافی آدمی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ہیں، اس لئے یہ مسئلہ نہایت ضروری حل طلب ہو گیا ہے۔ فقط

خیر اندیش : راؤ جمیل الرحمٰن خاں، چک ۱۵/۲-L تحصیل اوکاڑہ ضلع ساہیوال ۱۹/۱۰/۷۶





اگر یہ سوال صحیح اور واقعی ہے تو وہ امام فاسق و فاجر ہے، اسکو امام بنانا جائز نہیں، وہ اس پاک منصب کے ہرگز ہرگز لائق و قابل نہیں، اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے کما فی شرح المنية للحلبي و الشامية لہٰذا اسکو امام بنانا جائز نہیں اور نہ اس کے پیچھے نماز جائز ہے، شرعاً وہ مجرم ہے، اس کی تعزیر لگائی جائے جو حاکمِ شرعی کا کام ہے، آپ کا صرف یہی کام ہے کہ اس کو الگ کر دیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ از دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور یہ ضلع ساہیوال ۲۶ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ

۲۱/۱۰/۷۶



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک چودہ سالہ لڑکے نے رات کو ۹ بجے شیردار گائے کے ساتھ بدفعلی کی جس کو ایک ۱۸ سالہ نوجوان نے دیکھ لیا، ملزم کے باپ سے قسم مانگی گئی مگر اس نے انکار کردیا کہ میں اپنے لڑکے کی قسم بوجہ اس کی کم سنی کے نہیں دیتا ہوں اس لئے ملزم تو مفرور ہوگیا، اب گائے اور بچھڑے کے متعلق تفصیل سے علیحدہ علیحدہ حکم دیا جاوے کیونکہ بچھڑا دودھ پی رہا ہے، جواب سے مشکور فرمائیں۔

تحریر: حکیم عبدالحکیم ڈولہ ساکن ڈولو وال تحصیل دیپال پور ضلع ساہیوال بقلم خود

۵/۷/۸





شرعاً یہ فعلِ بد ثابت نہیں کیونکہ شرع میں دو مردوں کی گواہی ہوتی ہے ایک کی گواہی معتبر نہیں، قرآنِ کریم میں ہے واستشھدوا شھیدین من رجالکم (الٰی ان قال جل وعلا) ممن ترضون من الشھداء، اور یہ حکم حدیث شریف کا بھی ہے پھر سائلین ۱ گلزار محمد صاحب ڈولہ ۲ محمد شعبان صاحب ڈولہ ۳ محمد حسین صاحب ڈولہ از ڈولو وال ضلع ساہیوال



نے بالاتفاق بیان کیا کہ وہ گواہ کبھی نماز پڑھتا اور کبھی نہیں پڑھتا تو وہ محض ممتن سرضون سے نہیں لہذا وہ گواہ ہے ہی نہیں اور لڑکے کے باپ کا قسم سے انکار کرنا بھی جرم نہیں بنتا یہ جاہلوں کا خیال ہے لہذا وہ گائے بدستور سابق ہے دودھ پینا بھی جائز ہے اور رکھنا بھی جائز ہے اور بچھڑے کا بھی کوئی حرج نہیں اور وہ لڑکا بھی بری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۷۸-۶-۵

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو تالاب میں بھینس کا دُم پکڑے ہوئے آدھ جسم برہنہ دیکھا تو زید نے اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھو یہ عمرو کیا کر رہا ہے؟ اس کے بعد عمرو سے پوچھا گیا کہ تو نے یہ فعل کیا ہے؟ عمرو نے صاف انکار کر دیا اور صاف انکار کر رہا ہے زید نے تمام قریہ میں عمرو پر عمداً قذف پھیلا دیا کہ عمرو نے بھینس کے ساتھ بدفعلی کی ہے اور یہ تمام واقعہ امام مسجد قریہ ہٰذا کے پاس ذکر کیا عمرو کے گھر والوں کو جب اس معاملہ کا پتہ چلا تو زید کو پنچایت میں بلایا گیا، پنچایت نے جب زید سے بیان لئے، زید نے کہا میں نے غلطی سے یہ تمام واقعہ قذف قریہ میں پھیلا دیا ہے، اس کے بعد زید کا آخری بیان ہے کہ مجھے یقین نہیں



ہے، میں نے محض مذاق کے طور پر یہ اتہام لگایا ہے کہ قاذف پر شرعی لحاظ سے حد لگ سکتی ہے، برائے مہربانی کتبِ معتبرہ سے تحریر فرمائیں۔

سائل : حافظ محمد ادریس چک ۲۸۹ ای بی





زید نے نہایت بُرے جرم کا ارتکاب کیا، اپنے مسلمان بھائی پر بہتان باندھا اس کا دل دکھایا، قرآنِ کریم میں ہے والذین یؤذون المؤمنین و المؤمنٰت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا پ ۲۲ تو اس پر تعزیر واجب ہے، فتاوٰی عالمگیر ج ۲ ص ۲۳۷ میں ہے ان کل من ارتکب منکرا او اذی مسلما بغیر حق بقولہ او بفعلہ یجب التعزیر اور حدِ قذف اس پر لازم نہیں کیونکہ قذف اس پر لازم ہے جب زنا کی تہمت لگائے، فتاوٰی عالمگیر ج ۲ ص ۲۳۳ میں ہے القذف فی الشرع الرمی بالزنا اور تعزیر کا معنٰی یہ ہے کہ مجرم کو ادب سکھانے اور گناہ سے باز رہنے کے لئے ایسی سزا دینی جو مفید ہو کما فی الھندیۃ وغیرھا، اس میں کوئی حد مقرر نہیں بلکہ حاکمِ شرع جتنی سزا مناسب سمجھے، دے سکتا ہے، فتاوٰی عالمگیر ج ۲ ص ۲۳۶ میں ہے فالتعزیر مفوض الی الامام۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۶۳-۷-۳۰

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک نوجوان آدمی ایک شیر دار بھینس بیٹھی ہوئی کے ساتھ حرام کاری کرتا ہوا پکڑا گیا، اس کے لئے کیا سزا ہونی چاہئے از روئے شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم مفصل تحریر فرمائیں۔

السائل: عبدالحکیم ودلہ ممبر یونین کونسل پنلی پہاڑ ۱۹۹ ساکن دولوال تحصیل دیپالپور

۲۵ ۱۱/۶۲





اگر یہ فعلِ شنیع شرعاً ثابت ہو جائے بایں طور کہ وہ پکڑنے والے مسلمان نمازی اور نیک، عاقل، بالغ کم از کم دو مرد ہوں یا ملزم بلا جبر و اکراہ اقرار کرے تو اس شخص پر تعزیر عائد ہوتی ہے، جو سزائے موت کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے مگر یہ ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر ہے تو اسے اپنے اختیارات کے لحاظ سے زدوکوب وغیرہ سے ایسی سزا دیں کہ آئندہ وہ اور اس جیسے دوسرے لوگ اس گندے کام سے رک جائیں، رہی وہ بھینس تو ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ ایسے جانور کو ذبح کر دینا چاہئے اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ایسے جانور



سے نفع اٹھانا زندہ ہو یا مردہ، مکروہ ہے اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ جانور کسی دوسرے کا ہو تو وہ قیمت وصول کر کے بدکاری کرنے والے کے ذمہ لگا دے کہ ذبح کیا جائے، درالمختار میں ہے یعنی وتذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بہا حیۃ او میتۃ، شامی میں ہے فان کانت الدابۃ لغیر الواطئ یطالب صاحبہا ان یدفعہا الیہ بالقیمۃ ثم تذبح ھٰکذا قالوا ولا یعرف ذٰلک الا سماعا فیحمل علیہ، (انتہا یلعی ونہر)

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲-۱۲-۶۲



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی تقریباً ۱۵ یا ۱۶ سال کا نے ایک گائے کے ساتھ وطی کی اور وطی کا مقر اس طرح سے ہوا کہ میں نے اپنا ذکر گائے کے فرج میں داخل کیا اور دو دفعہ حرکت کی لیکن منی انزال کچھ نہیں ہوا، یہ اقرار اس کا چار گواہوں کے روبرو ہے اور ایک شاہد موقع کے کی شہادت ہے جو کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ فاعل نے ذکر گائے کے فرج میں داخل کیا اور دو مرتبہ حرکت کی تو میں نے پیچھے سے لاٹھی لگائی تو وہ گر پڑا اور اس کے آلہ اور گائے کے فرج پر منی وغیرہ کچھ نہیں دیکھی تو



اس مسئلہ میں گائے کا کیا حکم ہے؟ اس کا چھوڑنا اور دودھ پینا جائز ہے
یا اس کو ذبح کیا جائے؟ اور فاعل پر شرعاً کیا تعزیر ہے؟ بینوا توجروا۔
المستفتی: عبدالواحد





صورتِ مذکورہ میں فاعل کو جوتوں سے خوب زدوکوب کیا جائے
اور گائے کو ذبح کر کے جلا دیا جائے اور اگر گائے کا مالک اور ہو تو فاعل اسکی
قیمت بھی مالک کو ادا کرے، در المختار میں ہے ولا یحد بوطئ بھیمۃ
بل یعزر وتذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بھا حیۃ ومیتۃ
انتھٰی ویفتی بہ للسیاسۃ وتنفیر الخبثاء۔

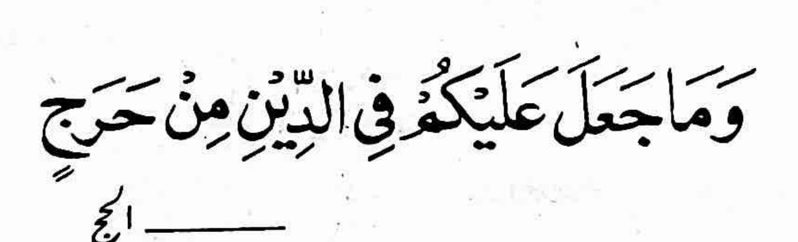
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور
۱۵ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ



حظر و اباحۃ





——— الحج

اور اللہ نے تُم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔





اَلدِّیْنُ یُسْرٌ

______ الحدیث

دین آسان ہے



تعارف



حظر کا معنی ہے بچنا، پرہیز کرنا----- یعنی یہ کام ممنوع ہے، لہذا اس سے بچنا چاہیے اور اباحت کا معنیٰ ہے جائز و مباح----- یعنی اس کے چھوڑنے یا کرنے پر ثواب ہے نہ عذاب----- البتہ اگر کوئی بھی جائز و مباح کام نیت صالحہ سے کیا جائے تو عبادت بن جاتا ہے، جس پر حسب نیت اجر و ثواب ملتا ہے-----

فقہاء کرام اس کتاب میں ایسے امور کا تذکرہ کرتے ہیں جو شریعت مطہرہ میں مباح، مکروہ یا ممنوع ہیں-----

"کتاب الحظر والاباحۃ" میں چھبیس استفتاءات شامل کیے جارہے ہیں----- جن میں بعض مسائل وہ ہیں جو ہمیشہ سے علماء کے ہاں موضوع بحث چلے آرہے ہیں، مثلاً اولیائے کرام کے مزارات پر مقابر و قبہ جات کی تعمیر----- میلاد پاک----- گیارہویں شریف----- بزرگان دین کے عرس----- طعام پر فاتحہ و ختم پڑھنا----- ایصال ثواب----- قرآن خوانی----- کھڑے ہو کر سلام پڑھنا----- اور----- اذان کے ساتھ درود و سلام وغیرہ-----

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ نے معتدل، معقول، افراط و تفریط سے پاک اور مدلل انداز میں ان مسائل کی شرعی حیثیت بیان کی ہے نیز داڑھی کی مقدار----- لبوں کے بال نوچنے----- اور----- قرآن کریم کے بوسیدہ نسخوں کی تدفین وغیرہ مسائل پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی



"كتاب الحظر والاباحة" میں بعض ایسے فتوے بھی شامل ہیں جو دور حاضر کے پیچیدہ مسائل سے متعلق ہیں' جن کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے' مثلاً :

جاں بلب مریضوں کو خون دینا-----

انگریزی اور ہومیو پیتھی ادویات کا استعمال-----

عورتوں کو تعلیم کتابت-----اور-----

ہوائی جہاز میں نماز وغیرہ-----

علاوہ ازیں بہت سے مسائل جدیدہ کا ذکر فتاوی نوریہ کی باقی جلدوں میں حسب موقع آگیا ہے' مثلاً نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال-----ریل گاڑی میں نماز-----گھڑی کی چین-----رؤیت ہلال-----روزہ کی حالت میں انجکشن-----بلغاریہ' ڈنمارک وغیرہ (ایسے مقامات جہاں بعض اوقات صرف ڈیڑھ' دو گھنٹے کی رات ہوتی ہے) میں نماز' روزے کے مسائل-----حج کے لئے تصویر-----اور-----دو متحد الجسم عورتوں کے نکاح کا حکم وغیرہ-----

(مرتب)







کتاب الحظر والاباحۃ



الاستفتاء

(نوٹ: سوالِ ذیل گمنام سائل کا ہے، تاریخ بھی نہیں لکھی، سوال کے ساتھ جوابی لفافہ پر یہ پتہ ہے: دفتر رضائے مصطفےٰ، چوک دارالسلام گوجرانوالہ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رضائے مصطفےٰ اخبار کے متعلقین میں سے کسی صاحب کا سوال ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا یہ قول ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا امام احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد فتوے وقتی تھے جس بنار پر آپ نے حرمت وکراہت کا فتوےٰ دیا تھا، وہ بنیاد اور وجہ اب اس زمانہ میں نہیں رہی اس لئے حرمت وکراہت کی بجائے جواز وإباحت کا فتویٰ دیا جائیگا اس سلسلہ میں انہوں نے انگریزی لباس، پتلون، ٹائی، ہیٹ وغیرہ اور فاسقانہ وضع کے کپڑے۔ لڑکیوں کی کتابت اور گھڑی کے لوہے، پیتل وغیرہ دھات کے چین کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ اگرچہ اعلیٰ حضرت نے انگریزی لباس کو حرام، لوہے پیتل وغیرہ کے چین کو ناجائز



اور ان کے ساتھ نماز کو مکروہ تحریر فرمایا ہے اور لڑکیوں کو لکھنا سکھانے کی ممانعت بیان کی ہے مگر چونکہ اب ہمارے زمانے میں اس کی کیفیت بدل گئی ہے اور ان چیزوں کا عام رواج ہو گیا ہے، اس لئے عموم بلوی کی وجہ سے اب انگریزی لباس و فاسقانہ وضع کے کپڑوں کا استعمال، لڑکیوں کو لکھنا سکھانا اور لوہے پیتل وغیرہ کا چین پہننا جائز و مباح ہو گیا ہے الہذا

دریافت طلب امر یہ ہے کہ :

۱۔ کیا زید مذکور کا یہ قول صحیح ہے اور آج کل کے کسی عالم کو مجدد وقت کے محققانہ شرعی فتاوی میں ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل ہے ؟

۲۔ کیا واقعی رواج عام ہو جانے کے باعث انگریزی و فاسقانہ لباس، لوہے، پیتل کا چین اور لڑکیوں کو لکھنا سکھانا اور سکولوں کالجوں میں پڑھانا جائز ہو گیا ہے۔

۳۔ کیا عموم بلوی کی کوئی شرائط و حدود ہیں یا ہر شخص اپنی منشا و مفاد کے مطابق کسی جائز غلط چیز کا رواج دیکھ کر اسے جائز و مباح قرار دے سکتا ہے ؟ کیا اس طرح امن ائمہ جانے اور دین میں آزاد خیالی پھیلنے کا خطرہ نہیں ؟





ہاں مجدد وقت کی ایسی ہدایات و تصریحات (جو کتاب و سنت سے مستنبط ہیں) کی روشنی میں یوں ہو سکتا ہے بلکہ عملاً خود مجدد وقت ہی اس کا سبق بھی دے چکے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ خالصاً لوجہ اللہ تعالے ہو۔

تعجب ہے کہ خود مستفتی صاحب کو روز روشن کی طرح معلوم ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالے عنہ کے محققانہ اقوال و فتاوائے شرعیہ کی موجودگی میں حضرات صاحبین وغیرہما



اجلّہ تلامذہ بلکہ متأخرین کے بھی بکثرت ایسے اقوال و فتاوٰے ہیں جو ان کے خلاف ہیں ، جن کی بناء قولِ صوری وضروری وغیرہ اصولِ ستّہ پر ہے جس کی تفصیل فتاوٰے رضویہ ج ا ص ۳۸۵ وغیرہا میں ہے بلکہ یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ خود ہمارے مجدّدِ برحق کے صدہا نہیں بلکہ ہزارہا تطفلات ہیں جو صرف متأخرین نہیں بلکہ متقدمین حضرات فقیہ النفس امام قاضی خان وغیرہ کے اقوال و فتاوٰے شرعیہ پر ہیں جن میں اصولِ ستّہ کے علاوہ سبقتِ قلم وغیرہ کی صریح نسبتیں بھی مذکور ہیں۔

اور یہ بھی نہاں نہیں کہ ہمارے مذہبِ مہذب میں مجددین حضرات معصوم نہیں تو تطفلات کا دروازہ اب کیوں بند ہوگیا ؟ کیا کسی مجدد کی ہی کوئی تصریح ہے یا کم از کم اتنی ہی تصریح ہو کہ اصولِ ستّہ کا زمانہ اب گزرگیا لہٰذا الکبیر کا فقیر بننا فرضِ عین ہوگیا۔ کیا تازہ حوادثات و نوازل کے متعلق احکامِ شرعی موجود نہیں کہ ہم بالکل صمّ بکم بن جائیں اور عملاً اغیار کے ان کافرانہ مزعومات کی تصدیق کریں کہ معاذ اللہ اسلام فرسودہ مذہب ہے ۔ اس میں روز مرہ ضروریاتِ زندگی کے جدید ترین ہزارہا تقاضوں کا کوئی حل ہی نہیں ، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔



اِسی ایک جواب نے ۲ اور ۳ کے جواب بھی واضح ہیں البتہ یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ کسی جائز اور غلط چیز کو اپنے معاد و منشا سے جائز و مباح کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں مگر شرعًا اجازت ہو تو عدمِ جواز کی رٹ لگانا بھی جائز نہیں ، غرضیکہ ضد اور نفس پرستی سے بچنا نہایت ہی ضروری ہے۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ذمہ دار علماء کرام محض اللہ کے لئے نفسانیت سے بلند و بالا سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایسے جزئیات کے فیصلے کریں ، مثلاً یہ کہ وہ لباس جو کفار یا فجار کا شعار ہونے کے باعث ناجائز تھا ، کیا اب بھی شعار ہے تو ناجائز ہے یا اب شعار نہیں رہا تو جائز ہے مگر بظاہر یہ توقع تمنّا کے حدود طے نہیں کرسکتی اور یہی انتشار آزادخیالی کا باعث بن رہا ہے فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

میری مخلصانہ رائے ہے کہ زید نے اپنے دعاوی پر جو دلائل دیتے ہیں ، ان میں غور کی

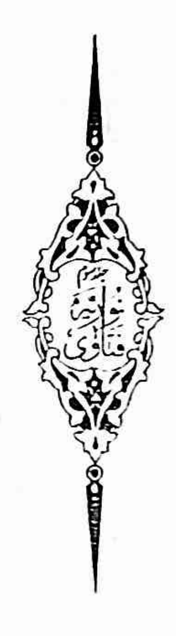
ضرورت ہے فاعتبروا یا اولی الابصار

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علٰی حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ مجتہدی امتہ ومجددیھا وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

۲۰۰۶۰۴۲





عورتوں کیلئے تعلیمِ کتابت کے جواز پر تحقیقی رسالہ





الافتاء فی جواز تعلیم الکتابۃ للنساء

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ عورتوں کو تعلیم کتابت جائز ہے یا کہ نہیں؟ کہا جاتا ہے کہ حدیثِ شریف میں ممانعت آئی ہے۔

بینوا ماجورین من رب العلمین

السائل : محمد عبدالرحمٰن نوری

مدرس دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور



بسم الله الرحمن الرحيم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اُولِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ [1]



علم کتابت دوسرے آلی علموں کی طرح نہایت ہی عظیم الشان اور خادم کتاب وسنت علم ہے، دین اور دنیا کے مفادات اور ضروریات اِس سے وابستہ ہیں تو اِس علم کی تعلیم بھی دوسرے علوم کی طرح جائز ومستحسن بلکہ ضروری ہے جس کا ثبوت ان تمام آیات واحادیثِ مبارکہ متکاثرہ سے واضح ہے جن سے ہر علم نافع کی تعلیم کا جواز اَمس وشمس کی طرح ثابت ہے بلکہ بالخصوص علم کتابت علی الاطلاق بھی ثابت ومستفاد ہے، قرآن کریم میں ہے:

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ [3]

(ترجمہ) "پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا" (کنز الایمان) [4]

خزائن العرفان [5] شریف ص ۸۷۱ میں ہے:

"اِس سے کتابت کی فضیلت ثابت ہوئی اور درحقیقت کتابت میں بڑے منافع ہیں،



---

[1] تمام تعریفیں صرف اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں اور درود وسلام اس ذاتِ گرامی پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ کی آل اور اصحاب پر جو عزت وعظمت والے ہیں۔

[2] اے اللہ مجھے نور اور صحت ودرستی عطا فرما۔

[3] سورۃ العلق: ۳ تا ۵

[4] اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۴۰ھ) اہلِ سنت برقی پریس مراد آباد

[5] صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۳۶۷ھ) " " "



کتابت ہی سے علوم ضبط میں آتے ہیں، گزرے ہوئے لوگوں کی خبریں اور ان کے احوال اور ان کے کلام محفوظ رہتے ہیں، کتابت نہ ہوتی تو دین و دنیا کے کام قائم نہ رہ سکتے۔"

اور یونہی تفسیر مدارک[1] ج ۴ ص ۲۷۴ تا ۲۷۵، قرطبی[2] ج ۲۰ ص ۱۲۰، خازن[3] ج ۷ ص ۲۲۴ میں بھی ہے:

والنظم منہ: فیہ تنبیہ علی فضل الکتابۃ لما فیھا من المنافع العظیمۃ لان بالکتابۃ ضبط العلوم و دونت الحکم و بھا عرفت اخبار الماضین و احوالھم و سیرھم و مقالاتھم و لولا الکتابۃ ما استقام امر الدین والدنیا[4]

قرطبی اور الدر المنثور[5] ج ۶ ص ۳۶۹ میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

القلم نعمۃ من اللہ تعالیٰ عظیمۃ لولا القلم لم یقم دین و لم یصلح عیش[6]



مظہری[7] ج ۱۰ ص ۳۰۴ میں ہے:

---

[1] ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ) - مدارک التنزیل احیاء الکتب العربیہ مصر ۱۳۴۴ھ

[2] ابوعبداللہ محمد بن احمد اندلسی قرطبی (م ۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن دار الکتب ۱۳۸۷ھ

[3] علی بن محمد بغدادی، صوفی، خازن (م ۷۴۱ھ) لباب التاویل تجاریہ کبرٰے مصر ۱۳۵۷ھ

[4] اس عربی عبارت کا مفہوم وہی ہے جو خزائن العرفان کے اقتباس میں پہلے گزر چکا۔

[5] امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) میمنہ مصر ۱۳۱۴ھ

[6] قلم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، اگر قلم نہ ہوتا تو دین سنورتا نہ دنیا۔

[7] قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) مطبع فاروقی، دہلی

فان من كمال كرمه تعالى تعليم العلوم و
تعليم ما يفيد به العلوم[1]

تفسیر نیشاپوری[2] ج ۳ ص ۱۲۵ میں ہے :

و كفاك في مدحه انه تعالى حين عدد على الانسان
نعمة الخلق و التسوية و تعديل الاعضاء الظاهرة
و الباطنة وصف نفسه بالكرم قائلاً " ما غرك بربك
الكريم الذى خلقك فسوىك فعدلك[3] " و حيث من عليه
بالخط و التعليم مدح ذاته بالاكرمية فقال متعرضا
" و ربك الاكرم الذى علم بالقلم[4] " اى علم الانسان
بواسطة القلم او علمه الكتابة بالقلم۔

جس کا حاصل یہ کہ تعلیم کتابت و قلم کی اہمیت اس سے واضح ہے کہ اللہ رب العالمین نے انسان کے پیدا کرنے اور ظاہری اور باطنی اعضار کی خلقت کے بیان میں اپنے آپ کو کریم فرمایا اور اِس احسانِ عظیم تعلیم کتابت کے بیان میں اپنی صفت " اکرم " سے فرمائی جو صیغۂ تفضیل ہے اور اس نعمت کی فضیلتِ عظیمہ پر دال ہے۔

قرآنِ کریم کی سورۂ "ن" میں بھی اس کی اہمیت کا بیان ہے ن ۔ و القلم و ما یسطرون[5] (پ ۲۹ ع ۳)



---

[1] بلاشبہ علوم اور ان کے اسباب کی تعلیم اللہ تعالٰے کے کمالِ کرم سے ہے۔

[2] حسن بن محمد قمی نیشاپوری (م ۷۲۸ھ) غرائب القرآن کبرٰے امیریہ مصر ۱۳۳۰ھ

[3] اے انسان تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا اپنے رب کریم سے جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا، پھر تیرے اعضار کو متناسب بنایا۔ (الانفطار : ۶، ۷)

[4] اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے (انسان کو) علم سکھایا (یا کتابت سکھائی) قلم کے واسطہ سے۔ (العلق : ۳، ۴)

[5] آیت :

"قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو وہ لکھتے ہیں"
بکثرت ایسے مفسرین ہیں جن کے نزدیک اس قلم سے مراد جنس قلم ہے جس میں ہماری یہ دنیاوی قلمیں بھی داخل ہیں۔
تفسیر کبیر[1] طبع جدید ج ۳۰ ص ۷۸، تفسیر بیضاوی[2] ج ۲ ص ۳۷۸، تفسیر ابو السعود[3] ج ۸ ص ۲۱۲، مدارک ج ۴ ص ۲۱۰ میں ہے:

والنظم للرازی و قولہ تعالٰی والقلم فیہ قولان احدھما ان المقسم بہ ھو الجنس وھو واقع علٰی کل قلم یکتب بہ من فی السماء ومن فی الارض[4]

تفسیر ابن کثیر[5] ج ۴ ص ۴۰۱ میں ہے:

الظاھر انہ جنس القلم الذی یکتب بہ کقولہ اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم فھو قسم منہ تعالٰی و تنبیہ لخلقہ علٰی ما انعم بہ علیھم من تعلیم الکتابۃ التی بھا تنال العلوم[6]



---

[1] فخر الدین محمد بن عمر رازی (م ۶۰۶ھ) مفاتیح الغیب کبیر، بہیہ مصر

[2] عبداللہ بن عمر بیضاوی انوار التنزیل نولکشور لکھنؤ ۱۲۸۲ھ

[3] ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی (م ۹۸۲ھ) ارشاد العقل عامرہ مصر

[4] امام رازی رقمطراز ہیں کہ فرمانِ الٰہی "والقلم" میں دو قول ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز کی قسم اٹھائی گئی ہے وہ جنس ہے تو یہ ہر اس قلم پر صادق آئے گا جس سے ارضی و سماوی موجودات کو تحریر کیا جائے۔

[5] ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (م ۷۷۴ھ) عیسی البابی الحلبی مصر ۱۳۲۱ھ

[6] ظاہر تر ہے کہ یہ اس قلم کی جنس ہے جو آلۂ کتابت ہے جیسا کہ اللہ تعالٰے نے (سورۂ علق کی ابتدائی آیات میں) علم بالقلم فرمایا (یعنی قلم کے ذریعے لکھنا سکھایا) سو یہ اللہ تعالٰے کی طرف سے قسم ہے اور کتابت ایسے عظیم انعام پر مخلوق کو متنبہ کرنا مقصود ہے جس کے ذریعہ علم حاصل کئے جاتے ہیں۔



تفسیر نیشاپوری ج ۲۹ ص ۱۵ میں ہے:

اما القلم فالاکثرون علی انہ جنس اقسم اللہ سبحٰنہ بکل قلم یکتب بہ فی السماء و فی الارض [1]

تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۲۲۵ میں ہے:

وھو واقع علی کل قلم مما یکتب بہ من فی السماء و من فی الارض [2]

اور آیتِ مداینہ سے بھی علمِ کتابت کی ضرورت واضح ہے جس میں ارشاد ہوا "فاکتبوہ" [3]

اور یہ بھی اسی میں ہے:

ولا تسأموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا۔ [4] پ ۳ ع ۷

اور کئی اور آیات بھی ہیں جن سے فضیلتِ کتابت ثابت ہے۔

بہرحال علمِ کتابت اللہ رب العالمین کا بہت بڑا انعام و احسان ہے جس کی عظمت ان آیات سے واضح ہے اور افرادِ انسان کا نصف بلکہ نصف سے بھی زائد عورتیں ہیں تو قرآن کریم سے عورتوں کے لئے بھی علمِ کتابت کا انعام ہونا ثابت ہوگیا و للہ تعالی الحمد والمنۃ [5]

پھر صحیح حدیث سے بھی یہ مسئلہ "تعلیم الکتابۃ للنساء" ثابت ہے۔ مسندِ امام [6]



---

[1] (و القلم میں) اکثر علماء کے نزدیک قلم سے مراد جنس ہے۔ اللہ سبحٰنہ نے ہر اس قلم کی قسم بیان کی جس سے آسمان و زمین میں تحریر کا کام لیا جائے۔

[2] اس کا مصداق ہر وہ قلم ہے جس سے ارضی و سماوی موجودات تحریر کئے جائیں۔

[3] تو اسے تحریر کرلیا کرو (البقرہ : ۲۸۲)

[4] (قرض وغیرہ کا معاملہ) چھوٹا ہو یا بڑا اس کی تحریر سے مت اکتاؤ۔ (البقرہ : ۲۸۲)

[5] اللہ تعالٰی کی تعریف اور اسی کا احسان ہے۔

[6] ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) دار صادر بیروت

احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۷۲، سنن[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۶، مستدرک[2] حاکم ج ۴ ص ۵۷، سنن[3] بیہقی ج ۹ ص ۳۴۹ میں حضرتِ شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بکلماتِ مبارکہ متقاربہ ثابت ہے کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم حضرتِ ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس تشریف لائے اور میں بھی حاضر تھی تو مجھے فرمایا :

الا تعلمین ھٰذہ رقیۃ النملۃ کما علمتیھا الکتابۃ

"یعنی کیا تو اس کو رقیۃ النملہ کی تعلیم نہیں دیتی جیسے اس کو کتابت کی تعلیم تم نے دی ہے۔"

حاکم نے فرمایا :

ھٰذا حدیث صحیح علٰی شرط الشیخین

کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

امامِ ذہبی نے صراحۃً اس کی تقریر و تائید فرمائی اور ابوداؤد نے اِس حدیث پر سکوت فرمایا جو حسب القاعدہ تحسین ہے، تو اِس جلیل القدر حدیث سے ثابت ہوا کہ تعلیمِ کتابت للنساء بلا کراہت جائز ہے بلکہ مطلوب ہے۔



کشف[4] الغمہ ج ۱ ص ۲۶۱، زاد[5] المعاد علٰی ہامش الزرقانی ج ۶ ص ۳۴ میں ہے :

فیہ دلیل علٰی جواز تعلیم النساء الکتابۃ[6]

---

[1] ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵ھ) مجیدی کانپور ۱۳۴۱ھ

[2] ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم (م ۴۰۵ھ) دائرۃ المعارف ۱۳۳۴ھ

[3] ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (م ۴۵۸ھ) دائرۃ المعارف ۱۳۴۴ھ

[4] ابوالمواہب عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۳ھ) مصطفٰے البابی الحلبی مصر ۱۳۷۰ھ

[5] شمس الدین بن عبداللہ بن قیم جوزی (م ۷۵۱ھ) ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ

[6] یہ حدیث اِس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کے لئے تعلیمِ کتابت جائز ہے۔

مرقات[1] ج ۸ ص ۳۶۴ میں ہے :

قال الخطابی فیہ دلیل علی ان تعلیم النساء الکتابۃ غیر مکروہ[2]

شرح[3] سفر السعادۃ ص ۴۸۱ میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" وازیں حدیث معلوم شود تعلیم کتابت مر نساء را مکروہ نیست[4]"

اِس حدیث سے رقیۃ[5] النملہ کی تعلیم کا پسندیدہ اور مطلوب ہونا تو منصوص ہے اور اس کو تعلیم الکتابت کے ساتھ حضور نے تشبیہ دی تو معلوم ہوا کہ وہ بھی پسندیدہ اور مطلوب ہے ورنہ تشبیہ نہ دی جاتی کہ پسندیدہ غیر پسندیدہ کا ہم مثل نہیں ہو سکتا تو ثابت ہوا کہ صرف جائز نہیں بلکہ پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ پھر یہ حدیث قرآنِ کریم کی ان آیاتِ مبارکہ کے موافق ہے جن سے تعلیم الکتابت کا جواز بلکہ ضرورت ثابت ہے تو مرقات و اشعۃ اللمعات کے کمزور احتمالات کا اعتبار نہیں ہوگا کما سیجیء ان شاء اللہ تعالیٰ[6]

پھر ہمارے فقہائے کرام اور مشائخ عظام کی تصریحات سے بھی یہ جواز ثابت ہو رہا ہے، عینی[7] علے الہدایہ ج ۱ ص ۳۹۸ ، فتاویٰ[8] عالمگیر ج ۱ ص ۲۰ میں ہے :



---

[1] ملا علی بن سلطان محمد قاری (م ۱۰۱۴ھ) مرقاۃ المفاتیح امدادیہ ملتان ۱۳۷۸ھ

[2] علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اِس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کو لکھنا سکھانا مکروہ نہیں۔

[3] شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) نول کشور، لکھنؤ ۱۸۸۵ھ

[4] اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو کتابت کی تعلیم دینا مکروہ نہیں۔

[5] پہلو میں ایک خاص قسم کی پھنسیوں اور آبلوں کا دم۔

[6] جیسا کہ آگے قریب ہی ذکر آرہا ہے انشاء اللہ تعالےٰ۔

[7] بدر الدین محمود عینی (م ۸۵۵ھ) بنایہ نول کشور ۱۲۹۳ھ

[8] ملا نظام الدین برہانپوری (م ۱۱۰۹ھ) مجیدی کانپور ۱۳۵۰ھ



یکرہ للجنب والحائض ان یکتبا الکتاب الذی فی بعض سطورہ اٰیۃ من القراٰن وان کانا لایقراٰن القراٰن[1]

منیۃ[2] المصلی اور اس کی شرح صغیر[3] و کبیر[4] میں ہے:

والنظم من المنیۃ والغنیۃ وکذا ای کما لایجوز للجنب والحائض والنفساء قراءۃ القراٰن لایجوز لھم کتابۃ القراٰن[5]

جس کا حاصل یہ کہ حائض اور نفساء کے لئے کتابتِ قرآن کریم جائز نہیں مکروہ ہے تو اس سے واضح مفہوم یہ ہے کہ حیض و نفاس سے پاک عورت کے لئے بلا کراہت جائز ہے حالانکہ کتبِ فقہیہ کا ایسا مفہوم معتبر ہے کما فی الشامیۃ وغیرھا و بینتہ فی الفتاوی النوریۃ[6]

نیز فتاوٰے سراجیہ[7] ص ۷۶، فتاوٰے ہندیہ[8] ج ۴ ص ۱۰۱، تنویر الابصار[9]، درالمختار[10]،



[1] جنبی اور حیض والی کے لئے ایسی تحریر لکھنا مکروہ ہے جس کی بعض سطور میں قرآنِ پاک کی کوئی آیت ہو اگرچہ یہ دونوں جنبی و حائض قرآنی آیت زبان سے نہ بھی پڑھیں۔

[2] سدید الدین کاشغری (م ۷۰۵ھ)

[3] شیخ ابراہیم بن محمد حلبی (م ۹۵۶ھ) صغیری مجتبائی دہلی ۱۳۲۵ھ

[4] ایضاً غنیۃ المستملی (کبیری) " ۱۳۳۲ھ

[5] منیۃ المصلی اور غنیہ کی عبارت ہے: جس طرح جنبی اور حیض و نفاس والی عورت کے لئے قرآن کریم کی تلاوت ناجائز ہے اسی طرح اسے قرآن پاک کی کتابت بھی ناجائز ہے۔

[6] جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے اور میں نے بھی (اپنی تصنیف) فتاوٰے نوریہ میں اسے بیان کیا ہے۔

[7] سراج الدین علی بن عثمان اوشی فرغانی نول کشور لکھنؤ ۱۳۴۴ھ

[8] فتاوٰے عالمگیر کو فتاوٰے ہندیہ بھی کہتے ہیں، اسے ملا نظام الدین برہانپوری کی سربراہی میں علماء کی ایک کمیٹی نے اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے حکم سے مرتب فرمایا۔

[9] محمد بن عبداللہ تمرتاشی غزی (م ۱۰۰۴ھ) دارالسعادۃ ۱۳۲۴ھ

[10] علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی (م ۱۰۸۸ھ) " "

طحطاوی ج ۴ ص ۲۰۹ ، شامی ج ۵ ص ۲۷۱ میں ہے :

و المنظم من الفتاوی و یکرہ ان یکتب بالقلم المتخذ بالذھب او الفضۃ او من دواۃ کذلک و یستوی فیہ الذکر و الانثٰی۔

یعنی مرد اور عورت کو سونے یا چاندی کے قلم سے یا سونے اور چاندی کی دوات سے لکھنا مکروہ ہے۔

جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ دوسرے قلموں سے لکھنا اور یونہی دوسری دَواتوں سے لکھنا عورتوں کے لئے بھی مکروہ نہیں تو امس وشمس کی طرح واضح ہوا کہ عورتوں کے لئے تعلیمِ کتابت کا جواز قرآنِ کریم اور حدیث شریف اور فقہِ حنفی سے ثابت ہے جس پر قرونِ اُولٰی میں بلا انکار عمل ہوتا رہا ہے۔

چنانچہ اسی حدیثِ صحیح[2] سے ثابت کہ حضرتِ شفا بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہا جو صحابیہ قرشیہ قدیمۃ الاسلام مہاجراتِ اولٰی سے تھیں اور عاقلہ فاضلہ تھیں جن پر حضور پُر نور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصی عنایت تھی جن کے گھر میں حضور قیلولہ فرمایا کرتے تھے اور انہوں نے سرکار کے لئے مخصوص بستر اور چادر بچھاتے ہوئے تھے کما فی الاصابۃ ج ۴ ص ۳۳۳ وغیرھا[3]۔ وہ کاتبہ اور معلّمۂ کتابت تھیں اور کسی حدیث سے یہ ثبوت نہیں ملتا کہ سرکار نے انہیں لکھنے سے منع فرمایا ہو بلکہ ظاہر یہی ہے کہ تقریر فرمائی حالانکہ اگر

---

[1] سید احمد بن محمد بن علی طحطاوی (م ۱۲۳۱ھ) دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۲۵۴ھ

[2] ج ۴ ص ۱۳۴ پر مسند امام احمد، سنن ابو داؤد، مستدرک اور بیہقی کے حوالے سے گزر چکی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شفا بنت عبد اللہ سے فرمایا:

الاتعلمین ھٰذہ رقیۃ النملۃ کما علمتیھا الکتابۃ

"یعنی تم اسے (ام المؤمنین حفصہ کو) پہلو کی پھنسیوں کا دَم بھی سکھا دو جس طرح کہ تم نے اسے کتابت سکھائی ہے"

[3] جیسا کہ اصابہ اور دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔

[4] احمد بن علی ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) تجاریہ کبرٰی مصر ۱۳۵۸ھ



تعلیم کتابت ناجائز ہو تو وہ لکھنے کی بنا پر ہی ہے کما سیظھر ان شاء اللہ تعالیٰ [1]

اور اسی حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ حضرتِ ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی کاتبہ تھیں۔

حضرتِ عائشہ بنتِ طلحہ جو قرشیہ تابعیہ ثقہ اور حضرتِ ام المؤمنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی بھانجی ہیں، کاتبہ تھیں جو حضرتِ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہِ عالیہ میں مختلف ممالک سے آنے والے سوالات کا تحریری جواب دیا کرتی تھیں، یہ امامِ بخاری کی رائے ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب " الادب المفرد " ص ۳۸۲ کے ایک باب میں اس کو ذکر کیا ہے جس کا عنوان ہے:

باب الکتابۃ الی النساء وجوابھن [2]

اس حدیث میں ہے کہ وہ عرض کرتیں:

یاخالۃ ھٰذا کتابۃ فلان وھدیتہ فتقول لی عائشۃ ای بنیۃ فاجیبیہ۔

"یعنی اے خالہ یہ فلاں کا تحریری سوال ہے اور اس کا تحفہ ہے تو آپ مجھے فرماتیں: اے بچی! اسے جواب دے۔"



اس کا ظاہر یہ ہے کہ تحریری سوال کے تحریری جواب کا حکم فرماتیں اور وہ جواب خود ہی لکھتی تھیں کیونکہ اگر کوئی اور کاتب ہوتا تو اس کا ذکر کرتیں۔ ہاں احتمال ہے کہ کسی مرد کاتب سے لکھواتی ہوں مگر یہ احتمال بلا دلیل ہے اور بخاری کی رائے کے بھی خلاف ہے

فلا اعتداد بہ [3]

---

[1] جیسا کہ ان شاء اللہ تعالےٰ عنقریب وضاحت آئے گی۔

[2] عورتوں سے خط وکتابت کے سلسلے میں باب۔

[3] سو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

حضرتِ خدیجہ بنتِ محمد بن احمد ابو رجاء جو فقیہہ محدثہ اور فقیہ باپ کی بیٹی اور معمرہ تھیں وہ کاتبہ تھیں جو ۳۷۲ھ میں فوت ہوئیں۔ الجواہر المضیہ[1] ج ۲ ص ۳۰ اور ج ۲ ص ۲۷۷ میں ہے:

خدیجة بنت محمد بن احمد ابو رجاء القاضی الجوزجانی تفقهت علی ابیها و تقدم قال الحاکم فی تاریخ نیسابور عاشت اکثر من مائة سنة و کانت تحسن العربیة و الکتابة و سمعت من ابی یحیی البزاز ماتت سنة اثنتین و سبعین و ثلاثمائة رحمها الله تعالیٰ[2]

یہ چوتھی صدی کی ہیں۔

حضرتِ خدیجہ بنتِ محمد بن علی، جو عالمہ فاضلہ واعظۂ بغدادیہ تھیں، وہ بھی کاتبہ ہیں، العبر[3] للذہبی ج ۳ ص ۲۴۶ میں ہے:

وخدیجة بنت محمد بن علی الشاهجهانیة الواعظة ببغداد کتبت بخطها عن ابن سمعون[4]

یہ پانچویں صدی کی ہیں کما فی العبر[5]، محرم ۴۶۰ھ میں انتقال ہوا۔



---

[1] عبدالقادر بن ابوالوفاء محمد قرشی (م ۷۷۵ھ) دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۳۲ھ

[2] حضرت خدیجہ، ابو رجاء محمد بن احمد قاضی جوزجانی کی صاحبزادی ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ (جن کا ذکر کتاب میں پہلے گزر چکا) سے فقہ حاصل کی۔ حاکم نے تاریخ نیشاپور میں بیان کیا ہے کہ وہ سو سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہیں، انہیں عربی ادب اور فن کتابت پر مہارت تھی نیز انہوں نے ابو یحییٰ بزاز سے سنا کہ وہ ۳۷۲ھ میں فوت ہوئیں، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔

[3] ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی (م ۷۴۸ھ) مطبع الکویت ۱۹۶۱ء

[4] خدیجہ بنت محمد بن علی شاہجہانیہ واعظہ بغدادیہ نے اپنے خط سے ابن سمعون سے حدیثیں تحریر کی ہیں۔

[5] جیسا کہ العبر میں مذکور ہے۔



حضرت شہدہ بنت ابی نصر احمد، جو عابدہ صالحہ اور اتنی بلند پایہ محدثہ تھیں کہ ان کو مسندة العراق کہا جاتا تھا جو زمانے کے اکابر محدثین کی شاگرد اور بکثرت محدثین کی استاد تھیں، وہ بھی خوشنویس کاتبہ تھیں۔

مرآة الجنان[1] ج ۳ ص ۴۰۰ اور العبر ج ۴ ص ۲۲۰ میں ہے:

والنظم لليافعي وفيها (اى سنة اربع وسبعين وخمسمائة)

توفيت مسندة العراق شهدة بنت ابى نصر احمد بن الفرج الكاتبة العابدة الصالحة الدينورية الاصل البغدادية المولد والوفاة كانت من اهل كتبة الخط الجيد وسمع عليها خلق كثير وكان لها السماع العالى الخ[2]

یہ چھٹی صدی کی ہیں جن کے والد احمد بن فرح ابو نصر فقیہ و محدث ہیں کما فی الجواهر[3] ج ۱ ص ۸۹ اور ان کے بھائی محمود بن احمد فرح، امام فاضل محدث و فقیہ ہیں کما فی الجواهر ج ۱ ص ۱۵۶۔



حضرتِ فاطمہ فقیہہ عالمہ فاضلہ صالحہ متقیہ کاتبہ تھیں جو وقت کے جلیل القدر فقیہ و امام محمد بن احمد ابو منصور سمرقندی مؤلفِ تحفۃ الفقہاء کی صاحبزادی ہیں اور ایسے جلیل القدر امام و فقیہ کی بیوی ہیں جن کے لقب ان کے ہم زماں فقہاءِ کرام نے ملک العلماء اور علاؤ الدین مقرر کئے یعنی امام ابوبکر بن مسعود کاسانی، جو بدائع صنائع کے مصنف ہیں، جن کا وصال ۱۰ رجب المرجب ۵۸۷ھ میں ہوا اور ان کی بیوی حضرتِ فاطمہ کا انتقال ان سے پہلے ہوا، ان

---

[1] ابو محمد عبداللہ بن اسعد یافعی (م ۷۶۸ھ) دائرۃ المعارف ۱۳۲۹ھ

[2] علامہ یافعی کا بیان ہے کہ ابو نصر احمد بن فرح کی صاحبزادی مسندۃ العراق حضرت شہدہ نے ۵۷۴ھ میں وفات پائی، آپ کاتبہ عابدہ صالحہ تھیں، آبائی وطن کے حوالے سے دینوریہ اور جائے ولادت و وفات کے اعتبار سے بغدادیہ تھیں، ان کا خط نہایت عمدہ تھا، بہت سے لوگوں نے ان سے حدیث سنی، ان کو بلند پایہ اسناد سے سماع حدیث حاصل تھا۔

[3] جیسا کہ جواہر المضیہ میں ہے۔

باپ بیٹی اور خاوند کا ذکر الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ[1] ج ۲ کے صفحات ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹ اور مفتاح السعادہ[2] کے ج ۲ ص ۱۳۶ اور ۱۳۷ میں اور شامی ج ۱ ص ۹۳ اور الفوائد البھیہ[3] کے ص ۱۲۹ میں ہے (طویل عبارات سے صرف حضرت فاطمہ کے خط کی متعلقہ عبارت کو اختصاراً درج کیا جاتا ہے):

و النظم للشامی وکانت الفتویٰ تخرج من دارھم و علیہا خطھا و خط ابیہا و زوجہا[4]

یہ بھی چھٹی صدی کی ہیں۔

حضرتِ خدیجہ بنت مفتی محمد بن محمود جو عالمہ فاضلہ محدثہ اور خوشنویس تھیں، مرآۃ الجنان ج ۴ ص ۲۳۱ میں ہے:

خدیجۃ بنت المفتی محمد بن محمود (الیٰ ان قال) وجودت الخط علی جماعۃ وحجت و توفیت فی رجب وکانت عالمۃ فاضلۃ رحمہا اللہ تعالیٰ[5]

یہ ساتویں صدی کی ہیں کما فی مرآۃ الجنان[6]

حضرتِ خدیجہ بنت یوسف عالمہ فاضلہ اور خوشنویس تھیں، العبر ج ۵ ص ۳۹۸ میں ہے:

---

[1] ابو محمد عبد القادر بن ابو الوفا محمد قرشی (م ۷۷۵ھ) دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ

[2] احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبری زادہ (م ۹۶۲ھ) " ۱۳۵۶ھ

[3] ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) ندوۃ المعارف ۱۹۶۷ء

[4] شامی میں ہے کہ ان کے گھر سے جب فتوے جاری ہوتا تو اس پر ان کے اپنے اور باپ اور خاوند کے دستخط ثبت ہوتے۔

[5] خدیجہ بنت مفتی محمد بن محمود، انہوں نے ایک جماعت سے خوشخطی سیکھی، حج کیا اور ماہِ رجب میں وفات پائی، عالمہ فاضلہ تھیں اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔

[6] جیسا کہ مرآۃ الجنان میں ہے۔



وخدیجۃ بنت یوسف بن غنیمۃ العالمۃ الفاضلۃ

(الیٰ ان قال) وجودت الخط علیٰ جماعۃ۔

یہ ساتویں صدی کی ہیں کما فی العبر۔

حضرتِ فاطمہ بنت احمد بن علی، جو فقیہہ کاتبہ تھیں، جلیل القدر فقیہ مصنّفِ مجمع البحرین کی صاحبزادی ہیں۔

الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۳۷۷، ج ۲ ص ۲۷۸ میں ہے:

فاطمۃ بنت احمد بن علی الامام مظفر الدین (الیٰ ان قال) تفقہت علیٰ ابیہا واخذت عنہ مجمع البحرین فی الفقہ رأیتہ بخطہا [۱]

یہ صدی ساتویں یا آٹھویں کی ہیں کیونکہ ان کے والد صاحب امام مظفر الدین احمد ابن علی کا انتقال ۶۹۴ھ میں ہوا۔

کشف [۲] الظنون ج ۲ ص ۱۶۰۰ میں ہے:

مجمع البحرین وملتقی النہرین للامام مظفر الدین فی فروع الحنفیۃ للامام مظفر الدین احمد بن علی بن تغلب المعروف بابن الساعاتی البغدادی الحنفی المتوفی سنۃ اربع وتسعین وستمائۃ (۶۹۴ھ)" [۳]



حضرت شہدہ بنت الصاحب کمال الدین عمر، جو عابدہ زاہدہ محدّثہ عالمہ اور امام ذہبی

---

[۱] امام مظفر الدین احمد بن علی کی صاحبزادی فاطمہ نے اپنے والدِ ماجد سے فقہ کا علم حاصل کیا اور ان کی تصنیف مجمع البحرین کا درس لیا، صاحبِ جواہر فرماتے ہیں کہ حضرتِ فاطمہ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا مجمع البحرین کا نسخہ میری نظر سے گزرا ہے۔

[۲] حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ چلپی (م ۱۰۶۷ھ) اسلامیہ طہران ۱۳۷۸ھ

[۳] مجمع البحرین اور ملتقی النہرین فروع حنفیہ میں امام مظفر الدین کی تصانیف میں سے ہیں۔ موصوف ابنِ ساعاتی کے لقب سے معروف ہیں۔ آپ بغدادی حنفی ہیں۔ ۶۹۴ھ میں وصال فرمایا۔

کی استاد ہیں، وہ بھی کاتبہ تھیں۔

مرأة الجنان ج ۴ ص ۲۴۷ میں ہے ؛

لها حضور و اجازة من جماعة من الشيوخ وكانت تكتب و تحفظ اشياء و تتزهد و تتعبد و ذكر الذهبي انه ممن سمع منها [1]

یہ آٹھویں صدی کی ہیں کما فی المرأة [2]

ست الوزراء، جو عالمہ فقیہہ قارئہ، جو امام و مفتی علامہ محمد بن عبد الکریم کی صاحبزادی ہیں وہ بھی کاتبہ تھیں۔

الجواہر المضیۃ ج ۲ ص ۲۷۷ میں ہے ؛

ست الوزراء ابنة العلامة مفتي المسلمين عماد الدين محمد بن عبد الكريم بن عثمان عرف بابن السماع تقدم مولدها في سنة تسع وخمسين و ست مائة بعد وقعة عين جالوت كتبت و قرأت القرآن و حفظت شيئا كثيرا من فقه ابي حنيفة و تفقهت على والدها و اعتنى بها ابوها و اسمعها من اسمعيل بن الزجي و غيره ماتت في شوال سنة ست و ثلثين و سبع مائة [3]



[1] انہیں مشائخ کی ایک جماعت کے ہاں حاضری اور اجازت کا شرف حاصل تھا. علمی نکات تحریر کر کے محفوظ کر لیا کرتیں، بڑی زاہدہ عابدہ تھیں، امام ذہبی کو بھی ان سے سماع حدیث حاصل تھا۔

[2] جیسا کہ مرآۃ میں ہے۔

[3] مسلمانوں کے مفتی علامہ عماد الدین محمد بن عبد الکریم بن عثمان المعروف بابن السماع (جن کا ذکر پہلے گزر چکا) کی صاحبزادی "ست الوزراء" کی ولادت ۶۵۹ھ میں واقعہ عین جالوت کے بعد ہوئی، انہوں نے لکھنا سیکھا، قرآن پاک پڑھا، اپنے والد سے فقہ حاصل کی اور فقہ حنفی سے بہت کچھ یاد کیا، ان کے والد نے ان کی تعلیم کا بڑا اہتمام کیا اور انہیں اسمٰعیل بن زجی وغیرہ سے سماع حدیث کرایا۔ یہ شوال ۷۳۶ھ میں فوت ہوئیں۔

تو یہ آٹھویں صدی کی ہیں اور ان کے علاوہ بکثرت ایسی خواتین ہیں جو علم وفضل کے گھرانے میں پیدا ہوئیں اور تعلیمِ علم وفضل کے ساتھ تعلیمِ کتابت کے ساتھ بھی ممتاز تھیں۔

جب اہلِ اسلام میں علومِ شرعیہ رائج تھے تو بلادِ ماوراء النہر اور دوسرے بلاد میں جس علمی گھرانے سے فتوےٰ نکلتا تو عموماً اس فتوے پر صاحبِ خانہ عالم اور اس کی لڑکی اور بیوی یا بہن یا کسی اور محرم خاتون کے دستخط بھی ہوتے تھے۔

الجواہر المضیہ ج۲ ص ۲۷۷ میں ہے :

قد بلغنا عن بلاد ماوراء النهر وغيرها من البلاد انه في الغالب لا يخرج فتوىٰ من بيت الا وعليها خط صاحب البيت وابنته وامرأته او اخته۔



حالانکہ مؤلفِ جواہرِ مضیہ کا وصال ۷۷۵ھ میں ہوا تو لامحالہ یہ خواتین اس سے پہلے یا اس زمانے کی ہیں جو آٹھویں صدی ہے تو واضح ہوا کہ سلف صالحین میں کتابۃ النساء کا بکثرت رواج تھا جو علماء وصلحاء وفقہاء ومحدثین کا معمول تھا۔ اگر کوئی مانع صحیح حدیث ہوتی تو ان حضرات سے مخفی نہ رہتی، تو معلوم ہوا کہ وہ حدیث[1] جس کا حوالہ مانعین حضرات دیا کرتے ہیں؛ صحیح اور قابلِ استدلال نہیں بلکہ ائمہ ومشائخ کرام نے تصریح فرمائی کہ وہ حدیث صحیح نہیں، اس کے راویوں میں کذاب اور واضع راوی ہیں لہٰذا وہ حدیث موضوع ہے اور قابلِ عمل نہیں۔

اِس اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وہ حدیث حضرتِ ابنِ عباس اور امّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے مروی ہے۔ حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی سند کا مدار جعفر بن نصر راوی پر ہے جو جھوٹی اور موضوع حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔

موضوعات[2] ابنِ جوزی ج۲ ص ۲۶۸ اور اللآلی[3] المصنوعہ ج۲ ص ۱۶۸ میں ہے :

---

[1] لا تسكنوهن الغرف ولا تعلموهن الكتابة وعلموهن الغزل وسورة النور (مرتب)

" عورتوں کو بالاخانوں میں نہ ٹھہراؤ اور انہیں لکھنا نہ سکھاؤ بلکہ ان کو سوت کاتنے کا طریقہ اور سورۂ نور سکھاؤ۔"

[2] عبدالرحمٰن بن جوزی (م ۵۹۷ھ) مکتبہ سلفیہ ۱۳۸۶ھ

[3] امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) حسینیہ مصر

والنظم لابن الجوزی ھٰذا حدیث لا یصح قال
ابن حبان جعفر بن نصر کان یحدث عن الثقات
بما لم یحدثوا بہ وقال ابن عدی یحدث عن
الثقات بالبواطیل ولہ احادیث موضوعۃ علیہم [1]

اور الفوائد[2] المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ ص ۱۲۷ میں قاضی شوکانی نے لکھا :

وفی اسنادہ جعفر بن نصر یحدث عن الثقات
بالبواطیل [3]

میزان[4] الاعتدال ج ۱ ص ۱۹۴ میں امام ذہبی نے فرمایا :

متھم بالکذب [5]

پھر صاحب الکامل سے نقل فرمایا :

حدث عن الثقات بالبواطیل [6]

بعد ازاں اس حدیثِ کتابت کے ساتھ دو اور حدیثیں ذکر کرنے کے بعد ص ۱۹۵ میں فرمایا :

وھٰذہ اباطیل [7]

---

[1] ابن جوزی کا بیان ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ابنِ حبان نے فرمایا کہ جعفر بن نصر ثقہ لوگوں سے ایسی احادیث روایت کرتا تھا جو انہوں نے بیان نہیں کیں۔ ابنِ عدی نے فرمایا کہ وہ ثقہ لوگوں کی طرف منسوب کرکے باطل اور من گھڑت روایات نقل کیا کرتا اور اس طرح کی اس نے متعدد موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

[2] محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) مطبوعہ مصر ۱۳۸۰ھ

[3] اس حدیث کی اسناد میں جعفر بن نصر ہے جو باطل چیزیں ثقہ لوگوں کی طرف منسوب کرکے روایت کیا کرتا۔

[4] شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی (م ۷۴۸ھ) السعادہ مصر ۱۳۲۵ھ۔

[5] اس پر جھوٹے ہونے کی تہمت ہے۔

[6] ثقہ لوگوں سے باطل چیزیں روایت کرتا تھا۔

[7] اور یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں۔



اور لسان[1] المیزان ج ۲ ص ۱۳۱ میں حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے بھی یہی تصریحات فرمائیں۔

اور حضرتِ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی حدیث کی دو سندیں ہیں، ایک میں محمد بن ابراہیم شامی ہے جس کے متعلق علماء نے فرمایا کہ وہ منکر الحدیث ہے، کذّاب ہے، مَن گھڑت حدیثیں بنا لیا کرتا تھا اور متروک ہے۔

موضوعاتِ ابنِ جوزی ج ۲ ص ۲۶۹، اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۱۶۸، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۱، تہذیب[2] التہذیب ج ۹ ص ۱۴ میں ہے :

و النظم منہ قال ابن حبان یضع الحدیث[3]

نیز تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال میں ہے :

قال ابن عدی منکر الحدیث و عامۃ احادیثہ غیر محفوظۃ[4]

نیز تہذیب التہذیب میں ہے :

و قال الحاکم والنقاش روی احادیث موضوعۃ[5]

اور میزان الاعتدال میں ہے :

و قال الدارقطنی کذاب[6]



پھر اس کی باطل حدیثوں میں اس حدیث کو بھی ذکر کیا لہٰذا یہ حدیث قابلِ اعتبار نہیں، ابنِ جوزی اور سیوطی علیہ الرحمہ نے اِس حدیث کے متعلق فرمایا :

و ھٰذا بھٰذا الاسناد منکر کما ذکرہ السیوطی

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) دائرۃ المعارف ۱۳۲۹ھ

[2] ایضاً دائرۃ المعارف ۱۳۲۵ھ

[3] ابنِ حبان نے فرمایا کہ محمد بن ابراہیم شامی من گھڑت حدیثیں بنا لیا کرتا تھا۔

[4] ابنِ عدی نے فرمایا کہ وہ (محمد بن ابراہیم شامی) منکر الحدیث ہے جس کی اکثر حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔

[5] امام حاکم اور نقاش نے فرمایا کہ اس نے موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔

[6] امام دارقطنی نے فرمایا کہ وہ کذاب ہے۔

فی اللآلی [1]

اور دوسری سند سے حاکم نے مستدرک ج ۲ ص ۳۹۶ میں روایت فرمانے کے بعد فرمایا :

هٰذا حديث صحيح الاسناد [2]

مگر اس کے ذیل میں علامہ ذہبی علیہ الرحمہ نے تلخیص [3] المستدرک میں فرمایا :

قلت بل موضوع و آفته عبد الوهاب قال ابو حاتم كذاب [4]

میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۶۰ میں ہے :

كذبه ابو حاتم و قال النسائي وغيره متروك وقال الدارقطني منكر الحديث [5]

تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۴۷ میں ہے :

قال ابوداؤد كان يضع الحديث قد رأيته وقال النسائي ليس بثقة متروك و قال العقيلي و الدارقطني والبيهقي متروك وقال صالح بن محمد الحافظ منكر الحديث عامة حديثه كذب [6]



---

[1] اور یہ حدیث بایں اسناد منکر ہے جیسا کہ سیوطی نے اللآلی المصنوعہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔

[2] یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

[3] ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی (م ۷۴۸ھ) دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۳۴ھ

[4] (ذہبی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں بلکہ یہ موضوع حدیث ہے کیونکہ اس میں ایک راوی عبدالوہاب ہے جس کے بارے میں ابو حاتم نے فرمایا کہ وہ نہایت ہی جھوٹا ہے۔

[5] ابو حاتم نے اس (عبدالوہاب) کی تکذیب کی ہے امام نسائی وغیرہ نے فرمایا کہ وہ متروک ہے اور دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے۔

[6] امام ابو داؤد نے فرمایا کہ میں نے عبدالوہاب کو دیکھا ہے وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا، امام نسائی نے فرمایا کہ وہ ثقہ نہیں بلکہ متروک ہے عقیلی، دارقطنی اور بیہقی نے فرمایا کہ وہ متروک ہے اور حافظ حدیث صالح بن محمد نے فرمایا کہ وہ منکر الحدیث ہے بالعموم اس کی روایت کردہ حدیثیں جھوٹی ہیں۔

نیز اسی میں ہے :

وحدث باحاديث كثيرة موضوعة [1]

اللآلی المصنوعہ میں ہے :

قال الحافظ ابن حجر فی الاطراف [س] بعد ذكر قول الحاكم صحيح الاسناد بل عبد الوهاب متروك [2]

لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں اور غیر معتبر ہے۔

موضوعاتِ [3] شوکانی میں ہے :

وتعقبه ابن حجر فی اطراف فقال ان فی اسناد الحاكم عبد الوهاب بن الضحاك وهو متروك [4]

الحاصل حضرتِ ام المؤمنین سے مروی حدیث کی دو سندیں ہیں اور دونوں میں ایک ایک راوی غیر معتبر ہے لہٰذا یہ حدیث موضوع اور متروک وغیر معتبر ہے۔

علامہ طاہر [5] تذکرۃ [6] الموضوعات ص ۱۲۹ میں فرماتے ہیں :

فيه واضع و متروك [7]



---

[1] اس نے بہت ساری موضوع حدیثیں بیان کیں۔

[2] حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب 'الاطراف' میں حاکم کے اس قول کہ "یہ صحیح الاسناد ہے" کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا بلکہ عبدالوہاب متروک ہے۔

[3] الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ ، محمد بن علی شوکانی۔

[4] ابن حجر نے اپنی کتاب 'اطراف' میں اس پر تعاقب کیا اور فرمایا کہ حاکم کی اسناد میں عبدالوہاب بن ضحاک ہے حالانکہ وہ متروک ہے۔

[5] شیخ محمد بن طاہر بن علی ہندی الفتنی (م ۹۸۶ھ)

[6] مطبوعہ الطباعۃ المنیریہ ، ۱۳۴۳ھ

[7] اس کا راوی حدیثیں گھڑنے والا اور متروک ہے۔

[س] هو لابن حجر العسقلانی كما فی كشف الظنون ج ۱ ص ۱۱۷ ۱۲ منه

(ترجمہ عبارتِ بالا) : یہ "اطراف" ابن حجر عسقلانی کی تصنیف ہے جیسا کہ کشف الظنون ج ۱ کے ص ۱۱۷ پر ہے۔ (مرتب)

اور یونہی حضرتِ ابن عباس سے مروی بھی موضوع و متروک ہے کما مر[1] اور کسی اور صحیح سند کے ساتھ ثابت ہونے کا کسی نے دعویٰ نہیں کیا تو یہ قابلِ عمل نہیں لہٰذا زمانۂ سلف صالحین سے آج تک یہ تعلیم و کتابت رائج چلے آرہے ہیں اور متعامل ہیں حالانکہ عرف و تعامل بھی دلائل شرعیہ سے ہیں، قرآنِ کریم میں ہے :

وأمر بالعرف[2]

اور علمائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ :

العمل اثبت من الحديث[3]

پھر یہ بھی مسلّم ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے تو اور کوئی دلیل نہ ہوتی جب بھی جواز ہی مفتٰی بہ ہوتا چہ جائیکہ قرآنِ کریم اور صحیح حدیث اور کتبِ فقہیہ سے روزِ روشن کی طرح اس کا جواز ثابت ہے تو اس حدیث سے، جسے موضوع و متروک اور غیر صحیح کہا گیا ہے، یہ جواز ہرگز ہرگز نہیں اٹھ سکتا تو واضح ہوا کہ بعض حضرات نے جن احتمالات کا ذکر کیا ہے ان کی قطعاً ضرورت نہیں بلکہ محض مضمحل اور قابلِ التفات نہیں کیونکہ احتمالات یا توفیق و تطبیق کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب دونوں طرف صحیح دلائل ہوں وذا ظاهر جدا[4]

پھر ان احتمالات کو ذرا نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو ان میں کوئی وزن ہی نہیں، مثلاً اشعة اللمعات[5] ج ۳ ص ۶۱۳ میں ہے :

" ایں مگر پیش از نہی باشد "

یعنی یہ حدیث جواز کی شاید نہی سے پہلے ہو۔



---

[1] جیسا کہ گذر چکا ہے۔

[2] الاعراف : آیت : ۱۹۹

[3] تعامل عام حدیث سے زیادہ ثابت ہوتا ہے۔

[4] اور یہ خوب ظاہر ہے۔

[5] شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نول کشور لکھنؤ ۱۳۵۴ھ



یہ احتمال بے جا ہے، اگر یوں ہوتا تو علماء و صلحاء میں کیوں رائج چلا آتا اور قرآن کریم میں انسان پر انعام کیوں قرار دیا جاتا؟

اور ایک احتمال یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حضرات امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا خاصہ ہے اور انہیں جائز ہے اور باقی خواتین کے لئے جائز نہیں۔ اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ میں ہے:

و النظم منها قال بعضهم خصصت به حفصة

لان نسائه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خصصن باشیاء الخ [1]

حالانکہ دلیل کے بغیر خصوصیت ثابت نہیں ہو سکتی۔

فتح الباری [2] ج ۱ ص ۲۱۸ میں ہے:

ان الخصوصیة لا تثبت الا بدلیل [3]

اور احتیاط و ستر میں امہات المومنین سب سے افضل و اعلیٰ ہیں کما صرح به الائمة الکرام [4]

اگر دیگر خواتین میں کتابت احتیاط و ستر کے خلاف ہے تو ان میں بطریق اتم خلاف ہوتی۔

پھر ملا علی قاری کا یہ قول قلت یحتمل ان یکون جائز السلف دون الخلف لفساد النسوان فی ھٰذا الزمان [5] تو بالکل ہی سرسری ہے، کیا کسی حدیث میں اس طرف کوئی اشارہ بھی ہے، یہ ایک عجیب تطبیق ہے کہ اپنے طور پر تخصیص کر لی جائے۔



---

[1] مرقاۃ کی عبارت ہے: بعض علماء نے فرمایا کہ تعلیم کتابت کی اجازت حضرت حفصہ کے لئے مخصوص ہے کیونکہ کئی احکام صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ساتھ مختص ہیں۔

[2] ابن حجر عسقلانی، مصر ۱۳۵۸ھ

[3] بے شک خصوصیت بلا دلیل ثابت نہیں ہوتی۔

[4] جیسا کہ ائمہ کرام نے صراحت فرمائی ہے۔

[5] میں کہتا ہوں کہ یہ احتمال بھی ہے کہ سلف (پہلے زمانے والوں) کے لئے جائز ہو اور خلف (بعد کے زمانے والوں) کے لئے موجودہ زمانہ میں فساد نسواں کی وجہ سے ناجائز ہو۔

پھر فساد النسواں سے صرف تعلیم کتابت ہی کیوں ناجائز ہے بلکہ لباس و زیورات وغیرہ بھی علی الاطلاق ناجائز ہونے چاہئیں کیونکہ ان کو بھی بسا اوقات ناجائز کا ذریعہ بنایا جاتا ہے بلکہ برقع بھی عورتوں کے لئے جائز نہ ہوتا کیونکہ اس کو بھی ناجائز آمد و رفت اور ناجائز ملاقاتوں کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور یونہی بکثرت ایسی چیزیں ہیں کہ ناجائز طور پر استعمال کی جارہی ہیں مگر جائز لباس اور زیورات کا استعمال جائز ہے اور برقع اوڑھنا بھی یقیناً جائز ہے جبکہ اس کو ناجائز طور پر استعمال نہ کیا جائے، تو ثابت ہوا کہ ناجائز استعمال ہی ناجائز ہے اور اصل کتابت اور تعلیم کتابت جائز ہے۔

پھر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ ناجائز کتابت صرف عورتوں میں ہی نہیں بلکہ کئی مرد بھی ناجائز خط و کتابت کرتے ہیں بلکہ مکاتبہ ہوتا ہی طرفین سے ہے تو مردوں کے لئے بھی تعلیم کتابت ناجائز ہوتی کہ وہی علتِ فساد النسوان فی ھٰذا الزمان[1] مردوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ فساد الرجال فی ھٰذا الزمان[2] بڑا واضح امر ہے۔

رہا فتاویٰ حدیثیہ[3] ص ۶۲ میں حافظ ابن حجر کا کہنا:

هو صحيح فقد روى الحاكم وصححه والبيهقي[4]

تو اس سے حدیث کی تصحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کی بنا تو حاکم و بیہقی استاد و شاگرد کی تصحیح پر ہے



---

[1] موجودہ زمانے میں عورتوں کا بگڑ جانا۔

[2] دورِ حاضر میں مردوں کا بگاڑ۔

[3] احمد بن محمد ابن حجر ہیتمی مکی (م ۹۷۳ھ) المعاہد قاہرہ ۱۳۵۳ھ

[4] یہ صحیح ہے کیونکہ اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی ہے۔

نوٹ:-

رسالہ ہٰذا کی عربی عبارات کا ترجمہ مفتی محمد لطف اللہ نوری اشرفی مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور نے کیا ہے۔ (مرتب)



جس کا رد حضرتِ ابو الفضل ابنِ حجر عسقلانی، جو نہایت ہی بلند پایہ محدّث اور حافظ الحدیث ہیں اور امامِ ذہبی وغیرہ بہت پہلے فرما چکے ہیں اور فتاوٰی حدیثیہ والے ابنِ حجر ہیتمی مکّی ان سے متأخر ہیں، تو ان کے کہنے سے اِس حدیث کا راوی عبد الوہاب بن ضحاک معتبر و مقبول نہیں بن سکتا۔

تنبیہ

اجازت صرف کتابت اور تعلیمِ کتابت کی ہے، کالج وغیرہ کا داخلہ اور بے پردگی یا ناجائز خط و کتابت تو ناجائز ہی ہے۔

تنبیہ



اگر تعلیمِ کتابت ناجائز ہو تو کتابت بھی ناجائز ہوگی کیونکہ تعلیمِ کتابت کے عدمِ جواز کی دلیل تو صرف یہ بیان کی جاتی ہے کہ تعلّم کے بعد ناجائز خط و کتابت کا خطرہ ہے تو اصل ممنوع ناجائز خط و کتابت بنے۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
رجب المرجب ۱۳۹۲ھ
اگست ۱۹۷۲ء

الاستفتاء

بحضور حجۃ الاسلام ملاذ العلماء، افتخار الاولیاء حضرت فقیہ اعظم مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی دامت برکاتکم العالیہ

بانی و شیخ الحدیث دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاجِ اقدس بعافیت مطلوب۔

المرام آنکہ پاکستان و ہندوستان کی موجودہ جنگ اور ہنگامی حالات کے باعث دورانِ جنگ میں زخمی ہونے والے مجاہدین کے لئے آجکل خون کے عطیات پیش کئے جا رہے ہیں اور بظاہر اس کی ضرورت بھی بہت ہے تو حضور سے التماس ہے کہ آیا شرعاً یہ عطیات جائز ہیں اور ایسی ضرورت کے وقت انتفاع بالدم جائز ہوگا یا ممنوع و حرام؟ مدلل و مبرہن فتوٰے مطلوب ہے۔

امید کہ حضور ضرور کرم فرمائیں گے اور جلد جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

بَيِّنُوْا تُوْجَرُوْا

السائل:

علی محمد نوری خطیب جامع مسجد غلہ منڈی وہاڑی

حسبِ فرمائش حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب، آلومہار

19-10-65





ایسی ضرورتِ شدیدہ کے وقت کہ زخمی مجاہد کی زندگی خطرہ میں ہو اور کوئی نافع دوائی خون کے بغیر نہ ملے تو استعمالِ خون بقدرِ ضرورت شرعاً جائز ہوگا۔



قرآنِ کریم میں حرمتِ خون کا بیان چار آیتوں میں ہے۔ پ۲ ع ۵ اور پ۶ ع ۵، پ۸ ع ۵، پ۱۴ ع ۲۱ اور ہر ایک آیت میں ضرورتِ شدیدہ کے وقت صاف صاف اجازت ہے۔ پہلی آیتِ پاک یہ ہے:

ان آیات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) پ۲ ع ۵، سورۃ البقرہ: ۱۷۳، یہ آیت مبارکہ مع ترجمہ متن میں مذکور ہے۔

(۲) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ٥ (المائدہ ۵:۳)

ترجمہ: "حرام کئے گئے ہیں تم پر مردار، خون، سوٴر کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیرِ خدا کا نام پکارا جائے اور جو گلا گھونٹنے سے مرا ہو اور (لکڑی وغیرہ کی) چوٹ سے مرا ہوا اور اوپر سے نیچے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا اور جسے کھایا کسی درندے نے مگر جسے تم نے (اللہ کے نام پر) ذبح کرلیا اور جو باطل معبودوں کے نشان پر ذبح کیا گیا ہو اور (حرام کیا گیا ہے) کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے، یہ سب کام گناہ ہیں آج مایوس ہوگئے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا تمہارے دین سے سو نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

(۳) قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ٥ (الانعام: ۱۴۵)

ترجمہ: "تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام مگر یہ کہ مُردار ہو یا رگوں کا بہتا خون یا خنزیر کا گوشت، وہ نجاست ہے یا نافرمانی کے لئے جس جانور کے ذبح میں غیرِ خدا کا نام پکارا گیا تو جو ناچار ہوا نہ یوں کہ خود خواہش کرے اور نہ یوں کہ ضرورت سے بڑھے تو بے شک آپ کا رب بخشنے والا مہربان ہے۔"

(۴) إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ٥ (النحل ۱۱۵)

ترجمہ: "تم پر تو یہی حرام کیا ہے مردار اور خون اور سوٴر کا گوشت اور وہ جس کے ذبح کرتے وقت غیرِ خدا کا نام پکارا گیا پھر جو لاچار ہو نہ خواہش کرتا اور نہ حد سے بڑھتا تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"



إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ
وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ
فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ: "اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مُردار اور خون اور سُوَر کا گوشت اور وہ جانور جو غیرِ خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا تو جو ناچار ہو، نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور یونہی دوسری آیتوں میں بھی ناچاری کی حالت میں اجازت ہے۔

تفسیرِ مظہری[1] ج ۱ ص ۱۷۱ میں ہے،

سواء کان الاضطرار لاجل المخمصة او لاكراه او غير ذلك حل له اكلها بالاجماع[2]

مذہبِ مہذّبِ حنفیہ میں بھی اِس کی تصریح ہے۔

ہدایہ[3] ج ۳ ص ۳۳۲، نور الانوار[4] ص ۱۷۲، تنقیح[5] توضیح[6] تلویح[7] ص ۶۱۵ میں ہے:

والنظم من الهداية تناول هذه المحرمات انما يباح عند الضرورة[8]



---

[1] قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) مطبوعہ فاروقی دہلی۔

[2] مجبوری وناچاری بھوک یا جبر کی وجہ سے ہو یا کسی اور سبب سے مجبور وناچار شخص کے لئے حرام چیز کا کھالینا بالاجماع حلال ہے۔

[3] شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی (م ۵۹۳ھ) مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱۳۵۸ھ

[4] شیخ احمد ملاجیون (م ۱۱۳۰ھ) ایچ ایم سعید کمپنی ۱۳۷۹ھ

[5] عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ (م ۷۴۷ھ) تنقیح الاصول مطبوعہ قصہ خوانی پشاور

[6] عبیداللہ بن مسعود التوضیح فی حل غوامض التنقیح قصہ خوانی پشاور

[7] سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (م ۷۹۲ھ) التلویح الی کشف حقائق التنقیح طبع پشاور

[8] ہدایہ میں ہے: ان حرام اشیاء کا تناول بوقتِ ضرورت مباح ہے۔



نیز فقہائے کرام نے ضرورتِ شدیدہ کے وقت بالخصوص انسانی اجزاء سے انتفاع کی تصریح بھی کی ہے۔ ہدایہ ج ۲ ص ۳۲۱، فتح القدیر[1] ج ۳ ص ۳۱۰ میں ہے:

واللفظ لہ انہ جزء الآدمی فلا یباح الانتفاع بہ الا للضرورۃ[2]

اور اسی بنا پر چھوٹے بچے کو انسانی دودھ (جو انسانی جزء ہے) پلایا جاتا ہے اور یونہی دوائی کے طور پر بھی استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۳۱۰ میں ہے:

وقیل یجوز اذا علم انہ یزول بہ الرمد ولا یخفی ان حقیقۃ العلم متعذرۃ فالمراد اذا غلب علی الظن[3]

فتاویٰ عالمگیری[4] ج ۴ ص ۱۱۲ میں ہے:

لا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأۃ و یشربہ للدواء[5]

بلکہ فقہائے کرام نے خون کے متعلق بھی تصریح فرمائی کہ بیمار بطور علاج استعمال کر سکتا ہے۔ شامی[6] ج ۵ ص ۳۴۲، حموی[7] علی الاشباہ ص ۱۰۸، فتاویٰ عالمگیر ج ۴ ص ۱۱۲ میں بالفاظِ متقاربہ ہے:

یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفائہ فیہ ولم یجد من المباح



---

[1] کمال الدین محمد بن عبد الحمید المحقق ابن ہمام (م ۸۶۱ھ) مطبوعہ میمنہ مصر ۱۳۰۷ھ

[2] فتح القدیر کی عبارت یہ ہے، بلاشبہ عورت کا دودھ جزوِ انسانی ہے جس سے سوائے ضرورتِ شدیدہ کے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

[3] کہا گیا ہے کہ جب یہ علم ہو کہ عورت کے دودھ سے آنکھ کا آشوب زائل ہو جائے گا تو اس کا استعمال جائز ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ حقیقتِ علم تقریباً محال ہے تو (یہاں علم سے) ظنِ غالب مراد لیا جائے گا۔

[4] ملا نظام الدین برہانپوری (م ۱۱۰۹ھ) مجیدی کانپور ۱۳۵۰ھ

[5] مرد اگر عورت کا دودھ بطور دوا ناک میں ڈال لے یا پی لے تو کوئی حرج نہیں۔

[6] سید محمد امین بن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ)، رد المحتار، دار السعادہ مصر ۱۳۲۴ھ [7] شہاب الدین بن سید احمد بن محمد حموی مصری (م ۱۰۹۸ھ) غمز العیون، نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۵ء

مما یقوم مقامہ [1]

اور یونہی بکثرت جزئیات فقہیہ صراحۃً جواز پر دلالت کرتے ہیں۔

رہا یہ شبہہ کہ انسانی خون کے استعمال میں انسان کی اہانت (بے ادبی) ہے تو یہ شبہہ قرآن کریم کی چار آیتوں کی اجازت اور فقہائے کرام کی تصریحات کے سامنے محض بے جا ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو انسانیت کی بھی جان ہیں ان کا خون مبارک جو پچھنے والی سینگی لگانے کے وقت خارج ہوا صحابہ کرام کی ایک جماعت (جن میں حضرت مولیٰ علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابوطیبہ وغیرہم، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں) نے بطور تبرک نوش کیا اور آپ نے منع نہ فرمایا۔ [2] عینی شرح بخاری ج ۱ ص ۷۷۸ میں ہے:

ان جماعۃ شربوا دم النبی علیہ الصلوٰۃ السلام منہم ابوطیبۃ الحجام وغلام من قریش حجم النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وعبداللہ بن الزبیر شرب دم النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام رواہ البزار والطبرانی والحاکم والبیہقی وابونعیم فی الحلیۃ ویروی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ شرب دم النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام [3]

بیہقی [4] نے ج ۷، ص ۶۷ میں باب ترک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الانکار



---

[1] مریض کے لئے علاج کی غرض سے خون اور بول پینا اور مردار کھانا جائز ہے بشرطیکہ جب اسے کوئی مسلمان معالج (طبیب حاذق) بتائے کہ اس کی شفا اسی حرام چیز میں ہے اور اس کے قائم مقام کوئی حلال دوا میسر نہ آسکے۔

[2] بدرالدین محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ) عمدۃ القاری دارالطباعۃ عامرہ مصر ۱۳۰۸ھ

[3] بلاشبہہ صحابہ کی ایک جماعت نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خون مبارک بطور تبرک نوش کیا، ان میں ابوطیبہ حجام اور قریش کا ایک جوان جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سینگی لگائی، شامل ہیں، نیز حضرت عبداللہ بن زبیر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک نوش کیا۔ اسے بزار، طبرانی، حاکم اور بیہقی کے علاوہ ابونعیم نے بھی حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا ہے مزید برآں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خون مبارک نوش کیا۔

[4] امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی (م ۴۵۸ھ) ۔ السنن الکبریٰ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۴۴ھ



علی من شرب بولہ ودمہ[1] میں سند حدیث ذکر فرمائی ہیں۔

اور جب سرکار کا خونِ مبارک بطورِ تبرک نوش کرنا جائز ہوا اور بے ادبی نہ بنا حالانکہ ان کی عزت سے بڑھ کر کسی کی عزت نہیں، تو مومن کی جان بچانے کے لئے عام انسان کا خون استعمال کرنا کیوں کر بے ادبی بن سکتا ہے بلکہ اس میں انسانیت کی عزت ہے کہ غازی کی زندگی کی حفاظت ہے۔

بہر حال روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ ایسے مریض کے لئے ایسی ضرورت کے وقت انسانی خون کا استعمال جائز ہے اور جب استعمالِ خون جائز ہے تو خون کے عطیات پیش کرنے بھی جائز ہوں گے کیونکہ پاک و ہند کی یہ جنگ یقیناً اسلام و کفر کی جنگ اور شرعی جہاد اور بہت بڑی نیکی ہے اور خونی عطیات اس جہاد میں خصوصی تعاون ہے اور قرآنِ کریم فرماتا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى[2] پ۶ ع۵

"یعنی نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔"

نیز حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی متفق علیہ[3] حدیثِ پاک میں ہے:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ثم شبك بين اصابعه (مشکوٰۃ[4] شریف ص ۴۲۲)

"یعنی ایک مومن دوسرے مومن کے لئے مکان کی طرح ہے کہ مکان کا بعض دوسرے بعض کو مضبوط کرتا ہے، پھر انگشتانِ مبارک ایک دوسری میں داخل فرمادیں۔"



اور جبکہ خون دینا بھی اپنے مومن بھائی کو مضبوط کرنا ہے تو اس حدیثِ پاک کے لحاظ سے بھی جائز ہوگا۔

---

[1] باب اس بارے میں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیشاب اور خون پینے والوں کو اس بات سے منع نہ فرمایا۔

[2] المائدہ : ۲

[3] ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری ۲۵۶ھ ، صحیح بخاری ، اصح المطابع ، دہلی ج۱ ص ۳۳۱

ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری (م ۲۶۱ھ) صحیح مسلم ج۲ ص ۳۲۱

[4] ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب بغدادی (م ۷۴۰ھ) مشکوٰۃ شریف اصح المطابع

مترجم عربی عبارات فتویٰ ہذا ! مولانا محمد لطف اللہ نوری

پھر جب آدمی اپنی جسمانی مرض وغیرہ ضرورت کے لئے فصد وغیرہ کے ذریعہ خون نکال سکتا ہے تو روحانی و ایمانی، ملی اور ملکی ضرورت کے پیشِ نظر کیوں نہیں نکال سکتا تو واضح ہوا کہ عطیات خون کا پیش کرنا بھی جائز ہے اور تعاون علی الجہاد ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

تنبیہ: یہ فتوےٰ بطورِ رائے ہے اور کوئی حتمی فیصلہ یا قطعی فتوےٰ نہیں ۱۲ منہ

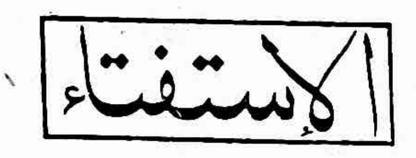
الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

خادم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۲۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۵ھ

۲۰ راکتوبر ۱۹۶۵ء





کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی ادویات جن میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے اور ہومیوپیتھی ادویات جن میں عموماً الکحل کی آمیزش ہوتی ہے، خواہ ادویات تر ہوں یا خشک، اُن کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

مندرجہ ذیل صورتوں کے جوابات بھی عنایت فرمائیں،

ہومیوپیتھی بعض ڈاکٹروں کا قول ہے کہ جس الکحل سے ادویات تیار ہوتی ہیں، یہ جَو یا گنے سے بنتی ہے، در بصدقِ قولِ السائل ایسی ادویات کا استعمال



جائز ہونا چاہئے کیونکہ شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے مسلک پر یہ حرام نہیں، عالمگیری میں ہے واما الاشربۃ المتخذۃ من الشعیر او الذرۃ او التفاح او العسل اذا اشتد وھو مطبوخ فانہ یجوز شربہ مادون السکر عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمھما اللّٰہ وعند محمد رحمہ اللّٰہ تعالیٰ حرام شربہ۔ اور بہارِ شریعت میں ہے "شہد، انجیر، گیہوں، جو وغیرہ کی شرابیں بھی حرام ہیں، مثلاً یہاں ہندوستان میں میوے کی شراب بنتی ہے، جب ان میں نشہ ہو، حرام ہیں" اور درِ مختار میں ہے والثالث نبیذ العسل والتین والبر والشعیر والذرۃ یحل سواء طبخ اولا بلا لھو وطرب اور ظاہر کہ ادویات میں اس کا استعمال نہ تو لہو وطرب کے لئے ہے اور نہ ہی اس حالت میں یہ مُسکِر ہوتی ہے، ہاں جب اس کو کوئی بطور لہو وطرب پیئے گا تو سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتوےٰ کی بنا پر حرام ہونگی جیسا کہ عالمگیری میں ہے الفتوٰی فی زماننا بقول محمد یحد من سکر من الاشربۃ المتخذۃ من الحبوب والعسل واللبن والتین لان الفساق یجتمعون علیٰ ھٰذہ الاشربۃ فی زماننا ویقصدون السکر واللھو بشربھا کذا فی التبیین۔



۲۔ دورِ حاضرہ میں ایسی ادویہ عوام وخواص استعمال کر رہے ہیں حتیٰ کہ علماءِ کرام اور مفتیانِ فخام میں سے شاید ہی کوئی ہوگا جو اس ابتلاء میں مبتلا نہ ہو تو کیا یہ عمومِ بلوٰی نہیں؟ اگر کہا جائے کہ یہ عمومِ بلوٰی نہیں تو کیوں؟ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ عمومِ بلوٰی میں داخل ہے تو شرعاً اس کی اجازت ہونی چاہئے کیونکہ عمومِ بلوٰی میں تو ایسی چیزیں جن کی حرمت اور نجاست اختلافی ہو اُن کے جواز کا قول ہوتا ہے

کما لا یخفی علی من لہ ادنیٰ ممارسۃ بالفقہ، اور مسئلہ مذکورہ میں تو امام الائمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور قاضی القضاۃ سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کا قول حلّت کا ہے۔

۳۔ انگریزی ادویہ میں عموماً اور ہومیوپیتھی میں خصوصاً اس کی آمیزش ایسی ہوتی ہے کہ کالعدم ہو جاتی ہے تو کیا یہ استحالہ نوعی نہ ہوگا اور اس ضمن میں نہ آئے گا کہ نمک کی کان میں گدھا مر کر نمک ہو جائے تو اس نمک کا کھانا جائز ہے، بہرحال دلائلِ شرعیہ کی رو سے اگر جواز کی گنجائش نکل سکتی ہو تو علماء کرام اور مفتیانِ عظام کی خدمت میں استدعا ہے کہ امت پر شفقت فرماتے ہوئے یسروا ولا تعسروا



ـــہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین فاضل بریلوی قدس سرہ نے حقہ کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا بالجملہ عند التحقیق اس مسئلہ میں سوائے حکم اباحت کے کوئی راہ نہیں، خصوصاً ایسی حالت میں عجماً وعرباً وشرقاً وغرباً عام مؤمنین بلاد وبقاع تمام دنیا کو اس سے ابتلاء ہے تو عدمِ جواز کا حکم دنیا عام امتِ مرحومہ کو (معاذ اللہ) فاسق بنانا ہے جسے ملتِ حنفیہ سمحہ سہلہ غراء بیضا ہرگز گوارا نہیں کرتی، اس طرف علامہ جزری نے اپنے اس قول میں ارشاد فرمایا کہ فی الافتاء بحلہ دفع الحرج عن المسلمین نیز فرمایا نگت کی پڑیا سے ورع کے لئے بچنا اولیٰ ہے پھر بھی اس سے نماز نہ ہونے پر فتویٰ دینا آجکل سخت حرج کا باعث ہے، پھر بھی و الحرج مدفوع بالنص وعموم البلویٰ من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل الطہارۃ والنجاسۃ لہذا اس مسئلہ میں مذہب حضرت امام اعظم و امام ابی یوسف رضی اللہ عنہما سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہمارے اماموں کے مذہب پر پڑیا کی نگت سے نماز بلاشبہ جائز ہے فقیر اس زمانہ میں اسی پر فتویٰ دینا پسند کرتا ہے۔ (احکامِ شریعت)



پر عمل کرتے ہوئے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں یہ تو ظاہر کہ عوام وخواص ادویہ کے استعمال کو ترک نہیں کریں گے تو حرمت کا فتوٰی دیا جائے تو سب مجرم ہونگے اور شرعاً جواز کی صورت نکل سکے اور اس کے ماتحت جواز کا فتوٰی دیا جائے تو امت گناہ سے بچ جائے گی۔

محمد سعید، ناظم سنی رضوی تبلیغی جماعت، محمد پورہ، لائلپور

۶ ربیع الآخر ۱۳۹۰ھ





ہاں اس میں شک نہیں کہ انگریزی ادویہ کا استعمال شرقاً غرباً عجماً عام ہو چکا ہے اور یہ بھی متیقن ومتعین کہ تمام دواؤں میں عموماً شراب کی ملاوٹ نہیں ہوتی بلکہ صرف تر اور سیال دواؤں میں سے بعض میں ہوتی ہے اور وہ بھی یقین نہیں کہ انگوری ہوتی ہے، تو اندریں حالات غیر مسکر دواؤں کا استعمال جائز وحلال ہونا چاہیئے کہ ایک ایک دوائی کے متعلق شراب کی آمیزش یقینی نہیں ہے حالانکہ یہ امر محقق ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے وذا ثابت کالشمس والامس من الاٰیات المتکاثرۃ والاحادیث المتوافرۃ ونصوص الائمۃ الکرام والمشائخ العظام علٰی کثرتہا بلکہ فتاوٰی امام قاضی خاں فقیہ النفس ص ۷۷۹ میں ہے لیس زماننا زمان الشبہات فعلی المسلم ان یتقی الحرام المعاین بلکہ فتاوٰی عالمگیری ج۴ ص ۱۰۵ میں ہے قال محمد وبہ ناخذ ما لم نعرف شیئاً حراما



بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ واصحابہ کذا فی الظھیریۃ تو واضح ہوا کہ حرمت ونجاست عارضی ہیں لیکن ان کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ خصوصی دلیل ہو اور محض شکوک و ظنون سے ان کا اثبات ممکن نہیں اور یہ بھی واضح کہ احتیاط یہ نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ وثبوتِ کامل کسی شئے کو حرام ومکروہ کہہ کر اقرار کیا جائے اور بازاری افواہ بھی قابلِ اعتبار نہیں کہ احکامِ شرع کی مناط ومدار بن سکے نیز کسی شے کا محلِ احتیاط سے دور یا کسی قوم کا بے احتیاط وشعور اور بے پروائے نجاست وحرمت سے بہجود ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شئے یا اس قوم کی استعمالی یا بنائی ہوئی اشیاء مطلقاً ناپاک یا حرام وممنوع قرار پائیں چنانچہ مسائل کثیرہ فقہیہ سے یہ چیز روز روشن کی طرح ثابت ہے مثلاً وہ کنوئیں جن سے کفار، فجار، جہال، گنوار، نادان بچے، بے تمیز عورتیں سب طرح کے لوگ پانی بھرتے ہیں، شرع مطہر ان کی طہارت کا حکم دیتی ہے، ان سے شرب و وضو روا فرماتی ہے اور یونہی گلی کوچوں میں پھرتے والے جوتوں سے کوئی جوتا کنوئیں سے نکلے اور اس پر کوئی نجاست ظاہر نہ ہو تو کنواں طاہر ہے اور اس قسم کے بکثرت اور مسائل ہیں جن کی فتاوٰی عالمگیری، بحرالرائق، شامی، قاضیخان وغیرہا کتبِ معتمدہ میں تصریح ہے اور فتاوٰی رضویہ شریفہ جلد ۲ میں نہایت تشریح ہے، سائل فاضل نے یہ درست فرمایا کہ انگریزی ادویہ میں عمومِ بلوٰی اور ابتلا کا اعتبار ہونا چاہئے اور ایسی صورت میں ضرورت کے لئے روایتِ ضعیفہ کا سہارا بھی لیا جاسکتا ہے چہ جائیکہ حضرت امام عالی مقام اول اور حضرتِ امام ثانی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مذہب شریف معاذ وملاذ بن جاتے حالانکہ ہمارے پیارے ارحم الراحمین رب تبارک وتعالٰی اور سراپائے رحم وکرم محبوبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تیسیر پسند اور حرج و





تعسیر مرفوع ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (پ۲ ع۷) نیز فرمایا و ما جعل علیکم فی الدین من حرج (پ۱۷ ع۱۷) الی غیر ذٰلک من الاٰیٰت والاحادیث الصحیحۃ الصریحۃ البتہ ایلوپیتھک ادویہ کی طرح ہومیوپیتھی ادویہ کا استعمال فقیر کی نظر میں حدِ ابتلاء تک نہیں پہنچ سکا تو ان میں اباحتِ اصلیہ اور عدمِ تیقن نجاست سے ہی جواز ثابت ہو سکتا ہے۔

رہی سائلِ فاضل کی تیسری دلیل استحالہ نوعی والی، تو نظرِ حاضر اس کی تائید نہیں کر سکتی کیونکہ کتبِ فقہیہ کی تصریحات سے متبین ہے کہ انقلاب و استحالہ کے دو قسم ہیں، خلقی اور مصنوعی، خلقی انقلاب سے طہارت کا آجانا مسلم ہے جیسے ناپاک پانی یا گوبر وغیرہ کی کھاد سے درخت اور پودے یا بیلیں پرورش پائیں تو پانی اور کھاد کے اجزاء یقیناً ان کے جزء بن کر منقلب و مستحیل ہو جاتے ہیں جیسے کہ نطفہ کا علقہ و مضغہ بن کر ذی روح بن جانا، تو ایسا انقلاب و استحالہ یقیناً مطہر ہے تربوز، لیموں وغیرہ کے پانی اور گودے اور باقی سب پھل اور پھول غلے لکڑی وغیرہ پاک ہیں اگرچہ گندے نالوں کے پانی اور ٹٹیوں کی غلاظت سے ہی نشوونما پائی ہو اور یونہی سب جانور اصل میں پاک ہیں الا ما خصہ الدلیل من النجس العین اور اسی طرح بکری کا بچہ جو پلید دودھ سے پالا گیا یا مرغی کا غلیظ کھا کر پرورش پانا اسی خلقی انقلاب کی بنا پر بالاجماع حرام نہیں اور ہرن کے خون کا نافہ استحالۂ خلقیہ سے کستوری بن جانا بھی مطہر و محلل ہے اور اسی طرح حضرتِ محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کانِ نمک میں خنزیر و حمار کا نمک بن جانا بھی خلقی انقلاب ہے اور پاخانہ وغیرہ نجس العین اشیاء کا آگ میں جل کر خاکستر ہو جانا بھی خلقی امر ہے اور مطہر ہے





ولا یخفی ان الطھارۃ لا یستلزم الحل اور مصنوعی انقلاب واستحالہ یعنی انسان کا دو چار چیزوں کو ملا کر مرکب تیار کر لینا کہ ترکیب سے ہیئتِ سابقہ ضرور بدل جاتی ہے اور مفردات کے بعض اوصاف بھی برقرار نہیں رہتے، ایسے انقلاب سے پلید چیز کا پاک ہو جانا محلِ نظر ہے، مثلاً ایسا تریاق جو سانپ کے گوشت اور دیگر ادویہ کو ملا کر معجون کی صورت بنایا جاتا ہے یا پلید پانی یا شراب سے آٹا گوندھ کر روٹی پکائی گئی یا شوربا میں شراب ڈالی گئی تو یہ تریاق اور روٹی شوربا پلید ہیں اور ان کا استعمال حلال نہیں کما فی الھندیۃ ج ۴ ص ۱۱۲، ج ۴ ص ۱۳۹ وغیرھا من اسفار المذھب البتہ بعض مشائخ کرام نے بعض مرکبات کو اسی استحالہ کی بنا پر پاک فرمایا مگر عند التحقیق ان مرکبات کا حکم طہارت ضرورت وعمومِ بلوٰی پر ہی مبتنی ہے چنانچہ وہ صابون جو پلید تیل سے تیار کیا جائے بعض علماء نے فرمایا پاک ہے کہ اس میں انقلاب و استحالہ آگیا اور اس کو مسئلۂ نمک پر قیاس فرمایا، فتح القدیر ج ۱ ص ۱۷۶، کبیری ص ۱۸۶ بحر الرائق ج ۱ ص ۲۲۷، شامی ج ۱ ص ۲۹۱ میں ہے والنظم من الفتح وعلٰی قول محمد فرعوا الحکم لطھارۃ صابون صنع من زیت نجس، تو یہ فرعوا جو قالوا کی طرح ہے[للعہ] بتا رہا ہے کہ حضرتِ ابنِ ہمام اور باقی حضرات مصنفین کبیری وغیرہ کو یہ تفریع پسند نہیں چنانچہ در المختار اور شامی



للعہ کبیری ص ۲۰۴ میں ہے فی قولہ قالوا اشارۃ الی عدم استحسانہ لہ والی انہ غیر مروی عن الائمۃ کما قلناہ فان ذلک ھو المتعارف فی عباراتھم، ص ۲۲۴ میں ہے لفظ قالوا الدال علی عدم الرضی عقود الدریہ ج ۲ ص ۳۶۷ میں ہے ان فی لفظ قالوا اشارۃ الی ضعف ما قالوا ۱۲ منہ غفرلہ



میں تصریح ہے کہ طہارتِ صابون کا حکم ضرورت و بلویٰ کے سبب ہے، شامی ج۱ ص۲۹۱ میں ہے و النظم من الدرر بہ یفتی للبلوی اور بعض حضرات نے اسی انقلاب کی بنا پر اس گارے کو پاک کہا جو پلید پانی اور پاک مٹی یا پاک پانی اور پلید مٹی سے تیار کیا گیا ہو، خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۴۶، فتح القدیر ج۱ ص۱۷۶ کبیری ص۱۸۶ وغیرہا میں ہے والنظم منہا ایہما کان طاہرا فالطین طاہر بلکہ بعض نے اس کی نسبت بھی حضرت محررِ مذہب کی طرف کردی حالانکہ یہ محض تفریع ہی ہے چنانچہ خلاصہ میں ابو النصر سے منقول ہے ھذا قول محمد حیث صار شیئا آخر، کبیری میں ہے قال البزازی ھو قول محمد اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ اگر انقلاب ہی علتِ طہارت ہے تو بعض اجزاء کا پاک ہونا بھی شرط نہیں ہوگا کیونکہ اگر یہ انقلاب معتبر ہے تو پاک اور پلید میں یکساں پایا جاتا ہے لہذا فتح القدیر میں پانی اور مٹی دونوں کے ناپاک ہونے کی صورت میں بھی بعض کے نزدیک گارے کا پاک ہونا ذکر فرمایا، فتح القدیر ج۱ ص۱۷۶ میں ہے و فرع بعضھم علیہ ان الماء والتراب النجسین اذا اختلطا وحصل الطین کان الطین طاہرا لانہ صار شیئا آخر مگر اس کی بنا بھی صابون کی طرح ضرورت و بلویٰ پر ہی ہے جیسے کہ اس گارے کو پاک کہا گیا جو گوبر ڈال کر بنایا گیا ہو فتح القدیر ج۱ ص۱۷۶، ۱۷۷، شامی ج۱ ص۳۲۴ میں ہے والنظم للشامی السرقین اذا جعل فی الطین للتطیین لا ینجس لان فیہ ضرورۃ الی اسقاط النجاسۃ لانہ لا یتھیا الا بہ حلیۃ تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ حکم طہارت اصالۃً ضرورت و بلویٰ پر ہی مبنی ہے حتی کہ جن حضرات کی نظر میں اس میں ضرورت و بلویٰ نہیں ان کے نزدیک وہ گارا پاک بھی نہیں، کبیری ص۱۸۶،





شامی ص ۳۰۲، فتح القدیر ج۱ ص ۱۷۶ میں ہے والنظم للحلبی لان اختلاط النجس بالطاهر ینجسه هذا هو الصحیح کما ذکره قاضیخان وهو اختیار الفقیه ابی اللیث۔

بہرحال تحقیق یہ ہے کہ ایسا مرکب جس کے سب اجزاء یا بعض پلید ہوں وہ صرف اس مصنوعی ترکیب واستحالہ سے طاہر وحلال نہیں ہوسکتا ورنہ لازم کہ شراب سے گوندھے ہوئے آٹے کی روٹی یا وہ حلوہ کہ جس میں شراب کے چند قطرے یا خنزیر کی چربی ڈال کر بنایا گیا یا ناپاک کنوئیں سے پانی لے کر پلاؤ پکایا گیا الی غیر ذلک من الاشیاء الخارجة عن الحصر والاحصاء سب طاہر حلال بن جائیں کیونکہ ان میں مصنوعی انقلاب واستحالہ پایا گیا ہے کہ اس ترکیب کی وجہ سے تغیر پایا گیا اور مرکب دوسری نئی چیز بن گیا اور بعض وصفیں ضرور منعدم ہوگئیں اور بعض نئے فوائد وخواص بھی پیدا ہوگئے حالانکہ ان چیزوں کو فقہائے کرام نے استحالہ کا سبب فرمایا ہے، بدائع صنائع ج۱ ص ۸۵ میں ہے ان النجاسة لما استحالت وتبدلت اوصافها ومعانیها خرجت عن کونها نجاسة، فتح القدیر ج۱ ص ۱۷۶، بحر الرائق ج۱ ص ۲۲۷، شامی ج۱ ص ۳۰۲ میں ہے والنظم منه وکثیر من المشائخ اختاروه وهو المختار لان الشرع رتب وصف النجاسة علی تلک الحقیقة وتنتفی الحقیقة بانتفاء بعض اجزاء مفهومها (الی ان قال) فعرفنا ان استحالة العین تستتبع زوال الوصف المرتب علیها، خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص ۴۶، فتح القدیر ج۱ ص ۱۷۶، کبیری ص ۱۸۶ میں ہے لصیرورته شیئا آخر، شامی ج۱ ص ۲۹۱ میں ہے ان العلة عند محمد هی التغیر



والانقلاب الحقيقة۔

رہا شامی کا ج۱ ص ۲۹۱ میں فرمانا فيه تغير وصف فقط اور لا بجز الانقلاب وصف فرماکر یہ تاثر دینا کہ صرف انقلاب وصف سے استحالہ ثابت نہیں ہوتا تو یہ مفردات کی انفرادی صورتوں کے متعلق فرمایا ہے مرکبات کے متعلق نہیں ورنہ سابقہ تصریحات کے مقابلہ میں اس قد یقال کے مقول کا کیا اعتبار، بہرحال اشیاء مذکورہ میں یہ مصنوعی انقلاب واستحالہ پایا جاتا ہے مگر پھر بھی وہ ناپاک ہیں اور حلال نہیں لہذا کبیری ص ۱۸۶ اور طحطاوی علی الدر ج۱ ص ۱۶۸ میں اس کا رد بلیغ فرمایا والنظم للطحطاوی وتوجيه الخلاصة الطهارة بانه بالتركيب صار شيئا آخر لا يظهر اذ يقتضي ان الاطعمة اذا كان ماؤها نجسا ودهنها ونحو ذلك ان يكون الطعام طاهرا لصيرورته شيئا آخر وعلى هذا سائر المركبات اذا كان بعض مفرداتها نجسا ولا يخفى فساده۔ فتح القدير ج۱ ص ۱۷۶ میں فرمایا وهذا بعيد تو ماہ نیم ماہ و مہر نیمروز کی طرح واضح ہوا کہ انگریزی مرکبات اس مصنوعی انقلاب واستحالہ اور صيرورتها شيئا آخر کی بناء پر جبکہ ان کے بعض اجزاء ناپاک ہوں ہرگز ہرگز نہیں پاک ہو سکتے اور یہ بھی واضح ہوا کہ ان کو حمار نمک پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ مرکبات کا انقلاب واستحالہ مصنوعی ہے اور حمار نمک میں خلقی اور اس کے علاوہ اور فارق بھی موجود ہیں، ان مرکبات کے اجزاء امتزاج پاکر ایک نئی صورت اختیار کرتے ہیں اور حمار نمک میں ممتزج نہیں ہوتا بلکہ اپنی شکل پر ممتاز بھی رہ سکتا ہے، نیز حمار نمک خالص نمک بن جاتا ہے اور شراب دوسری دوائی کے ساتھ مل کر وہ دوائی نہیں بن جاتی بلکہ ایک نیا مرکب بنتا ہے وذا اظهر من ان يظهر۔





الحاصل وجہ سابق کی بنا پر ایسے انگریزی ادویہ جو مسکر نہ ہوں اور ان میں انگوری شراب کی ملاوٹ کا شرعی یقین کبھی نہ ہو وہ اندریں زمانہ مطلقاً جائز الاستعمال ہونے چاہیئے اور اگر مریض شرعی مضطر ہو تو شرائطِ معروفہ سے مضطر الیہ دوائی کا استعمال مطلقاً جائز ہے ولو خمرا خالصا کما فی اسفار المذهب المهذب۔

تنبیہ

ان امام اهل السنة والجماعة رضی الله تعالٰی عنہ قد صرح فی الفتاوی الرضویة ج ۲ ص ۱۳۶ بحرمة استعمال هٰذه الادوية اذا كانت رقيقة و قد رد التمسك بمذهب الامام الاول والثانی بان الفتوٰی علی قول الثالث رضی الله تعالی عنهما اجمعین ولٰکن قوله هٰذا کان فی سنة ۱۳۰۳ھ وقد تغیرت الاحوال فی هٰذه الاعوام السبع والثمانین ففی وقته کانت الاطباء الیونانیة مثل اجمل خان وغیره کثیرا کثیرا ولانجد لهم فی هٰذا الزمان مثلا ولا نظیرا وایضا قد یتغیر طرق ترکیب الادویة کمًّا وکیفًا واجزاء واحداثا واختراعا فلا نتیقن کما تیقن به حسب زمانه وقد تحققت الضرورة والبلوٰی وقد صرح المشائخ فتغیر الاحکام بتغیر الزمان والمکان ففی ثلاثین ج ۱ ص ۴۴ ان کثیرا من الاحکام التی نص علیها المجتهد صاحب المذهب بناء علی ما کان من عرفه وزمانه قد تغیرت بتغیر الازمان بسبب فساد اهل الزمان او عموم الضرورة وفی ج ۲ ص ۱۲۵ کثیر من الاحکام تختلف باختلاف الزمان لتغیر عرف



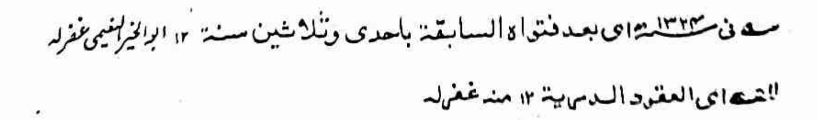


اهله او لحدوث ضرورة او فساد اهل الزمان الخ

ثم ذكر امثلة تتضمن اختلاف زمان الامام الاول و زمان تلامیذه رضی الله تعالی عنهم اجمعین وقد قال فوق ذلك والقول الضعیف یجوز العمل به عند الضرورة و فی ج ۲ ص ۱۳۰ ان تغییر ما اعتاده عامة اهل العصر فی عامة بلاد الاسلام لا حرج فوقه ولا شك انه فوق الحرج الذی عفی لاجله عن بعض النجاسات المنهیة بالنص كطین الشارع الغالب علیه النجاسة وكبول السنور فی الثیاب والبعر القلیل فی الآبار والمحلب انتہی

وقد صرح المشائخ بهذا فی تالیفهم المباركة واوضحوا ایضاحًا لا یبقی شكا ولا امتراء وقد صرح به الفتاوی الرضویة ایضًا بما لا مزید علیه فقال فی ج ا ص ۲۸۵ بعد ذكر المغیرات الست فاذا كان فی مسئلة نص للامام ثم حدث احد تلك المغیرات علمنا قطعا ان لو حدث علی عهده لكان قوله علی مقتضاه لا علی خلافه ورده (الی ان نقل عن العقود) فهذه كلها قد تغیرت احكامها لتغیر الزمان اما للضرورة و اما للعرف واما لقرائن الاحوال قال (ای الشامی فی العقود) وكل ذلك غیر خارج عن المذهب لان صاحب المذهب لو كان فی هذا الزمان لقال بها ولو حدث هذا التغیر فی زمانه لم ینص علی خلافها الخ وقد حقق و دقق





سه فی سنة ۱۳۲۴ ای بعد فتواه السابقة باحدی وثلاثین سنة ۱۲ ابوالخیر النعیمی غفرله

!! الشامی ای العقود الدریة ۱۲ منه غفرله



كما هو دأبه رضي الله تعالى عنه فاقول انا ولا شك لي اصلا انه لو كان هذا الامام المجدد في هذا الزمان لقال بالجواز فهذا قوله الضروري فلا معنى للجمود على قوله الصوري۔

والله تعالى اعلم وصلى الله تعالى على حبيبه الاعلى وعلى آله واصحابه وبارك وسلم ابدا ابدا۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بیدہٖ

۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ کسی مزار پر جو مسلمان اپنا جبین زمین پر لگا دیتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں، اگر پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ ہم تو سجدۂ تعظیمی کرتے ہیں جو شرک نہیں، سوال یہ ہے کہ شرک اور کیا ہے؟ آیات نے غیر کو سجدہ کرنے سے روکا، احادیث میں ممانعت کر دی گئی، پھر کیا وجہ ہے؟ بالتفصیل جواب سے نوازا جائے اور ایسی آیات واحادیث کا بالتفصیل جائزہ پیش کیا جائے جس میں ممانعت ہے۔

السائل: ماسٹر محمد عبد اللہ ہیڈ ماسٹر چک وٹوال تحصیل ننکانہ صاحب۔ ضلع شیخوپورہ







سجدۂ تعظیمی حرام ہے، کیوں؟ اس لئے کہ آیات واحادیث میں منع کیا گیا ہے مگر ہر حرام شرک نہیں، یہ سائل کی سخت لغزش ہے، زنا حرام ہے، جُوا حرام ہے، شراب حرام ہے، چوری حرام ہے اور ایسے ہی کئی چیزیں یقیناً حرام ہیں مگر شرک نہیں، الحاصل ہر شرک ضرور حرام ہے مگر ہر حرام شرک نہیں، زیادہ تفصیل کا میرے پاس وقت نہیں، آپ رسالہ "الزبدۃ الزکیہ" مکتبہ حامدیہ، داتا گنج بخش روڈ لاہور سے منگالیں، اس میں پوری تفصیل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

(نوٹ) حرام عام ہے اور شرک خاص، جیسے درخت عام ہے اور آم خاص، تو جیسے ہر قسم کا آم درخت ہے مگر ہر درخت آم نہیں یونہی ہر شرک حرام ہے مگر ہر حرام شرک نہیں۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ خادم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف ضلع ساہیوال

۸ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ

۲۲ / ۵ / ۷۲



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ :

اس وقت بیشتر شہروں میں ایک فلم "خانۂ خدا" کی نمائش ہو رہی ہے۔ اس فلم میں مقدس مقامات اور حج کے تمام مناظر دکھائے گئے ہیں جس میں ناچ و گانے، فحش لغویات کچھ نہیں جیسا کہ اس فلم کے دیکھنے والوں کا کہنا ہے اور ایک شخص نے ہندوستان میں انکشاف کیا ہے کہ فلم خانۂ خدا دیکھنا جائز بلکہ کارِ ثواب ہے۔ قبل ازیں ایک صاحب یہاں بھی کہہ چکے ہیں کہ سینما بجائے خود جائز ہے، اس کا دیکھنا حرام نہیں بلکہ کبھی کبھی دیکھنا کارِ ثواب ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اکثر لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ فلاں ٹاکیز میں دو تین روپے میں گھر بیٹھے حج کہ لو، حج ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ، اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے لہٰذا براہ کرم اس فلم کے متعلق احکامِ شرع سے واضح طور پر مع دلائل سرفراز فرمائیں۔ بینوا توجروا

السائل : خادم عبدالرزاق اجمیری ریلوے روڈ حیدرآباد





گو ناچ گانا نہیں مگر حاجیوں کی تصویریں تو ضرور ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ "لغویات کچھ نہیں" صحیح نہیں اور یونہی "دیکھنا جائز بلکہ کارِ ثواب ہے" کا دعویٰ بھی کھل جاتا



ہے، اور کعبہ اس کے دیکھنے سے غلط فہمی بھی پیدا ہو رہی ہے کہ "گھر بیٹھے حج کر لو، حج ہو جاتا ہے" لہذا اس سے پرہیز ضروری ہے اور اسے حقیقی حج کہنا یا سمجھنا نہایت ہی حرام اور فسق و فجور اور افتراء و بہتان ہے، یہ تو صرف فلم اور تصاویر و عکوس ہی ہیں حالانکہ حقیقۃً حاجیوں کو ان کے افعالِ حج اور کعبہ شریف اور منٰی و عرفات و مزدلفہ اور مشعرِ حرام کو بلا واسطہ دیکھنا اور وہاں بغیر احرام و نیت کے حاضر ہونا بھی حج نہیں بن سکتا تو تصاویر و عکوس کا دیکھنا کیسے حج بن سکتا ہے؟ یہ کہنا اور سمجھنا قرآن کریم اور احادیثِ شریفہ کے سراسر خلاف ہے اور اہالیانِ اسلام پر لازم کہ ایسی باتوں سے سخت پرہیز کریں، قرآنِ کریم سورۃ البقرہ، آلِ عمران اور الحج دیکھیں کہ یہ حقیقت آفتاب سے بھی زیادہ نمایاں ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولٰنا محمد و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بانی و مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۲۸ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ ۲۷/۴/۶۸



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں کہ بکر داڑھی مشت بھر سے کم رکھتا ہے، سمجھانے پر اعتذار کرتا ہے کہ یہ جو ثابت ہے کہ لحیہ قبضہ بھر ہونی چاہیے اس لحیہ سے مراد داڑھی نہیں بلکہ وہ ہڈی ہے جس پر دانت اُگتے ہیں، تو یہ قبضہ نچلی ہونٹ کے نیچے سے کیا جائے اور اس حساب سے داڑھی مشت بھر



رکھی جائے نہ ٹھوڑی کے نیچے سے کہ داڑھی مشت بھر رکھنی پڑے۔ آیا بکر کا یہ
قول صحیح ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا من رب العلمین





بکر کا یہ بیانِ مختل متناقض متعارض کسی صورت میں صحیح ہونے کی قابلیت
نہیں رکھتا کہ جب لحیہ سے مراد وہ ہڈی ٹھہری تو عربی عبارات اثبات میں جب کلمہ
لحیہ وارد ہوا ہے تو معنی یہ ٹھہرا کہ وہ ہڈی مشت بھر رکھی جائے اور زائد کاٹی جائے،
داڑھی کا حکم قصراً و طولاً کچھ معلوم نہ ہوا، داڑھی رکھنے کے ساتھ ان عبارات کا کوئی تعلق
نہ رہا مگر عجب کہ بکر یہی سمجھ رہا ہے کہ مشت بھر سے کم رکھنے کی سند بنا رہا ہے اور
براہِ عیاری نچلے ہونٹ کے نیچے سے قبض کا دعویٰ کرتا ہے کہ ہڈی کاٹنے سے
بچے مگر یہ اس کا دعویٰ بے بنیاد و بادِ ہوا ہے کہ یہ قید نہ کسی عبارت و قرینہ سے
ثابت ہے اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ قبض طولاً و عرضاً آیا ہے ہڈی مذکورہ پر عرضاً
قبض کیسے کرسکتا ہے نیز انہی عبارات سے ثابت کہ ما زاد علی القبضۃ
کو قطع کیا جائے اور اس کا بیان لحیہ مذکورہ کے سوا کسی اور چیز سے نہیں کیا گیا تو
بقرینۂ مقام صراحۃً یہی مفہوم کہ اسی لحیہ میں سے زائد کو کاٹا جائے بلکہ کتاب الحظر والاباحۃ
میں شامی علیہ الرحمہ نے اس کی تصریح صاحب مذہب سے نقل فرمائی ہے کما سیجئ
ان شاء اللہ تعالیٰ تو بکر پر لازم کہ زائد از قبضہ ہڈی کو ضرور کٹوائے کہ فقہاء زائد کے
کاٹنے کو واجب فرما رہے ہیں اور اس کی اوصافی قید نچلے ہونٹ والی بفرضِ محال
اگرچہ ہو بھی تب بھی اسے بچا نہیں سکتے کہ زائد از قبضہ کا کاٹنا ضروری ہے اور بنا بریں



قید زائد نیچے سے مراد تو ہو ہی نہیں سکتا تو لامحالہ اوپر سے زائد مراد ہوگا ورنہ لبطلان عبارت لازم آتا ہے اور اس اصل کا دعوی کہ لحیہ سے مراد ٹھڈی ہے وہ بھی غلط ہے کما تبین مما ذکرت و تبین من الآتی۔

صراح میں ہے لحیہ بالکسر ریش، لحی بالضم والکسر مع القرح، غیاث اللغات میں ہے لحیہ بالکسر و حرف ثالث یائی تحتانی بمعنی ریش کہ بر چہرۂ مرداں مے باشد، منتخب اللغات میں ہے لحیہ بالکسر موئے ریش، مجمع البحار میں ہے اللحیۃ اسم لجمع من الشعر ما نبت علی الخدین والذقن، بحر الرائق پھر شامی کی کتاب الطہارۃ میں ہے وظاہر کلامہم ان المراد بہا الشعر النابت علی



الخدین من عذار وعارض والذقن، بحر الرائق میں بہا کی جگہ باللحیۃ ہے، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹ و سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۰۰ و نسائی ج ۲ ص ۲۷۴ وابن ماجہ ص ۲۵ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے حدیث مرفوع عشر من الفطرۃ میں ہے واعفاء اللحیۃ۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۰ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹، سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۰۰، سنن نسائی ج ۱ ص ۷ و ج ۲ ص ۲۷۴ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے بروایات متعددہ مرفوعاً وفروا اللحی اعفوا اللحی ووفوا اللحی وارد ہوا ہے اور صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعاً ارخوا اللحی وارد ہوا ہے اور صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۹ سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۰۰ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے ہے والنظم من الترمذی عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحی ھذا حدیث حسن صحیح، شرح صحیح مسلم میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یقال فی جمع اللحیۃ لحی ولحی بکسر اللام وبضمہا لغتان والکسر افصح نیز اسی میں ہے فحصل خمس روایات اعفوا واوفوا وارخوا وارجوا

و وفروا ومعناها كلها ترکها علی حالها الخ حضرت شیخ الاسلام شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اعفاء اللحی کا معنی اشعۃ اللمعات میں فرو گذاشتن دوا فر گردانیدن ریش سے فرمایا ہے۔ مسند امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص ۱۶۱ مطبوعہ مع الادب المفرد میں ہے ان ابا قحافۃ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولحیتہ قد انتشرت قال فقال لو اخذتم واشار بیدہ الی نواحی لحیتہ، صحیح بخاری شریف ج ص ۸۷۵ میں ہے کان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۰ میں ابن ابی شیبہ سے ہے کان ابوھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقبض علی لحیتہ فیأخذ ما فضل عن القبضۃ، شامی ج ۵ ص ۳۵۹ میں ہے وھوان یقبض الرجل لحیتہ فما زاد منہا علی قبضۃ تطعہ کذا ذکرہ محمد فی کتاب الآثار عن الامام قال وبہ ناخذ محیط اھ ط، فتح القدیر، بحر الرائق، درالمختار شامی میں ہے والنظومن السدس واما الاخذ منہا وھی دون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد، مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۵ میں ہے مشہور در مذہب حنفی چہار انگشت۔ اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۱۲ مشہور یک مشت است، نیز اسی میں ہے وگذاشتن آں بقدر قبضہ واجب است وآنکہ آنرا سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک در دین است یا بجہت آنکہ ثبوت آں بسنت ست چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند اقول لان الامر للوجوب فلا اقل من ان تجب القبضۃ۔

پس احادیث ونقول مذکورہ معتبرہ سے روز روشن کی طرح واضح ولائح ہوا کہ



سہ لا یخفی ما فیہ من اللطافۃ ۱۲ نور غفرلہ



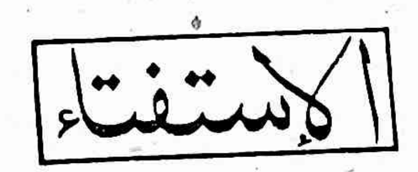
لحیہ واڑھی ہی ہے کہ امر وجوب واستنان وعدم اباحت کا تعلق افعال اختیاریہ مقدورہ کے ساتھ ہوا کرتا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا وماجعل علیکم فی الدین من حرج اور اس ہڈی کو تو لغت عرب میں لحی بالفتح کہا جاتا ہے صراح میں ہے لحی بالفتح جائے ریش ۔ مجمع البحار میں ہے عظمان نبتت علیہ الاسنان علوا وسفلا صحیح بخاری شریف ج ۲ ص ۹۵۸ میں سہل بن سعد سے ہے عن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال من یضمن لی ما بین لحیتہ وما بین رجلیہ اضمن لہ الجنۃ وروی الترمذی ج ۲ ص ۶۳ نحوہ ایضاً، ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۷۱ میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ میں ہے حتی مر رجل معہ لحی جمل ونحوہ عند ابن ماجۃ ص ۱۷۰ اور کتب فقہ باب الجنائز میں شد لحیاہ مصرح ومشرح ہے۔

واللہ تعالی ورسولہ اعلم وعلمہما اتم واحکم وصلی اللہ تعالی علی سیدنا ومولانا محمد وبارک وشرف وسلم

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی الحنفی القادری نورہ اللہ ربہ وقواہ علی کل غبی وغوی

۸ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ





بخدمت اقدس شیخ الحدیث والتفسیر الفقیہ الاعظم قبلہ ام اباجی دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاج ہمایوں ! معروض آنکہ چند چیزیں آپ کی ذات گرامی سے دریافت طلب ہیں :۔

۱۔ لبوں کے بال نوچنا جائز ہیں یا نہیں ؟

۲۔ اعتجار کی تعریف۔ کیا وسطِ سر میں ایک پیچ کا آنا ضروری ہے حالانکہ اکثر دیکھا ہے کہ عین سر کے وسط میں سے خالی جگہ چھوڑ دی جاتی ہے اور ٹوپی نظر آرہی ہوتی ہے (حلقہ کی صورت میں)

احقر شاہ محمد قصوری (چشتی) خطیب شاہ عالمی مارکیٹ لاہور





۱۔ پرہیز ضروری ہے: فتاوٰی عالمگیریہ ج۴ ص ۱۱۲ اور شامی ج۵ ص ۲۵۸ میں ہے نتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة وهي شعر الشفة السفلى كذا في الغرائب، یہ عبارت تو صرف نچلے ہونٹ کی طرفوں کے متعلق ہے مگر مطلقاً چہرے کے بال اکھاڑنے کے متعلق سرِ دست حضرتِ لسان الصوفیہ سیدی محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ کی وصیت فتوحاتِ مکیہ ج۴ ص ۴۹۱ پیشِ نظر ہے فرماتے ہیں واجتنب الوشم ان تعمله او تأمر به وكذلك بالتنميص وهو ازالة الشعر من الوجه بالنماص الخ (موچنا)

۲۔ اعتجار کی دو تعریفیں کتبِ فقہ میں ہیں، فتاوٰی عالمگیریہ ج۱ ص ۵۵ میں ہے هو ان يكور عمامته ويترك وسط رأسه مكشوفا كذا في التبيين یعنی درمیان سے سر ننگا چھوڑ دے، زیادہ کتابوں میں یہی تعریف ہے، مراقی الفلاح ص ۲۱۰ طبع مع الطحطاویہ میں " قیل " کے ساتھ ہے ان ينتقب بعمامته فيغطى انفه مگر یہ کہیں کسی تعریف میں نہیں دیکھا کہ وسطِ سر میں ایک پیچ اعتجار سے بچنے کے لئے ضروری ہے حالانکہ

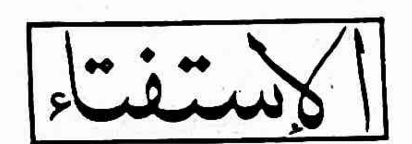


پیچ کے علاوہ بھی عمامہ سے سر کا درمیانہ حصہ چھپ سکتا ہے، اور نہ کہیں
دیکھا ہے کہ ٹوپی کا چھپانا بھی ضروری ہے اور وہ بھی عمامہ سے ہی ہو اور
نہ یہ کہیں دیکھا کہ ٹوپی سے وسط سر کا چھپانا کافی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

۱/۹۷



السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک برگزیدہ ہستی کا وصال ہوئے تقریباً آٹھ یا دس ماہ کا عرصہ ہوا ہے، بزرگ موصوف کے مریدین ومعتقدین حضرات نے ان کے مزار پر قبہ تعمیر کروایا تھا، کچھ ہی دن بعد چند مخالفین (جن کا تعلق فرقہ وہابیہ سے ہے) نے سازش کر کے اس قبہ تعمیر کردہ کو منہدم کر دیا، نہ صرف یہی بلکہ ملبہ کو منتشر کر کے قیمتی اشیاء اٹھا لے گئے، مریدین و معتقدین کے استفسار پر یہ کہنے لگے کہ یہ ناجائز ہے اور شرک وحرام ہے لہذا عرض یہ ہے کہ موصوف کے معتقدین جو کثیر تعداد میں ہیں اس فعلِ شنیع پر سخت ناراض ہیں اور وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ شرعی طور پر اس طرح قبرستان میں کسی بزرگ کے مزار پر قبہ تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا





وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :-

مشائخ عظام علمائے اعلام اولیائے کرام کے قبور طاہرہ پر تعمیر قباب نیات صالحہ اور اغراض صحیحہ سے بلاشک وشبہہ جائز ہے کہ انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نویٰ، وہابیہ کا ناجائز بتانا سخت ناجائز ہے اور شرک وحرام بتانا شدید ترین حرام ہے، قرآن کریم کا ارشاد بیّن ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلال وھٰذا حرام لتفتروا علی اللّٰہ الآیۃ پھر ان کا منہدم کر کے ملبہ منتشر کرنا اور قیمتی اشیاء کا اٹھا لیجانا انہی بہادروں کا حصہ ہے، اصل علت وہی اسماعیلی روگ ہے کہ روئے زمین کے باشندوں کو مشرک سمجھتے ہیں لہٰذا کسی کی جان ومال اور عزت وآبرو پر حملہ ان کے اس ناپاک مزعومہ کی بنا پر ناجائز نہیں، علمائے کرام اس پر کافی سے زیادہ روشنی ڈال چکے ہیں، امام اہل سنت والجماعت مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب اور امام اہل سنت والجماعت حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی اور امام اہل سنت والجماعت حضرت مولانا سید ابو محمد دیدار علی شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ودیگر علمائے اہل سنت والجماعت کی تصانیف جلیلہ وتالیف جمیلہ نے ان مسائل کو بالکل بے غبار بنا دیا ہے بنا بریں علیہ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں البتہ یہ ضرور خیال کر لیا جائے کہ اسی استفتاء سے



واضح ہو رہا ہے کہ یہ قبرستان میں تعمیر کیا گیا حالانکہ عموماً قبرستان وقف ہوتے ہیں تو اگر وہ قبرستان بھی وقف ہے تو پھر وہ تعمیر شرعاً جائز نہ تھی، شامی ج ۱ ص ۸۳۹ میں ہے قلت لكن هذا في غير المقابر المسبلة كما لا يخفى
نیز اسی میں ہے الا ترى ان البناء على قبورهم في المقابر المسبلة الخ
تو اس کا بآداب اٹھانا ضروری تھا مگر پھر بھی وہابیہ کا گستاخانہ اقدام اور قیمتی اشیاء پر دست اندازی قطعاً جائز نہیں۔

والله تعالىٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم وصلى الله تعالىٰ على حبيبه وآله واصحابه وبارك وسلم۔

(نوٹ / کئی دنوں سے یہ استفتاء آیا ہوا ہے مگر چونکہ حرمین شریفین سے تازہ تازہ واپسی ہوئی ہے اور احباب کا بے پناہ ہجوم رہا تو جلدی نہ لکھا جاسکا پھر یہ لفافہ بھی کاغذات میں گم ہو گیا تھا، امید ہے کہ یہ معذرت قبول ہو گی۔

والسلام

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۱ ۷/۶۲



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرس اولیائے کرام کا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وجہ علت کیا ہے؟ بينوا توجروا

المستفتی: محمد صدیق امام مسجد ڈولہ بچنة تحصیل دیپالپور (ساہیوال)



ایسا عرس جو منہیاتِ شرعیہ سے مبرا ہو وہ مجموعہ وعظ علمائے عظام و اطعامِ طعام و زیارتِ قبور ہے اور ہر فرد اس مجموعہ کا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثابت بالقرآن ہے والمطلق یجری علی اطلاقہ تو جب یہ امور عرس میں پائے جائیں گے، تب بھی سنت وجائز قرار پائیں گے کہ اجماع عبادات حسنِ عبادات کو زائل نہیں کیا کرتا بلکہ بڑھاتا ہے کما ھو مدلول علیہ بحدیث الصدقۃ علی القریب وغیرہ[1] باقی رہی تعیین تو وہ بھی عبادت کو نقصان نہیں پہنچاتی بلکہ احب الی اللہ ورسولہ بناتی ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عملِ دائم بہت پسند تھا رواہ البخاری فی صحیحہ وغیرہ فی غیرہ والاحب الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھو الاحب الی اللہ المتعال بل ذا ایضاً مصرح فی الحدیث اور وجودِ مطلق بلاتخصیص ہوا ہی نہیں کرتا قل او کثر فلا محیص عن التخصیص والتعیین منہ، نیز امورِ مذکورہ کا فرداً فرداً بالیقین بھی ثبوت ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما ہر خمیس کو وعظ فرمایا کرتے تھے رواہ البخاری فی صحیحہ، نیز اسی میں ہے کہ ایک بڑھیا[2] صحابہ کرام رضوان



---

[1] ولاشک فی وفور الصحابۃ فی زمنہ فکان اجماعا سکوتیا عنھم رضی اللہ تعالٰی عنھم ۱۲

[2] تو اس میں تعیین دقت وقسم طعام وآکلین ہے کما ھو نص الحدیث ۱۲ منہ غفرلہ

الله علیہم اجمعین کی مختصر سی دعوت ہر جمعہ کو کیا کرتی تھی اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ
علیہم بڑی خوشی سے تناول فرمایا کرتے تھے اور قبور شہدائے اُحد پر ہر سال خود
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم قدم رنجہ
فرمایا کرتے تھے کما نص علیہ فی ارشاد العقل والتفسیر الکبیر
ولاتنس ان الاجتماع لا یضر اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ما راٰہ
المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن صرح بہ الفقہاء
علیہم الرحمۃ فی تصانیفہم نیز مذہب مہذب احناف میں اصل اشیاء اباحت
ہے یعنی جب تک دلیل تحریم وکراہت نہ ملے تو حرام ومکروہ نہ کہیں گے وذا ثابت
بنفس النصوص من القراٰن والاحادیث الصحیحۃ تو جب تک
عرس مذکور الصفت کے متعلق دلیل تحریم وکراہت نہ ملے تو حرام ومکروہ نہ کہیں گے
جیسے مدارس اسلامیہ کہ بہ ہیئت کذائیہ زمان سلف میں نہ تھے مگر چونکہ ان کے
اجزاء فرداً فرداً موجود تھے لہذا اس مجموع کو کوئی حرام نہیں کہتا حالانکہ ان میں
بھی بہت تعینات ہیں پس جو عرس مذکورہ کو حرام ومکروہ کہے تو اس پر
لازم کہ ایسا فارق بیان کرے کہ عرس کا جواز ہی منتفی ہو جائے کہ جب تک
جائز ومباح رہے، عبادت ومستحب بن سکتا ہے کہ مباحات نیک نیتوں سے
عبادات بن جاتے ہیں چنانچہ شرح صحیح مسلم میں نووی اور درالمختار میں شامی
اور غنیہ میں ابراہیم اور شفاء شریف میں قاضی عیاض علیہم الرحمہ اس کی تصریحات
فرماتے ہیں اور در اصل حدیث جلیل القدر انما الاعمال بالنیات وما
فی معناہ سے ثابت ہے۔



واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ
تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ گیارہویں کیوں مناتے ہیں اور میلاد میں سلام کیوں پڑھتے ہیں؟ حضور نے تو اپنی تعظیم کے لئے منع فرمایا ہے۔

اور دوسرے خط میں سائل نے یہ زیادہ کیا کہ پھر کھڑے ہو کر سلام کیوں پڑھتے ہو؟ بیسویں اور چالیسویں کی نیاز دلانی چاہئے یا نہیں؟ اور حضرت ابا بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالے عنہما نے نہیں دلائی تھی۔

السائل: محمد الیاس خاں از کراچی معرفت محمد شریف صاحب البصیر پور





گیارہویں شریف اور بیسواں چالیسواں، یہ سب صدقاتِ نافلہ ہیں اور صدقاتِ نافلہ کا استحباب واستحسان علی الاطلاق قرآن کریم کی آیاتِ متکاثرہ اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے اور مطلق اپنے اطلاق سے مقرر وغیر مقرر دونوں کو شامل ہوتا ہے تو جیسے غیر مقرر صدقات ان آیات و احادیث سے ثابت ہوتے ہیں ایسے ہی مقررہ صدقات بھی ثابت ہوتے ہیں، تفسیر اتقان ج ۲ ص ۱۳۱ میں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں بیہقی

السطلق علی اطلاقہ بلکہ مطلق قرآن کریم تو حدیث، خبرِ واحد اور قیاسِ مجتہد سے بھی مقید نہیں ہو سکتا، اصول الشاشی ص ۹ میں ہے ان المطلق من کتاب اللّٰہ تعالیٰ اذا امکن العمل باطلاقہ فالزیادۃ علیہ بخبر الواحد والقیاس لایجوز تو ثابت ہوا کہ گیارہویں شریف، بیسواں، چالیسواں جو صدقاتِ مقررہ ہیں وہ بھی دوسرے صدقات کی طرح مستحب و مستحسن ہیں بلکہ صدقاتِ معینۂ مقررہ کا استحباب بھی بالخصوص قرآن کریم واحادیثِ شریفہ سے ثابت ہے، قرآنِ کریم میں ہے وَالذین فی اموالھم حق معلوم تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۱۲، تفسیر خازن ج ۷ ص ۱۲۶ میں ہے وذلک بان یوظف الرجل علیٰ نفسہ شیئًا من الصدقۃ یخرجہ علیٰ سبیل الندب فی اوقات معلومۃ اور حضرتِ سہیل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے صاف صاف ثابت کہ ایک صاحبہ خاص جمعۃ المبارکہ کے روز ان کی مخصوص جماعت کی ایک مخصوص طعام کے ساتھ دعوت کیا کرتی تھیں جس کا وقت بھی مخصوص ہی تھا یعنی بعد نمازِ جمعہ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۸ کے لفظ یہ ہیں کانت فینا امرأۃ تجعل علیٰ اربعاء فی مزرعۃ لھا سلقا فکانت اذا کان یوم الجمعۃ الحدیث ومقاربہ ایضًا فی ج ۱ ص ۳۱۶ و ج ۲ ص ۸۱۳ تو معلوم ہوا کہ تخصیص و تحقیق کے ساتھ بھی نفلی صدقات میں کوئی حرج نہیں بلکہ نیک کام کا بالدوام کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب پاک کو بہت پیارا ہے، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۷ میں ہے ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سئل ای العمل احب الی اللّٰہ قال ادومہ وان قل، اسی صفحہ میں ہے ای العمل کان احب الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قالتؔ الدائم اسی مضمون کی حدیثیں



ؔ ای سیدتنا وامنا الصدیقۃ بنت الصدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا ۱۲ منہ



صحاح ستہ وغیرہا کتب معتمدہ حدیث میں بکثرت موجود ہیں اور ان احادیث کے شان ورود اس وشمس کی طرح واضح کر رہے ہیں کہ نفلی اعمال کا یہی حکم ہے کما لایخفی علی من لہ ادنیٰ مس بکتب الحدیث نیز یہ بھی پر ظاہر کہ اس دوام کا یہ معنی ہرگز ہرگز نہیں کہ دن رات کی ہر ہر گھڑی اور پل میں ایک ہی نیک کام کرتا رہے، اس کا قائل مجنون محض یا بے حیا متجاہل کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا بلکہ مراد یہ ہے کہ جس وقت معین میں کرنا شروع کرے تو ہمیشہ اس وقت میں وہ کام کر لیا کرے ناغہ نہ کرے اور شیون ورود کا بھی یہی تقاضا ہے وذا اظہر من ان یظہر، تو ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی طرح واضح ہوا کہ جو شخص ان نیک کاموں یعنی صدقاتِ مقررہ معینہ گیارہویں، بیسویں، چالیسویں کو شروع کرے تو ہمیشہ ان اوقاتِ خاصہ میں اس کا کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارا ہے تو ثابت ہوا کہ صدقاتِ مذکورہ مستحب ومستحسن ضرور ہیں اور جو شخص ان کو حرام یا مکروہ بتلائے تو اس پر لازم کہ کوئی آیت یا صحیح حدیث ایسی پیش کرے جس سے ان نیک کاموں کی حرمت ثابت ہو سکے تو پھر بڑے شوق سے منع کرے کہ منع بھی حکمِ شرعی ہی ہوتا ہے جیسے کہ صدہا آیات واحادیث سے ثابت ہے بلکہ خود مانعینِ زمانہ کا امام مسلم اسمٰعیل دہلوی اپنے رسالہ "منصبِ امامت" کے ص ۶۴ میں لکھتا ہے:

"در فعلے از افعال وقولے از اقوال ہزار منافع ومضار مدرک شود ولیصد وجہ حسن یا قبح عقلاً درو ثابت شود اما تا وقتیکہ کتاب منزل یا نص نبی مرسل بر لزوم یا منع او دلالت نداشتہ باشد وجوب یا حرمتِ آں قول وفعل شرعاً ثابت نمی تواں باشد"

ہاں ہاں ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے شہادت تیری





تو ثابت ہوا کہ بلا دلیل شرعی منع کرنا سخت جہالت اور کور باطنی ہے اور چونکہ یہ صدقاتِ نافلہ ہیں تو حضرتِ صدیقِ اکبر و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نہ کرنا ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا کہ عباداتِ نفلیہ اختیاریہ ہوتی ہیں، دیکھو نمازِ ضحیٰ جو مستحب و مسنون ہے حضرتِ عمر کے صاحبزادے حضرتِ عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرتِ عمر و ابو بکر نہیں پڑھا کرتے تھے، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۷ میں ہے، قلت فعمر قال لا قلت فابو بکر قال لا تو کیا اس سے نمازِ ضحیٰ ناجائز ہو جائے گی؟ پھر سائل کا کہنا "نہیں دلائی تھی" اس کی کیا دلیل ہے؟ عدمِ ورود دلیلِ عدم نہیں کما صرح بہ الامام الفخر الرازی وغیرہ فی اسفارھم اور قرآن کریم کی تلاوت کا حکم مطلق ہے اور صحابہ کرام عموماً یاد ہی پڑھا کرتے تھے اور کچھ نسخے قلمی بھی تھے مگر اب چھپے ہوئے قرآنِ کریم شائع ہیں، کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان چھپے ہوئے نسخوں پر پڑھنا منع ہے صحابہ کرام نے چھپے ہوئے قرآنِ کریم پر تلاوت نہیں کی، ایسے ہی قرآنِ کریم کا ترجمہ سطروں کے درمیان لکھنا اور چھاپنا صحابہ کرام سے ثابت نہیں تو پڑھنا بھی ثابت نہ ہوا مگر اب لکھتے ہیں، چھاپتے ہیں اور پڑھتے ہیں، کوئی حرام نہیں کہتا، مطلق وعظ و نصیحت کا حکم ہے مگر لاؤڈ سپیکر پر وعظ و نصیحت کرنا صحابہ کرام سے ثابت نہیں حالانکہ اسے کوئی حرام نہیں کہتا، صحابہ کرام سے موٹر، لاری، گاڑی، ہوائی جہاز پر سفرِ حج کرنا ثابت نہیں مگر حرام بھی نہیں۔

اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں، اصل بات وہی ہے کہ حکم مطلق سب صورتوں کو شامل ہوتا ہے اور جب تک کسی خاص صورت کو شرع حرام نہ کرے حرام نہیں ہو سکتی اور اسی بیان سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ میلاد شریف میں سلام پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ کم از کم مستحب و مستحسن ضرور ہے کہ حضرت رب العلمین جل وعلا نے ہمیں قرآنِ کریم میں اپنے محبوب اکرم صلی اللہ

فتاوی خواجگان جلد سوم

علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کا مطلقاً حکم دیا ہے کہ فرمایا وسلموا تسلیما (سورۃ الاحزاب) تو میلاد شریف میں سلام پڑھنا بھی اس سے ثابت ہو گیا۔

باقی سائل کا یہ کہنا کہ "حضور نے تو اپنی تعظیم کے لئے منع فرمایا ہے" یہ محض بہتان ہے کسی آیت یا کسی حدیث سے کوئی بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعظیم کے لئے عام سلام یا میلاد پاک میں سلام سے منع فرمایا ہو حضور تو حضور، حضور کے غلاموں کے غلام، ماں، باپ، استاد، عالم، پیر، معمر مسلمان بلکہ شعائر اللہ کی تعظیم قرآن کریم و حدیث شریف سے بہ ایں وجوہ ثابت و ہویدا ہے، اس کا انکار وہی کرسکتا ہے جو وجود عقل و دانش سے ہی بیگانہ ہو یا معاندانہ چال چلے۔

رہا کھڑے ہو کر سلام پڑھنا تو اس میں آخر کونسا حرج ہے، عموماً مسلمان خواص و عوام آپس میں کھڑے کھڑے ایک دوسرے کو سلام کہا کرتے ہیں اور یہ لوگ خود ہی کہتے رہتے ہیں، کیا جب آتے انہیں کوئی راستہ میں ملے تو بیٹھ کر سلام کہا کرتے ہیں حضور پُر نور سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم سے بلا وجہ روکنا ان لوگوں کا دستور ہو گیا، کیا حضرت سیدۃ طاہرہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہمیشہ قیام تعظیمی ترمذی ج ۲ ص ۲۳۳ میں ثابت نہیں؟ اس کے کلمات یہ ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل علیہا قامت من مجلسہا الخ کیا صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۱ وغیرہ میں حضرت سعد کے لئے قیام تعظیمی کا حکم قوموا الی سیدکم الحدیث نہیں ہے؟ رہا کافرانہ کام سے منع فرمانا تو وہ مسلمانہ مسلمانہ قیام کو حرام نہیں بناتا وذا اجلی من ان یجلی۔



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین، ہنگوری روز یعنی چوری کا دن جس میں کھانا ہر قسم بعد از فاتحہ خوانی لبطور خیرات غربا راور مساکین میں تقسیم کرنا اور خورد نوش کرنا، زید، بکر وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ کھانا کھانا خنزیر کے برابر ہے، بروئے شرعِ محمدی جواب مطلوب ہے، از راہِ نوازش مناسب جواب تحریر فرماکر ثوابِ دارین حاصل کریں، فقط

السائل: حسن محمد حسبو کے گردنہ

مؤرخہ ۵/۹/۵۹





پانی، آٹا، میٹھا، گھی وغیرہ جن سے اہلِ اسلام کھانا تیار کرتے ہیں، سب پاک اور حلال ہیں اور فاتحہ خوانی باعثِ شفاء و رحمت ہے اور غرباء مساکین میں بطورِ خیرات تقسیم کرنا بھی ناجائز نہیں اور کوئی دن یا مہینہ حرام نہیں بنا سکتا تو کھانا حرام کیوں ہوا، حضرتِ رب العالمین جل و علا فرماتا ہے یآیھا الناس کلوا مما فی الارض حللا طیبا ولا تتبعوا خطوات الشیطن انہ لکم عدو مبین ○ پ ۲ ع ۵ (ترجمہ) "اے لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو (اپنی طرف سے ایسی چیزوں کو حرام نہ کہو) بیشک



وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جو کہ تمہیں ایسے وسوسوں کے ذریعے پاکیزہ چیزوں سے محروم کرنا چاہتا ہے"۔ نیز آٹھویں پارے کے گیارہویں رکوع میں ہے قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیٰمۃ (ترجمہ) تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق، تم فرماؤ وہ ایمانداروں کے لئے ہے، دنیا میں اور قیامت میں تو خاص انہی کی ہے نیز پندرہویں پارے نا۹ ویں رکوع میں ہے وننزل من القراٰن ماھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظّٰلمین الا خسارا (ترجمہ) اور ہم قرآن سے اتارتے ہیں وہ چیز (سورتیں اور آیتیں) جو ایمان والوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے، نیز پارہ انتیسواں رکوع چودہ میں ہے وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیرا واعظم اجرا (ترجمہ) اور اپنے لئے جو بھلائی (نماز، روزہ، خیرات، قرآن خوانی وغیرہ) آگے بھیجو اسے اللہ کے پاس بہتر اور بڑے ثواب کی پاؤ گے"، تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ وہ کھانا اور خیرات جائز اور حلال ہے جو خنزیر کی طرح حرام کہتا ہے وہ سخت غلطی کرتا ہے، اگر سچا ہے تو کوئی آیت یا حدیث ایسی دکھائے جس سے ثابت ہو کہ یہ پاک کھانے اور قرآن کریم پڑھنا چوری کے دن حرام ہو جاتا ہے، تعجب ہے کہ ایسی بے تکی باتوں سے بیچارے سادہ لوح عوام کو اکسایا جاتا ہے اور اشتعال دلاتے ہوئے فتنہ و فساد برپا کیا جاتا ہے حالانکہ فتنہ و فساد ناجائز و حرام ہے۔ اللہ رب العالمین ہدایت فرمائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

یکم ربیع الاول ۹ ۱۳۸۹ھ





الاستفتاء

محترم ومکرم حضرت صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:-

اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ اہلسنت کے سروں پر قائم و دائم رکھے آمین، آپ کی دعاؤں سے نور و ظہور دن دُونی، رات چوگنی ترقی کر رہا ہے، ایک ضروری مسئلہ کے متعلق فتویٰ مطلوب ہے، براہِ کرم جلد جواب ارسال فرماکر مشکور ہوویں۔

ایک صاحب کا دعویٰ ہے کہ جو طعام بزرگانِ دین کے نام پر پکایا جاتا ہے وہ صرف مساکین کا ہی حق ہے، اگر دوسرے لوگ اسے کھائیں تو متوفی کی روح کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا علاوہ ازیں بزرگوں کا عرس صرف تاریخ وصال کے دن ہی ہو سکتا ہے، بعد میں نہیں۔ یہ دو امور ہیں، باسنادِ شرعیہ حکم صادر تحریر فرماکر جلدی میرے نام دفتر نور و ظہور میں ارسال فرماویں۔

سائل: محمد علی ظہوری، ایڈیٹر نور و ظہور، قصور

۸/۶۰/۲۲



ایسا عام طعام جو اذراہ طیبہ اولیائے کرام کے لئے بغرض ایصالِ



ثواب پکایا جاتا ہے، تمام اہلیانِ اسلام کھا سکتے ہیں، اس میں مساکین و غیر مساکین کا امتیاز نہیں، قرآنِ کریم فرماتا ہے لیس علیکم جناح ان تأکلوا جمیعا او اشتاتاً (تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اکھٹے ہو کر کھاؤ یا الگ الگ) وَالْاِطْلَاقُ تُجْحَةٌ قَوِیَّۃٌ ہاں اگر وہ طعام زکوٰۃ وغیرہ واجباتِ شرعیہ کی جنس سے ہو تو ساداتِ کرام و تمام اغنیاء کا حق نہیں مگر پھر بھی وہ صرف مساکین کا ہی حق نہیں بلکہ مساکین کی طرح فقراء و ابناء سبیل مدیون وغیرہ بھی حقدار ہیں، قرآنِ کریم میں ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین الآیۃ تو امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ ان صاحب کا یہ دعوٰی (وہ صرف مساکین کا ہی حق ہے) محض بے جا و غلط ہے، تو یہیں سے واضح ہوا کہ دوسرے لوگ بھی کھا سکتے ہیں، تو روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ مدعی صاحب کا یہ جبروتی حکم "اگر دوسرے لوگ اسے کھائیں تو متوفی کے روح کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا" محض غلط در غلط اور بناء الفاسد علی الفاسد ہے قرآنِ کریم تو فرمائے وما تنفقوا من خیر یوف الیکم (جو مال خرچ کرو تمہیں پورا دیا جائے گا) اور مدعی کہے کوئی ثواب نہیں پہنچتا یاللعجب! علی الاطلاق اطعامِ طعام خصالِ بہترینِ اسلام سے ہے کما فی حدیث البخاری وغیرہ اور جب بغرضِ ایصالِ ثواب کھلائے تو بحکمِ حدیثِ صحیح انما لامرئ مانوی ثواب ضرور پہنچے گا لہذا ہمارے ائمۂ کرام فرماتے ہیں کہ مومن اپنی ہر نیکی کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے، کتبِ معتبرۂ مذہبِ مہذب میں ہے والنظم من الدر الاصل ان کل من اتی بعبادۃ مالہ ان یجعل ثوابہا لغیرہ (یعنی قاعدہ یہ ہے کہ بے شک ہر وہ شخص جو کسی قسم کی عبادت کرے اسے حق پہنچتا ہے کہ اس عبادت کا ثواب اپنے غیر کے لئے کر دے۔

الحاصل وہ طعام صرف مساکین کا ہی حق نہیں کہ دوسرے لوگ نہ کھا سکیں بلکہ سب کھا سکتے ہیں اور ثواب پہنچتا ہے حسبِ تفاصیل الطعام والمستحقین





و ملخصین مکتوبات شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ ص ۳۲۸ اور فتاوٰی عزیزی شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ ج ا ص ۳۹، الحجۃ الفائحہ ص ۵ میں شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ سے ہے کہ "ایسا کھانا پکانا بلا مضائقہ جائز ہے اور غنی بھی کھا سکتے ہیں" فتاوٰی عزیزی کے آخری الفاظ یہ ہیں "پس اغنیاء را ہم خوردن ازاں جائز است" واللہ تعالیٰ اعلم۔

بزرگانِ دین کے عرس شرعی تاریخ وصال کے دن ہو سکتے ہیں اور بعد میں بھی کہ دلائلِ شرعیہ ثبوتِ اعراس اصل میں ہیں ہی مطلق اور مطلق اپنے اطلاق سے جمیع اوقات پر حاوی ہوتا ہے، امامِ اہلِ السنۃ والجماعۃ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ الحجۃ الفائحہ ص ۱۸ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ناقل و مقرر "و زیارت و تبرک بقبورِ صالحین و امدادِ ایشاں بامداء ثواب و تلاوت قرآنِ کریم و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امرِ مستحسن و خوب است بہ اجماع علماء و تعیین روزِ عرس برائے آنست کہ آں روز مذکرِ انتقالِ ایشاں می باشد از دار العمل بہ دار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجبِ فلاح و نجات است و خلف را لازم است کہ سلف خود را بایں نوع بر و احسان نماید۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔



حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

مؤرخہ ۳۰ صفر المظفر ۱۳۸۰ھ

۲۴/۵/۹۰

سے تصنیف مجدد مأتہ حاضرہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ۱۲ منہ غفرلہٗ

الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ الحاج علامہ فقیہ اعظم محدث پاکستان بانی و مہتمم
جامعہ عربیہ فریدیہ بصیر پور شریف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : بعد ازیں نہایت ہی ادب سے عرض ہے کہ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسائل کہ :



۱۔ ایک ایسے حافظ صاحب ہیں جو پانچ وقتی نماز کے بھی پابند نہیں اور داڑھی خشخاشی رکھتے ہیں، کئی دفعہ نہ کتروانے کا وعدہ کر کے پھر بھی کترواتے ہیں اور ان کے بال فیشن کے مطابق ہیں یعنی بودہ رکھتے ہیں، تو کیا امام کی عدم موجودگی میں جماعت کروا سکتے ہیں یا کہ نہیں ؟

۲۔ بعد از نمازِ عشاء ہدیہ درود و سلام (جو کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریر فرمایا ہے) "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" الخ بآوازِ بلند سپیکر پر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟ اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس وقت نہیں پڑھنا چاہیے کیونکہ کوئی آدمی ٹٹی کر رہا ہوتا ہے کوئی سو رہا ہوتا ہے جبکہ قومی ترانہ کے وقت حکومت نے کھڑا ہونا ضروری قرار دیا ہے تو سلام کے وقت آدمی سوئے ہوئے ہیں کوئی مجامعت کر رہا ہو اور ادھر سلام پڑھ رہے ہوں، یہ صحیح نہیں، آپ



اس کے متعلق ارشاد فرمائیں کہ کیا حکم ہے سپیکر میں درود وسلام پڑھنے کا؟

السائل صوفی عباس علی قمری چشتی سیالوی

چک 90/6.R شاہ مدار ضلع ساہیوال





حضرت صوفی صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :-

۱۔ ایسے بے عمل، وعدہ خلاف آدمی گو کہ حافظ ہی ہوں، امامت کے قابل نہیں، ان کی اقتدار میں نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے جس کا اعادہ واجب ہوتا ہے کما فی اسفار المذہب المہذب الحنفی۔

۲۔ قرآن کریم میں صلوا علیہ وسلموا تسلیما کے امر مطلق ہیں کسی وقت کی قید نہیں اور نہ ہی سپیکر نہ ہونے یا بیٹھنے کی قید ہے، تو ہر طرح جائز ہے باقی جو عذر بیان کئے گئے ہیں غلط ہیں ورنہ سپیکر پر اذان اور وعظ اور قرآن خوانی بھی ناجائز ہو حالانکہ ان سے منع نہیں کرتے، قومی ترانہ کا قانون بھی ایسا نہیں ورنہ لازم ہوتا کہ اذان کھڑے ہو کر سنیں، البتہ یہ ہے کہ اگر سونے والوں کے آرام میں فرق پڑتا ہے تو آواز نرم رکھیں جیسے قرآن خوانی میں حکم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم

وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفر لہٗ
۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ
۱۳-۶-۷۶

الاستفتاء

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارہ میں کہ اگر کوئی اہلِ اسلام اس طرح سے قرآن کریم وفرقانِ حمید ختم کرے جیسا کہ اہلِ ہنود کا طریقہ ہے کہ گرنتھ صاحب کو دس یا سات یا تین یوم میں ختم کراتے ہیں، ایک شخص پڑھتا رہتا ہے، دوسرے اہلِ ہنود سُنا کرتے ہیں، اس صورت میں کیا مشابہت ہو جاتی ہے یا کہ نہیں؟ دوسرا اگر اہلِ اسلام قرآن مجید کو جو قاری پڑھ رہا ہو، چھوڑ کر اپنے کاروبار دنیاوی میں جالگے تو اس کے لئے کیا حکم صادر ہوتا ہے؟ اور اگر بیٹھا رہے تو کیا حرج ہوتا ہے اور تشویش قلبی بھی ضروری ہوتی ہے، اس شخص نے اہلِ ہنود کو دیکھا ہے اور خیال پیدا ہوا کہ اس دھوم دھام سے قرآن شریف کو ختم کروں، بعد میں جس طرح وہ لوگ نقدی دیتے ہیں، دوں، اس طریق پر قرآنِ کریم کا شریعتِ غرّا میں پڑھنا اور ختم کرنا جائز ہے یا مشابہت کا خوف ہوتا ہے، حوالہ کتب شرعیہ جواب باصواب تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

السائل: مولوی نور الدین از بھوسن شاہ









مسلمانوں کا یوں جمع ہو کر قرآنِ کریم کی تلاوت کرنی کہ ایک تلاوت کرے اور دوسرا ادب سے خاموش ہو کر کان لگائے رکھے، شرعاً مطلوب و محبوب اور بڑی زبردست عبادت، مولیٰ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

اذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ۝

(ترجمہ) یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو (سورۃ الاعراف)، درالمختار وغیرہا اسفارِ فقہیہ میں ہے یجب الاستماع للقراءۃ مطلقا لان العبرۃ بعموم اللفظ صحیح مسلم شریف ج ۲ ص ۳۴۵ میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ وحفتھم الملئکۃ وذکرھم اللہ فی من عندہ: یعنی نہ جمع ہوئی کوئی قوم اللہ تعالےٰ کے گھروں (مسجدوں) میں سے کسی گھر میں پڑھتے ہوئے کتاب اللہ کو اور تدارس کرتے ہوئے اس کا آپس میں مگر اترتی ہے ان پر طمانیت اور وقار اور ڈھانپتی ہے انکو رحمت اور احاطہ کرتے ہیں ان کا فرشتے اور ذکر کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کا اپنے خاص مقربین میں اور ایسے ہی ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۰۸ میں بھی ہے

حفتھم الملئکۃ تک اور یاد پڑھنے سے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے



کہ اس میں عبادت دگنی ہو جاتی ہے، ایک پڑھنا اور دوسرا قرآن کریم کی طرف نظر کرنا جیسے غنیۃ المستملی ص ۴۶۳ میں ہے وقراءۃ القرآن من المصحف افضل لان جمع بین عبادتی القراءۃ والنظر فی المصحف تو اس کے منع و مکروہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، سائل کو غالباً سننے والوں کے مجتمع ہونے سے شبہ دامن گیر ہوا، اس کا عبادت ہونا ثابت ہو چکا تو پھر کیسے ممنوع ہوا بلکہ علماء کرام نے تصریح فرمادی کہ قرآن کریم کا سننا خود پڑھنے سے بہتر ہے کہ پڑھنا تطوع ہے اور سننا فرض ہے اور فرض نفل سے بہتر ہوتا ہے، غنیۃ المستملی ص ۴۶۵ واستماع القرآن افضل من تلاوتہ کذا من الاشتغال بالتطوع لانہ یقع فرضا والفرض افضل من النفل اور ایسے ہی درالمختار شامی ج ۵ ص ۳۴۴ میں ہے اور ایسے ہی دس یا سات یا تین یوم میں قرآن کریم ختم کرنا ہرگز ہرگز ممنوع نہیں، حضرت شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں ج ۲، ص ۱۵۳ بدانکہ عادت سلف مختلف بود در قدرے از زمان کہ ختم مے کردند در آں قرآن را از ختم کردن در دو ماہ تا ہشت ختم کردن در روز و شب و بعضے گفتہ اند کہ از سہ روز کم نباید و بر چہل روز زیادہ نے الخ اور مشابہت کا ہو جانا ہر ایک چیز کو منع نہیں بناتا بلکہ بُری چیز میں مشابہت ہونا منع ہے اور ایسے ہی ان کے مشابہ بننے کی غرض سے نیک کام کرنا اور یہ ہرگز ہرگز نہیں کہ ہماری شریعت میں جو کام عبادت ہو وہ غیروں میں رواج پا جائے تو ہمارے اوپر منع ہو جائے، درالمختار میں بحرالرائق سے ہے ان التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شیئ بل فی المذموم وفیما یقصد بہ التشبہ کما فی البحر۔ شامی ج ۱ ص ۵۸۲ میں ہے فانا نأکل ونشرب کما یفعلون، بحر عن شرح جامع الصغیر لقاضی خان۔





باقی رہا دنیاوی ضروریات کے لئے چلا جانا تو جماعت میں سے جب تک بعض سنتے رہیں تو بعض کا چلا جانا جائز ہے کہ قرآنِ کریم کا سننا فرضِ کفایہ ہے جیسے سلام کا جواب دینا، غنیۃ المستملی ص ۴۹۵ میں ہے والاصل ان الاستماع للقرآن اذا قرئ فرض کفایۃ الخ اور ایسے ہی شامی ج ۱ ص ۵۰۹ میں ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں جندب بن عبداللہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اقرأوا القرآن ما ائتلفت علیہ قلوبکم فاذا اختلفتم فقوموا عنہ۔



شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس حدیث کا ترجمہ یوں کیا ہے "بخوانید قرآن را مادام کہ الفت وجمعیت دارد بر قرآن دلہائے شما و ذوق قرأت و نشاط و سرور حاصل باشد پس چوں مختلف شوید و متغیر گردید یعنی حاصل گردد شمارا ملالت و تفرقہ قلوب پس برخیزید از خواندنِ قرآن و بہ ملالت وبے ذوقی نخوانید اما اینجا نکتہ الیست کہ مرد را باید کہ عادت کند وجد وجہد نماید ونفس را ریاضت فرمائید تا کہ بکثرت قرأۃ ملال نیارد و نشاط افزاید زیرا نکہ کاہلاں وآسودہ دلاں کہ اعتیاد وارتیاض ندارند زود ملول شوند نقدی وغیرہ دینا اگر مزدوری کے طریق پر مشروطاً او معروفاً ہو تو ممنوع ہے۔ اگر پڑھنے والے نے محض للّٰہیت سے پڑھا اور دوسرے نے بھی محض للّٰہیت سے بدون غرض تشبہ کفار کچھ دیا تو یہ ممنوع نہیں، گزر چکا کہ مطلقاً مشابہت ممنوع نہیں ہے۔

ھذا ما عندی من العلم واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین آمین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ
۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۶۱ھ



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

۱۔ مروجہ قوالی جس میں طبلہ سارنگی ہارمونیم وغیرہ آلات ہوں سننی جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ ایک عالم دین کو شارع عام غلیظ قسم کی گالی بکنے والا ولی کہلانے کا مستحق ہے؟ اسے فاسق و فاجر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

۳۔ ایسی قوالی کا اعلان مساجد اور پاکیزہ جگہوں میں جائز ہے یا نہیں؟

۴۔ جو شخص یہ کہے کہ اگر غوث الاعظم بھی تقریر کرتے ہوں تو میں تقریر نہیں سنوں گا بلکہ مروجہ قوالی کی طرف رجوع کرونگا، اس میں غوث الاعظم یا شریعت طاہرہ کی توہین ہے یا نہیں؟ اگر توہین ہے تو ایسے شخص کی بیعت کرنا جائز ہے یا ممنوع؟ بینوا توجروا۔

السائل: اصغر علی سیکرٹری پاک سنی تنظیم، پتوکی





وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: مزاج گرامی!
کافی عرصہ ہوا آپ کا یہ استفتاء کاغذات میں ہی محفوظ رہا، فقیر



نہایت کم فرصت ہے، دار العلوم کا نظم ونسق اور اسباق وبکثرت سوالات کے جوابات وغیرہ کافی امور فقیر کے سپرد ہیں، علاوہ ازیں حاضری حرمین شریفین کے سلسلہ میں بھی کافی دن دار العلوم سے رخصت پر رہا۔ بہر حال معذرت کرتا ہوں کہ مجبوراً التواء ہوتا گیا۔

۱- مروجہ قوالی کے متعلق امام اہل سنت والجماعت مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا مفصل فتوائے مبارکہ احکام شریعت میں ہے وہی کافی ہے۔

۲- سُنی صحیح العقیدہ عالم دین کو شارع عام غلیظ گالیاں بکنے والا سخت فاسق وفاجر ہے اور ولی کہلانے کا مستحق ہے بشرطیکہ ولی الشیطان کہا جائے مگر ولی الرحمٰن کہلانے کا ہرگز ہرگز مستحق نہیں۔

۳- ایسی قوالی کا اعلان مساجد جیسے مقدس مقامات میں ناجائز ہے۔

۴- حضور پُرنور نائب محبوب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا وغوثنا الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر پرمنیر پر مروجہ قوالی کو ترجیح دینے والا بلاشک وشبہ شریعت مطہرہ کی سخت توہین کا مرتکب ہے اور حضور غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پاک جناب کا سخت گستاخ بنا اور اس جناب کا گستاخ تمام اولیائے کرام کا گستاخ ہے کہ یہ وہی تو ہیں جن کا پاک قدم اولیائے کرام کی گردنوں پر ہے بلکہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی گستاخ ہے کہ یہ نائب مطلق ہیں، ان کی تقریر حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات اور ارشادات کی تشریح وتفسیر ہی ہے، ایسے شخص کی بیعت کرنا کیونکر جائز وحلال ہو؟۔ اہل سنت والجماعت پر سخت لازم اور نہایت ضروری ہے کہ ایسے شخص سے اپنے آپ کو بچائیں تاکہ حضرت رب العلمین جل مجدہ کے غضب سے





محفوظ رہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ
۱۳ صفر المظفر ۱۳۸۴ھ ۲۵-۶-۶۴

الاستفتاء



کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایسے قرآن مجید جو کہ بچوں کو ادارہ میں عوام الناس پڑھنے کے لئے دیتے ہیں حالانکہ وہ تلاوت کرنے والوں سے زائد ہیں، ان کو بیچ کر کوئی درسی کتاب خریدنی جائز ہے یا نہیں اور ایسے غلاف جو کہ زائد ہیں ان کا درسی کتابوں پر چڑھانا یا طالبعلموں پر صرف کرنا یعنی تکیہ وغیرہ بنوا دینا جائز ہے یا نہیں؟

سائل: فقیر عبدالحی نوری



وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وآلہ وصحبہ وبارک مع التسلیم



ہمارے فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ واقف چونکہ اپنے مال کا مالک مستقل ہوتا ہے لہٰذا بوقتِ وقف جو شرط کرے وہ معتبر ہے اور اس کا شرط کرنا نصِ شرعی کی طرح واجب الاتباع ہے، شامی ج۳ ص۴۹۹ میں ہے ان شرائط الواقف معتبرۃ اذا لم تخالف الشرع وھو مالک فلہ ان یجعل مالہ حیث شاء الخ نیز ج۳ ص۶۲۷ میں ہے ماخالف شرط الواقف فھو مخالف للنص نیز وہیں ہے شرط الواقف کنص الشارع فیجب اتباعہ تو جب ادارہ میں پڑھنے کے لئے دیئے جاتے ہیں تو ان کو فروخت کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور ان کے غلافوں کے تکیے وغیرہ بنانے کیونکر جائز ہو سکتے ہیں، شامی ج۳ ص۵۲۰ میں ہے فان وقفھا علی اھل ذٰلک الموضع لم یجز نقلھا منہ لا لھم و لا لغیرھم، یہ مسئلہ تو بہارِ شریعت ج۱ ص۶۱ تا ۶۲ پر بھی بڑا واضح طور پر لکھا ہے، ادارہ والے بھی بے خیالی سے کام کریں تو وہی ذمہ دار ہیں، ہمارا دستور تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم ایسی شرط پر ہم قبول ہی نہیں کرتے بلکہ عام اجازت سے قبول کرتے ہیں اور پھر عوام قرآن خوانوں کو مفت دے دیتے ہیں۔



واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ

۱۹۶۷ء



الاستفتاء

نوٹ : حضرت مولانا ابوالفیض علی محمد نوری مدظلہ کا سوال آیا کہ ایک وہابی نے مسجد کے اندر بوسیدہ قرآنِ مجید جلا دئے۔ لہٰذا اس کے جواب میں فتوٰی مندرجہ ذیل ملاحظہ فرمائیں۔





قرآنِ کریم جب بوسیدہ ہو جائے اور اس پر تلاوت متعذر ہو تو اس کا جلانا جائز نہیں، فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۹۵، شامی ج ۵ ص ۲۷۲ و ۲۷۳ میں ہے والنظم من الشامی وفی الذخیرۃ المصحف اذا صار خلقا و تعذر القراءۃ منہ لا یحرق بالنار الیہ اشار محمد علیہ الرحمۃ وبہ ناخذ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ ص ۲۹ میں ہے والقیاس علی فعل عثمان لا یجوز لان صنیعہ کان بما ثبت انہ لیس من القرآن او مما اختلط بہ اختلاطا لا یقبل الانفکاک بلکہ پاک کپڑے میں لپیٹ کر لحد بنا کر دفن کیا جائے، شامی و عالمگیری میں ہے والنظم منہ المصحف اذا صار خلقا لا یقرأ منہ ویخاف ان یضیع یجعل فی خرقۃ طاھرۃ ویدفن اور دفن کرنا بے ادبی نہیں ورنہ اللہ رب العلمین



کے اولیاء وانبیاء کے عظام کو دفن نہ کیا جاتا، درالمختار میں ہے وھو (ای الدفن) احسن کما فی الانبیاء، شامی ج ۵ ص ۲۷۲ میں ہے ان الدفن لیس فیہ اخلال بالتعظیم لان افضل الناس یدفنون اور سیدنا عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ضرورتِ شرعیہ شدیدہ کی بنا پر ایسا کیا، کواکب الدراری المعروف کرمانی شرح صحیح بخاری ج ۱۹ ص ۹ میں ہے فان قلت کیف جاز احراق القراٰن قلت المحروق ھو القراٰن المنسوخ او المختلط بغیرہ من التفسیر او بلغۃ غیر قریش او القراءات الشاذۃ وفائدتہ انہ لا یقع الاختلاف فیہ جزاہ اللہ تعالٰی احسن الجزاء ورضی اللہ عنہ اور یہ صورت (اختلاف) بلکہ اس سے بڑھ کر دفن پر مرتب ہو چکی تھی جس کا بیان و اتبعوا ما تتلوا الشیٰطین علٰی ملک سلیمٰن، کی تفسیر میں تفاسیر میں بالفاظِ مختلفہ موجود ہے، تفسیر دُرِ منثور ج ۱ ص ۹۵ میں ہے اخرج سفیان بن عیینۃ وسعید بن منصور وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ عن ابن عباس قال ان الشیٰطین کانوا یسترقون السمع من السماء فاذا سمع احدھم بکلمۃ حق کذب علیھا الف کذبۃ فاشربتھا قلوب الناس واتخذوھا دواوین فاطلع اللہ علٰی ذٰلک سلیمان بن داؤد فاخذھا فقذفھا تحت الکرسی فلما مات سلیمان قام شیطان بالطریق فقال الا ادلکم علٰی کنز سلیمان الذی لا کنز لاحد مثل کنزہ الممنع قالوا نعم فاخرجوہ فاذا ھو سحر فتناسختھا الامم وانزل اللہ عذر سلیمان فیما قالوا من السحر فقال واتبعوا ما تتلوا الشیٰطین علٰی ملک سلیمان الاٰیۃ واخرج النسائی وابن ابی حاتم عن





ابن عباس قال کان اٰصف کاتب سلیمان و کان یعلم الاسم الاعظم و کان یکتب کل شیئ بامر سلیمان و یدفنہ تحت کرسیہ فلما مات سلیمان اخرجتہ الشیاطین فکتبوا بین کل سطرین سحرا و کفرا و قالوا ھٰذا الذی کان سلیمان یعمل بہا فاکفرہ جہال الناس و سبوہ و وقف علماءھم فلم یزل جہالھم یسبونہ حتی انزل اللہ علی محمد واتبعوا ماتتلوا الشیٰطین بلکہ مرقات ج ۵ ص ۲۹ میں تو ایک اور وجہ بیان کی جس میں محرق کا اور رد ہوتا ہے وانما اختار الاحراق لانہ یزیل الشک فی کونہ ترک بعض القراٰن اذ لو کان قراٰنا لم یجوز مسلم ان یحرقہ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ وہ جلانا دھونے کے بعد تھا، حالانکہ اس وقت چھاپہ نہیں تھا اور سیاہی دھونے سے اتر جاتی تھی، تو صاف شدہ اوراق اور وہ بھی ضرورتِ شرعیہ شدیدہ کے ماتحت جلائے گئے حالانکہ آجکل وہ ضرورت ذرا بھر نہیں بلکہ اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا اور پھر جلائے وہ اوراق جن پہ باقاعدہ قراٰنِ کریم غیر منسوخ بلا تفسیر لکھا ہوا تھا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ وحدہ لا شریک لہ، عینی شرح بخاری ج ۹ ص ۳۰۶، فتح الباری ج ۹ ص ۱۷ میں ہے والنظم من الفتح وقد جزم عیاض بانہم غسلوھا بالماء ثم احرقوھا مبالغۃ فی اذھابہا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا الحبیب الاعظم الاکرم وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۷ محرم ۱۳۸۹ھ

15/4/69





الاستفتاء

بخدمت جناب محترم مقام حضرت قبلہ شیخ الحدیث وفقیہ الاعظم و
مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

جناب عالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے بعد عرض ہے کہ آپ کے دار العلوم میں جملہ مدرسین کو یوم تعطیلات ماہ رمضان المبارک وغیرہ کی تنخواہیں دی جاتی ہیں یا نہیں ؟

۱۔ ازروئے شریعت مدرسین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایام تعطیلات کی تنخواہیں لے سکتے ہیں یا نہیں ؟

۲۔ جو مدرسین یوم تعطیلات کے دوران کسی خاص وجہ سے مدرسہ میں حاضر نہیں ہوتے یا حاضر ہونے سے قاصر ہیں کیا ان کا بھی حق تنخواہ لینے کا ہوتا ہے یا نہیں ؟

۳۔ امسال دار العلوم رضویہ حنفیہ غلہ منڈی عارف والہ کے ناظم اعلیٰ سید مراتب علی شاہ نے مدرسین کو یوم تعطیلات کی تنخواہیں نہیں دیں جس کی وجہ سے ہم آپ کے دار العلوم کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ آپ کے دار العلوم میں کیا قوانین نافذ ہیں ؟ فقط والسلام۔

از طرف: سید نور حسین شاہ

۱۶۴۹





بخدمت سید نور حسین شاہ صاحب مدظلہم العالی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور میں جملہ مدرسین کرام کی خدمت میں ماہ رمضان المبارک وغیرہ ایام تعطیلات کے مشاہرات باقاعدہ پیش کئے جاتے ہیں اور شرعاً مدرسین کرام کے لئے یہ جائز ہے اور ہمارے مدارس کے علاوہ سرکاری مدارس میں بھی مشاہرات اسی طرح دئے جاتے ہیں اور یہ مدرسین کا حق عرفاً مانا ہوا ہے حالانکہ شرعاً المعروف کالمشروط ہے، الاشباہ والنظائر ص ۱۲۰ میں ہے وفی البزازیۃ المشروط عرفا کالمشروط شرعا اور متعدد صفحات میں ہے المعروف کالمشروط شامی ج ۴ ص ۲۶۲ میں ہے والاحکام تبتنی علی العرف فیعتبر فی کل اقلیم وفی کل عصر عرف اھلہ اور اسی طرح شامی ج ۴ ص ۲۶۳ میں اور بحر الرائق ج ۶ ص ۱۳۶ میں بھی کافی حکم ہے بلکہ قرآن کریم میں ہے وأمر بالعرف لہٰذا شامی ج ۴ ص ۴۹۰ میں فرمایا: قال العلامۃ العینی والبناء علی العادۃ الظاھرۃ واجب، الاشباہ والنظائر ص ۱۱۶ میں ہے القاعدۃ السادسۃ العادۃ محکمۃ واصلھا قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن، پھر اسی قاعدہ کے مسائل ہیں ہمارے اس مسئلہ تعطیلات کے متعلق بھی تصریح ہے، ص ۱۱۸ میں ہے ومنھا البطالۃ





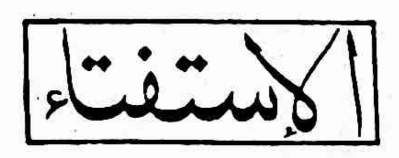
فی المدارس کایام الاعیاد و یوم عاشوراء وشہر رمضان فی درس الفقہ (الی ان قال) فینبغی ان یکون کذلک فی المدارس لان یوم البطالۃ للاستراحۃ الخ نیز ص ۱۲۳ میں ہے مسئلۃ البطالۃ فی المدارس فاذا استمر عرف بہا فی اشہر مخصوصۃ حمل علیہا ما وقف بعدہا اور یونہی شامی ج ۳ ص ۵۲۵ میں ہے، نیز شامی کے اسی صفحہ میں ہے نحیث کانت البطالۃ معروفۃ فی یوم الثلاثاء والجمعۃ وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ اور جب حق جائز ہے تو ایام تعطیلات میں حاضری ضروری نہیں کیونکہ حاضری شرط ہو تو تعطیلات کا معنیٰ ہی ثابت نہیں ہوتا، بہرحال ایام تعطیلات کے مشاہرات مدرسین کا الیاحق ہے کہ اس کا ادا کرنا منتظمین مدارس پر از روئے احکام قرآن و احادیث شریفہ وتصریحات فقہائے کرام لازم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۱۶ ۴/۹۹





کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ تین شخصوں نے حرام چربی عیسائی سے نکلوا کر اور پگھلوا کر ٹین میں بند کر کے خریدار کو حرام بتا کر فروخت کر دی ہے، گاؤں کے لوگوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے

اس کے ساتھ بائیکاٹ کر دیا ہے، یہ مجرم اپنے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اور سچے دل سے توبہ کرتے ہیں، آپ فرماویں کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے، بعض لوگ کہتے ہیں ہم ان پر کفر کا فتویٰ لگا کر اسلام سے علیحدہ کر دیں گے، از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: خوشی محمد قوم موچی موضع چک ننا ڈاکخانہ بڑا گھر
تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ (نشان انگوٹھا)





بلاشک وشبہ وریب ان کا یہ فعل شرعاً ناجائز اور گناہ ہے مگر چونکہ وہ حرام کو حرام جانتے اور کہتے ہیں تو یہ کفر قطعاً نہیں بن سکتا عند اهل السنة والجماعة كما نص عليه في كتب الكلام والفقه بل لاكل الكتاب والسنة اور یونہی گاؤں والوں کا بائیکاٹ بھی اس حرام کاری کے وقت صحیح تھا مگر جب سچے دل سے توبہ کرتے ہیں تو ان کی توبہ پر اعتبار کرتے ہوئے میل جول شروع کر دیں، قرآن کریم میں ہے ان الله يغفر الذنوب جميعا (سورة الزمر) حدیث شریف میں ہے التائب من الذنب كمن لاذنب له (مشكوة شريف ص۲۰۶) بلکہ اگر بالفرض کافر ہو بھی جاتے جب بھی یہی حکم ہے، کافر کی توبہ بھی غرغرہ موت سے قبل مقبول ہے، قرآن کریم میں ہے فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكوة فاخوانكم في الدين (سورة التوبه) قل للذين كفروا ان ينتهوا يغفر لهم



مانند سلف (سورۃ الانفال) لہذا گاؤں والوں کا فرض ہے کہ ان کو اپنا دینی بھائی تصور کرتے ہوئے بائیکاٹ ترک کر دیں اور کفر کے فتوے نہ لگائیں اور اسلام سے علیحدہ نہ کریں کہ خود گنہگار و ظالم نہ کہلائے جائیں، قرآنِ کریم میں ہے بئس الاسم الفسوق بعد الایمان (سورۃ الحجرات)
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۸ محرم الحرام ۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ گدھے کو گھوڑی کے ساتھ جفت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: ابوالاخلاص مولوی اللہ بخش صاحب
متعلم دار العلوم حنفیہ فریدیہ، فرید پور جاگیر



جائز ہے چنانچہ قدوری، کنز الدقائق، ہدایہ، تکملہ بحر الرائق، تنویر الابصار

میں تحریرًا اور درالمختار و ردالمحتار میں تقریرًا ہے۔ النظم للامام القدوری
ولا بأس بخصاء البهائم وانزاء الحمير على الخيل۔
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۵ شعبان المکرم ۱۳۶۳ھ

الاستفتاء



بخدمت فیض درجت حضور حضرت قبلہ مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی
ادام اللہ برکاتکم علینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔ ایک شرعی مسئلہ آپ سے دریافت کر رہا ہوں، برائے عنایت اس کے متعلق فقہائے کرام کا فیصلہ صادر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں، سوال یہ ہے:۔

گائے، بھینس، بکری، بھیڑ کا وہ دودھ جو بچہ پیدا ہونے کے بعد دو تین دن نکلتا رہتا ہے اور گاڑھا ہوتا ہے اور اس کا رنگ بھی دودھ جیسا سفید نہیں ہوتا، اس کا کھانا آیا جائز ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ چونکہ یہاں متنازعہ صورت اختیار کر چکا ہے، ایک دیوبندی (وہابی) مولوی نے فتویٰ دیا ہے کہ اس کا کھانا جائز ہے، برائے عنایت مدلل تحریر عنایت فرمائیں کہ فقہائے کرام کا اس بابت کیا فیصلہ ہے؟

یہ جوابی لفافہ پیشِ خدمت ہے، اس میں جواب روانہ فرمائیں، والسلام
خادم: عبدالرحیم سکندری خطیب غوثیہ مسجد، شاہ پور چاکر
ضلع سانگھڑ سندھ ۲ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ





وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔ بلاشک وشبہہ دریب شرعاً حلال ہے اس کا کھانا پینا جائز ہے اور کسی دیوبندی کے اس فتویٰ دینے سے کہ کھانا جائز ہے، یہ حکم نہیں بدلتا کہ ناجائز ہو جائے جیسے کہ دیوبندی پانی پینا جائز کہے تو ناجائز نہیں ہو جاتا اور شاید آپ کی تحریر میں "نا" رہ گیا ہے، یعنی صحیح یہ ہے کہ فتویٰ دیا ہے کہ اس کا کھانا ناجائز ہے تو آپ اس سے دلیل طلب فرماتے تو واضح ہو جاتا کہ غلط کہتا ہے کیونکہ قرآنِ کریم کی کئی آیتوں سے ثابت کہ جائز ہے، دیکھئے سورۃ النحل شریف کی آیت ۶۶ میں ہے نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین اور سورۃ المؤمنون ۲۱ میں ہے نسقیکم مما فی بطونہا نیز سورۃ النحل کی آیت ۵ میں ہے لکم فیہا دفء ومنافع ان "منافع" اور "مما فی بطونہا" اور "مما فی بطونہ" اور لبنا میں یہ دودھ بھی یقیناً داخل ہے، رنگت کا قدرے فرق ناجائز نہیں بناتا جیسے کہ گائے کا دودھ بھی کبھی پورا سفید نہیں ہوتا اور نہ ہی قرآن کریم نے سفید ہونے کو شرط بنایا ہے۔

مسند امام احمد بن حنبل ج ۳ ص ۴۴۱ اور سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۰۷ میں ہے



کہ حضرت صفوان بن امیہ نے کلدہ بن حنبل (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو اس قسم کا دودھ (جس کو عربی میں لبأ کہا جاتا ہے) دیکر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا بطور تحفہ و اللفظ للترمذی ان کلدۃ بن حنبل اخبرہ ان صفوان بن امیۃ بعثہ بلبن و لبأ و ضغابیس الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اگر یہ ناجائز ہوتا تو وہ دو صحابی حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں کیوں پیش کرتے، نیز مسند امام احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳۰۷ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کو تناول فرمایا و لفظہ و ان ابا بکر اکل لبأ ثم صلی لم یتوضأ، نہایہ ابن اثیر ج ۴ ص ۴۶ اور الدر النثیر ج ۴ ص ۴۶ اور مجمع البحار ج ۴ ص ۱۴۲ میں ہے ھو اول ما یحلب عند الولادۃ، لسان العرب ج ۱ ص ۱۵۰ میں ہے اول الالبان اللبأ عند الولادۃ و اکثر ما یکون ثلاث حلبات اور یونہی تاج العروس شرح القاموس ج ۱ ص ۱۱۴ میں ہے، تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ یہ دودھ ہی ہے اور جائز و حلال ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ علی حبیبہ الاعظم و اٰلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۸ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ

۲۱/۱/۷۵





الاستفتاء

از دفتر مدرسہ عربیہ نور المدارس رجسٹرڈ منڈی بنیان ضلع بہاولپور

گرامی قدر حضرت قبلہ علامہ ابوالخیر فقیہ عصر مفتی اعظم محقق اہلسنت

دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :۔ خلاصہ احوال آنکہ علماء شریعت اس مسئلے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام، اعوذ، تسمیہ اور قرآنی آیات مواظبت سے پڑھنا جائز اور موجبِ ثواب ہے کہ نہیں؟ نہایت تحقیق سے جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

نیز سوال کی دوسری جزء یہ ہے کہ جو تہائی حصہ کمیشن لیکر مساجد یا مدارسِ عربیہ کے لئے چندہ وصول کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل : احمد دین نقشبندی غفرلہ



۱۔ صلوٰۃ وسلام اور آیاتِ قرآنیہ مع اعوذ تسمیہ کا قبل از اذان پڑھنا

یقیناً باعثِ ثواب ہے کہ یہ صلوا علیہ الآیۃ پر عمل ہے اور تلاوتِ قرآن کریم بھی مامور بہا ہے۔ رہا یہ کہ ہر وقت پڑھنا جائز ہے مگر قبل از اذان تخصیص کیوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امرِ مطلق کو مقید بغیر الاذان کرنے والی کونسی دلیل ہے حالانکہ اطلاق بمنزلۃ النص ہے جس کی تخصیص خبرِ واحد سے بھی نہیں ہو سکتی اور یونہی مواظبت سے کونسا حرج ہے جبکہ صحیحین وغیرہما کی احادیث صحیحہ سے ثابت کہ اچھے کام کی مواظبت سے وہ کام احب الی اللہ والی رسولہ بن جاتا ہے۔

مجھے زیادہ فرصت نہیں، ہمارے حضرت مولانا المحقق محمد رمضان صاحب نوری، حویلی لکھا، مہتمم و بانی دار العلوم نعیمیہ قادریہ، ہیر اسلام، حویلی لکھا نے نہایت محققانہ رنگ کا رسالہ درود و سلام قبل الاذان لکھا ہے، وہ قیمتاً منگوا لیں۔ ویسے حیرت ہے کہ ایسے نظریاتی مسائل پر تحقیق کی ضرورت کیوں پیش آئی، کیا ایمانِ مومن یہی ہے؟

۲۔ قرآنِ کریم نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ والعاملین علیہا بھی مالِ زکوٰۃ سے حصہ لے سکتے ہیں تو یہ ضرورت کیوں پیش آئی؟ وہی علتِ وہابیت کہ بزعمِ خود عام کی تخصیص کر لیتے ہیں، پھر سوالات کرنے شروع کر دیتے ہیں تو آپ اس کا رد کریں، کفایت ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ، ورنہ آپ ایسے فروعی مسائل میں الجھ کر اپنے مدارس و مساجد کی تعمیر اور اپنے عشق و محبت کے جذبات کے

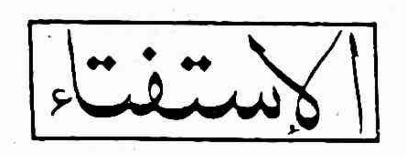
ے اسی موضوع پر مولانا موصوف کا مرتب کردہ مدلل اشتہار انجمن حزب الرحمن بصیر پور نے شائع کیا ہے۔ (مرتب)

ظہار سے رد جائیں گے اور ان کی مراد پوری ہو جائیگی فانا للہ و انا الیہ راجعون ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم ابدا ابدا۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بانی و مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۲۷ رجب المرجب سنہ ۱۴۰۱ھ ۶/۸/۱۱



الاستفتاء

جناب قبلہ الحاج محدث پاکستان فقیہ اعظم شیخ الحدیث والتفسیر مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب دامت برکاتہم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا فرضی ہو یا نفلی جائز ہے یا نہیں؟ باقی تو تمام سواریاں بری وبحری میں جائز ہے اس کے متعلق ارشاد فرمائیں۔ بینوا توجروا

السائلان:

ابوالمظہر محمد انور نوری چک 199/E.B

چوہدری الحاج محمد اکبر خاں صاحب

۱۰۲۰۷۵





ہاں جائز ہے کہ ہوائی جہاز بھی بحری جہاز کی طرح ایک عنصر پر ہوتا ہے، وہ پانی پر ہوتا ہے اور یہ ہوا پر، پانی پر قیام اور سجدہ نہیں ہو سکتا مگر جہاز پر ہو سکتے ہیں تو یونہی ہوا میں قیام اور سجدہ نہیں ہو سکتے مگر ہوائی جہاز میں بھی بآسانی ہو سکتے ہیں اور استقبال قبلہ بھی قطب نما دیکھ کر یا عملہ کے تعاون سے ہو سکتا ہے اور عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں تو ممانعت کیوں؟ حالانکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور قوموا للہ قنتین وغیرہا آیات بھی علی الارض" کی قید سے اطلاق پر ہیں اور سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام بھی آسمان پر نماز ادا فرماتے ہیں تو روز روشن کی طرح روشن ہوا کہ بلاشک وشبہہ وریب جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم الاکرم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

البانی لدار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

۲۷ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ

المطابق ۹ فروری ۱۹۷۵ء



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ قاضی منظور کی بکری گم ہوگئی، اس نے امام مسجد کو کہا کہ مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر اعلان کردو کہ قاضی منظور کی بکری فلاں علامتوں والی گم ہوگئی ہے جس کے پاس ہو برائے نوازش قاضی منظور کے گھر پہنچادے، اس پر امام مسجد نے کہا کہ شرعاً مسجد کے سپیکر میں ایسا اعلان منع ہے کہ آداب مسجد کے خلاف ہے، اس پر چند لوگوں نے احتجاج کرکے مسجد میں ایسے اعلان کرنے کی کمیٹی مسجد سے منظوری لے لی ہے، کیا یہ فیصلہ شرعاً صحیح ہے یا غلط؟ تفصیلاً جواب تحریر فرمایا جائے مہربانی ہوگی۔

السائل: سید اعجاز حسین شاہ ایڈووکیٹ بہاولنگر

۲۲ جون ۱۹۷۶ء





شرعاً مسجد میں ایسے اعلان جائز نہیں، حدیث شریف میں اس سے ممانعت آئی ہے اور حکم ہے کہ ایسا اعلان سنکر دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ یہ چیز واپس نہ کرے۔ مسجد اعلانوں کے لئے نہیں، یہ بے ادبی ہے لہذا کمیٹی کی



منظوری غلط ہے، حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سب سے اعلیٰ ہے
ہاں اس کا ایک ذریعہ ہے کہ سپیکر مسجد سے باہر کسی کمرہ میں رکھا جائے اور
ہارن بھی باہر ہی فٹ ہوں تو اعلان ہو سکتا ہے جیسے کہ یہاں دار العلوم میں سپیکر
اور ہارن باہر ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ بیدہٖ

۱۷ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ

۲۴ ۶/۷۸



الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

۱۔ ہمارے علاقہ جنڈول ضلع دیر میں یہ رواج عام ہے کہ جب کسی عورت
کی شادی ہو تو شادی کے دن ان کے والدین اپنے گاؤں کے
رہنے والوں اور اپنے رشتہ داروں کو کھانا کھلاتے ہیں، اس کھانے
کے تمام اخراجات شوہر (ناکح) سے وصول کئے جاتے ہیں، جب یہ کھانا
پکا ہوا دیا جائے تو لوگ اس کو گوشتی کہتے ہیں اور جب شوہر سے وصول
کریں صرف آٹا، چاول، گھی کی صورت وغیرہ ہو تو اس کو "توانہ" کہتے ہیں،
ضلع مردان کے لوگوں کی اصطلاح میں اس کو "خرچ" کہتے ہیں لہذا بعض



علماء کرام اس گوشتی یا خرچ کو حرام کہتے ہیں اور اس کی حرمت کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ دلائل پیش کرتے ہیں کہ یہ نہ ولیمہ ہے اور نہ خیرات ہے بلکہ محض رواج ہے اور شوہر سے بغیر کسی معاوضہ اور بغیر رضامندی کے وصول کیا جاتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حرمت کے دلائل نہیں بلکہ کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرنے کی خواہش رکھتا ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ ان کے والدین مجھ سے فلاں فلاں چیزیں وصول کریں گے لیکن اس کے باوجود نکاح کا مطالبہ کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اس پر راضی ہے اسی طرح شوہر بھی اپنے گھر پر شادی کے دن گاؤں کے دینے والوں اور اپنے رشتہ داروں کو کھانا کھلاتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ کھانا بھی شوہر کی رضامندی کے بغیر کھایا جاتا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص یہ کھانا نہ کھلاتے ہیں تو لوگ اس کے ساتھ قطع تعلق کر لیتے ہیں، اس کے غم یا شادی میں شمولیت نہیں کرتے اور اس کو برا کہتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں تو شادی کرنے والا مجبوراً بغیر رضامندی کے لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے، اگر گوشتی یا خرچ اس بنا پر حرام ہو جائے کہ یہ شوہر سے بغیر رضامندی کے وصول ہوا ہے تو شوہر کے گھر پر جو کھانا کھلایا جاتا ہے تو وہ بھی بغیر رضامندی اور بغیر معاوضہ کے کھایا جاتا ہے لیکن یہ علماء کرام گوشتی کو حرام سمجھتے ہیں باوجودیکہ دونوں کھانے بغیر رضامندی کے کھائے جاتے ہیں حالانکہ یہ ولیمہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ولیمہ نکاح کے بعد ہوتا ہے اور اس علاقہ میں یہ رواج ہے وہ نکاح سے پہلے کھلایا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ ولیمہ نہیں رہتا۔



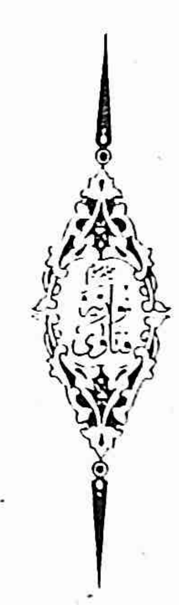
نوٹ: یہ واضح ہے کہ یہ رسم و رواج خلافِ سنت ہے
لیکن بحث اور تنازعہ گوشتی یا خرچ کی حرمت اور عدمِ حرمت پر ہے اس لئے
ہم یہ مسئلہ اہل العلم حضرات کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ ہماری تسلی اور فیصلہ
ہو جائے۔

سوال ۱: حرام کسے کہتے ہیں؟ حرام کی تعریف میں گوشتی شامل ہے یا نہیں؟

سوال ۲: کسی ملک کا رسم و رواج جب تک قرآن و سنت کا صراحۃً
مخالف نہیں ہو تو اس پر حرام کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے
تو کس طرح؟

برائے کرم گوشتی کی حرمت یا عدمِ حرمت کو دلائل عقلی و نقلی سے باحوالہ کتب
سے واضح کیجئے۔

سائل: حکیم سید قمر صاحب سکنہ کنڈر براستہ گڈھی کپورہ
ضلع و تحصیل مردان (سرحد)





(۱) حرام وہ ہے جس کا کرنا دلیلِ قطعی سے ممنوع ہو، شامی ج ۵ ص ۲۹۵
میں ہے فما المنع عن الفعل بدلیل قطعی حرام حالانکہ کسی
دلیلِ قطعی سے گوشتی کی ممانعت ثابت نہیں تو وہ حرام کی تعریف میں

شامل نہیں اور عرف و رواج کا شرعاً بڑا اعتبار ہے قرآن کریم میں ہے
وأمر بالعرف اور شامی میں ہے ج ۳ ص ۱۲۴ وفی بحث التخصیص
من التحریر مسئلۃ العادۃ سے ہے ان الثابت بالعرف
کالثابت بالنص۔

بہرحال گوشتی کا جب عرف عام ہے تو حرام کیوں کہا جائے
حالانکہ حدیث موقوف حسن میں ہے ما رآہ المسلمون حسنا فھو
عند اللہ حسن، شامی ج ۳ ص ۵۱۸ میں فرماتے ہیں رواہ احمد فی کتاب
السنۃ (الی ان قال) وھو موقوف حسن، پھر اعمال کی مدار نیت
پر ہے انما الاعمال بالنیات کی بنا پر تو بلا وجہ بیچارے ناداروں کے
افعال کو حرام کیوں بنایا جائے اور رشوت کہا جائے حالانکہ حدیث پاک
میں بدگمانی سے منع فرمایا گیا ہے اکذب الحدیث الظن آیا ہے اور
قرآن کریم میں ان بعض الظن اثم، ان علماء کو سورۃ النحل کی آیت لا تقولوا لما تصف
السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام دیکھنی چاہئے اور ایسے اجتہادات سے
بچنا چاہئے اور اس مختصر تحریر سے سوال دوم کا جواب بھی واضح ہو گیا، اس مسئلہ پر
صدہا دلائل لکھے جاسکتے ہیں مگر میں بعض شدید مصائب و آلام کے اژدہام سے
مجبور ہوں لہٰذا اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔



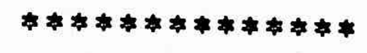
تنبیہ : شامی ج ۲ ص ۳۶۲ میں ہے وحمل احوال المسلمین
علی الصلاح واجب اور سورۂ نور کی وہ نورانی آیت جس میں ان تاکلوا من
بیوتکم الآیۃ ہے جس میں او بیوت اخوانکم بھی ہے اور اسی میں جمیعا او
اشتاتا بھی ہے۔ محرر المذہب الحنفی حضرت امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں وبہ

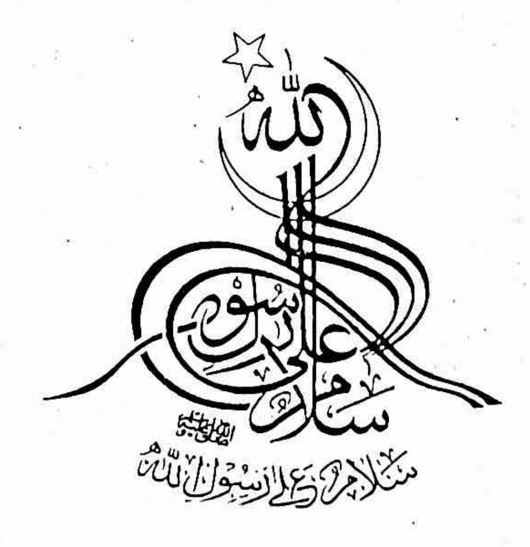


تأخذ ما لم نعرف شیئًا حرامًا بعینہ، فتاویٰ عالمگیری ج۳ص ۱۰۵۔ تمام اہلِ اسلام کو کھانا مفت کھلانا خیرات نہیں تو کیا ہے؟ حیف صد حیف!

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم ابدًا ابدًا۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ بانی ومہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ
بصیر پور شریف ضلع ساہیوال، بقلم خود
۲ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ
$\frac{2}{80}$ ۱۹






فهرست
آیات کریمه

آیات کریمہ

فہرست آیاتِ مبارکہ



نمبر شمار	آیات مبارکہ	سورۃ	آیۃ	صفحہ
۱۲	اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔	البقرۃ	۲۲۹	۳۶۳، ۳۳۵
۱۳	فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔	"	۲۲۹	۳۳۷، ۲۷۷، ۲۶۳، ۳۱۱، ۱۳۸
۱۴	فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ	"	۲۳۰	۱۳۳، ۱۸۴، ۱۸۹، ۲۴۴، ۲۶۸، ۲۷۷، ۲۸۷، ۲۸۹، ۲۹۲، ۲۸۲، ۳۰۲، ۳۰۵، ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۱۹، ۲۸۱
۱۵	فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔	"	۲۳۰	۲۹۹
۱۶	حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔	"	۲۳۰	۲۸۴
۱۷	وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ	"	۲۳۲	۲۷۹، ۳۷۳
۱۸	فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ۔	"	۲۳۲	۲۱۸
۱۹	اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔	"	۲۳۷	۳۲۴
۲۰	اَلَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔	"	۲۳۷	۹۴، ۱۶۴، ۳۷۴
۲۱	قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔	"	۲۳۸	۶۲۸
۲۲	وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ۔	"	۲۷۲	۶۰۲
۲۳	اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ۔	"	۲۷۵	۴۸۴
۲۴	وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (الی ان قال جل وعلا) مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ۔	"	۲۸۲	۵۱۹
۲۵	وَلَا تَسْئَمُوْا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا۔	"	۲۸۲	۵۴۲
۲۶	لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔	"	۲۸۶	۵۸۷



نمبر شمار	آیات مبارکہ	سورۃ	آیۃ	صفحہ
۲۷	تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۔	آل عمران	۲۷	۴۰۸
۲۸	كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الآية	آل عمران	۱۱۰	۳۹۹
۲۹	وَاَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ۔	النساء	۲۳	۲۴۲
۳۰	وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ۔	"	۲۴	۹۳، ۱۷۱ ۳۲۴، ۵۱۴
۳۱	وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ۔	"	۲۴	۳۱۸
۳۲	اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ ۔	"	۲۹	۴۸۴، ۴۸۵ ۴۸۶
۳۳	اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۔	"	۳۴	۱۹۴ ۱۹۶
۳۴	وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۔	"	۱۲۸	۲۶۱
۳۵	وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ الآية	"	۱۲۹	۱۹۶
۳۶	فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۔	"	۱۲۹	۲۲۰
۳۷	وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۔	المائدۃ	۲	۴۸۹ ۵۶۷
۳۸	حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ ۔	"	۳	۵۶۳
۳۹	وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ	"	۳	۳۹۴
۴۰	عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۔	"	۱۰۱	۵۰۰
۴۱	فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۔	الانعام	۱۱۹	۴۰۵



نمبر شمار	آیات مبارکہ	سورۃ	آیۃ	صفحہ
	فاولئک عند اللہ ہم الکذبون۔	″	۱۳	۳۳۰
۶۷	ان تاکلوا من بیوتکم الآیۃ	″	۶۱	۶۳۳
۶۸	و بیوت اخوانکم۔	″	۶۱	۶۳۳
۶۹	لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا۔	″	۶۱	۶۰۳
۷۰	جمیعا او اشتاتا۔	النور	۶۱	۶۳۳
۷۱	وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا۔	الاحزاب	۳۶	۲۷۷
۷۲	ثم طلقتموہن من قبل ان تمسوہن فما لکم علیہن من عدۃ۔	″	۴۹	۳۵۲ ۳۶۷ ۳۶۹
۷۳	صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔	″	۵۶	۶۰۵ ۶۲۶
۷۴	وسلموا تسلیما۔	″	۵۶	۵۹۸
۷۵	ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لہم عذابا مہینا۔	″	۵۷	۴۳۷
۷۶	والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا واثما مبینا۔	″	۵۸	۵۲۱
۷۷	ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔	الزمر	۵۳	۶۲۰
۷۸	بئس الاسم الفسوق بعد الایمان۔	الحجرات	۱۱	۶۲۱





نمبر شمار	آیات مبارکہ	سورۃ	آیت	صفحہ
۷۹	إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ۔	"	۱۲	۶۳۳
۸۰	وَالَّٰئِي لَمْ يَحِضْنَ۔	الطلاق	۴	۹۴
۸۱	وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔	"	۴	۲۰۶
	۳۶۸ ، ۱۴۹ ، ۳۵۶ ، ۱۵۰ ، ۳۶۴ ،			۳۶۶
۸۲	نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ۔	القلم	۱	۵۴۰
۸۳	وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ۔	المعارج	۲۴	۵۹۵
۸۴	وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا۔	المزمل	۲۰	۸۶
۸۵	مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ۔	الانفطار	۶	۵۴۰
۸۶	اَلَّذِي خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ۔	"	۷	۵۴۰
۸۷	اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ۔	العلق	۳	۵۳۸
۸۸	اَلَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔	"	۴	۵۳۸
۸۹	عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔	"	۵	۵۳۸




فہرست
احادیثِ مبارکہ

فہرستِ احادیثِ مبارکہ



نمبر شمار	احادیث مبارکہ	صفحہ
۱۲	قال ابی بن کعب ان من الامانۃ ان تؤمن المرأۃ علی ما فی رحمہا	۲۷۱
۱۳	عن ابن عباس انہ اجاز الطلاق الثلاث !	۲۶۸ ۲۷۵
۱۴	عن علی اذا طلق الرجل امرأتہ ثلاثا فی مجلس واحد فقد بانت منہ	۲۷۵
۱۵	عن ابن عمر قال رجل طلقت امرأتی ثلاثا وھی حائض فقال عصیت ربک و فارقت امرأتک ۔	۲۷۶
۱۶	عن عبد اللہ قال فی الرجل یطلق البکر ثلاثا انہا لاتحل حتی تنکح زوجا غیرہ	۲۶۸ ۲۷۶
۱۷	کان ابن عمر اذا سئل عمن طلق ثلاثا...... قال حرمت حتی تنکح زوجا غیرک ۔	۲۶۸ ۲۷۶
۱۸	ان رجلا سأل ابن عباس و اباھریرۃ و ابن عمر عن طلاق البکر ثلثا.......... فکلھم قالوا حرمت علیک ۔	۲۶۸ ۲۷۶
۱۹	سأل رجل المغیرۃ بن شعبۃ و انا شاھد عن رجل طلق امرأتہ مائۃ قال ثلاث تحرم	۲۷۶
۲۰	عن انس قال لاتحل حتی تنکح زوجا غیرہ ۔	۲۷۶
۲۱	قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اباکم لم یتق اللہ..... بانت منہ بثلاث ۔	۲۷۶
۲۲	تاخذ ثلاثا وتدع تسعمائۃ وسبعۃ و تسعین	۲۷۸









جلد دوم
فتاوی نوریہ





فتاوٰی رضویہ
جلد





جلد دوم
نوریہ
فتاویٰ






ماخذ و مراجع

ماخذ و مراجع

فتاوٰی نوریہ جلد سوم

نمبر شمار	کتاب	مطبع/سن طباعت	مصنف	سن وصال
۱	قرآن مجید			

کتبِ تفسیر

نمبر شمار	کتاب	مطبع/سن طباعت	مصنف	سن وصال
۲	احکام القرآن	بہیہ مصر ۱۳۴۸ھ	ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص	۳۷۰ھ
۳	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)	عامرہ شرقیہ مصر	امام فخر الدین محمد بن عمر رازی	۶۰۶ھ
۴	الجامع لاحکام القرآن	دار الکتب المصریہ ۱۳۸۷ھ	ابو عبد اللہ محمد بن احمد اندلسی قرطبی	۶۷۱ھ
۵	انوار التنزیل	نولکشور لکھنؤ ۱۲۸۲ھ	ابو سعید عبد اللہ بن عمر شافعی بیضاوی۔	۶۸۵ھ ۶۹۲
۶	مدارک التنزیل	احیاء الکتب العربیہ مصر، ۱۳۴۴ھ	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی	۷۱۰ھ
۷	غرائب القرآن	کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۲۳ھ	حسن بن محمد قمی نیشاپوری	۷۲۸ھ
۸	لباب التاویل	تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۷ھ	علی بن محمد بغدادی صوفی خازن	۷۴۱ھ
۹	البحر المحیط	النصر الحدیثیہ ریاض	ابو حیان اثیر الدین محمد بن یوسف اندلسی	۷۴۵ھ
۱۰	تفسیر ابن کثیر	عیسی البابی الحلبی مصر ۱۳۲۱ھ	ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیر	۷۷۴ھ
۱۱	الدر المنثور	میمنہ مصر ۱۳۱۴ھ	علامہ عبد الرحمن بن ابوبکر جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ



نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن طباعت	مصنف	سن وصال
۱۲	ارشاد العقل	حسینیہ عامرہ شرقیہ مصر	ابو سعود محمد بن محمد عمادی حنفی	۹۸۲ھ
۱۳	التفسیر المظہری	فاروقی دھلی	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ
۱۴	فتح القدیر	مصطفےٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۵۴ھ	محمد بن علی شوکانی	۱۲۵۰ھ
۱۵	ترجمۃ القرآن		شاہ رفیع الدین دھلوی	۱۲۳۴ھ
۱۶	فتح البیان	عاصمہ شارع الفلکی قاہرہ ۱۹۶۵ء	محمد بن علی صدیق حسن خاں بھوپالی	۱۳۰۷ھ
۱۷	کنز الایمان	اہلسنت برقی پریس مراد آباد	مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ
۱۸	خزائن العرفان	"	سید محمد نعیم الدین مرادآبادی	۱۳۶۷ھ

کتبِ حدیث

نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن طباعت	مصنف	سن وصال
۱۹	مسندِ امامِ اعظم	اصح المطابع لکھنؤ ۱۳۰۹ھ	امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰ھ
۲۰	مؤطا امامِ مالک	رحیمیہ دھلی	ابو عبد اللہ مالک بن انس اصبحی	۱۷۹ھ
۲۱	کتاب الآثار	الاستقامہ ۱۳۵۵ھ	محررِ مذہبِ احناف امام محمد بن حسن شیبانی۔	۱۸۹ھ
۲۲	مسند امام احمد بن حنبل	دار الصادر بیروت	ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۲۳	سننِ دارمی	الطباعۃ الفنیۃ بالمدینۃ المنورہ ۱۳۸۶ھ	ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی۔	۲۵۵ھ

نمبر شمار	کتاب	مطبع/سن طباعت	مصنف	سن وفات
۲۴	صحیح بخاری	اصح المطابع دہلی، ۱۳۵۶ھ	ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری	۲۵۶ھ
۲۵	الادب المفرد	قاہرہ ۱۳۷۹ھ	امیر المؤمنین فی الحدیث بخاری	۲۵۶ھ
۲۶	صحیح مسلم	اصح المطابع دہلی ۱۳۴۹ھ	ابوالحسن مسلم بن الحجاج قشیری	۲۶۱ھ
۲۷	سنن ابوداؤد	مجیدی کانپور ۱۳۴۱ھ	ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ
۲۸	سنن ابن ماجہ	اصح المطابع کراچی ۱۳۷۲ھ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ ۲۷۵
۲۹	جامع ترمذی	مجیدی کانپور، علیمی دہلی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ
۳۰	سنن نسائی	مجتبائی ۱۳۵۰ھ	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب خراسانی۔	۳۰۳ھ
۳۱	شرح معانی الآثار	اصح المطابع ۱۳۹۰ھ و رحیمیہ دیوبند	ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی	۳۲۱ھ
۳۲	سنن دارقطنی	فاروقی دہلی ۱۳۱۰ھ	علی بن عمر بن احمد بغدادی دارقطنی	۳۸۵ھ
۳۳	المستدرک	دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۳۴ھ	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم	۴۰۵ھ
۳۴	تلخیص المستدرک	دائرۃ المعارف	ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی	۸۴۸ھ
۳۵	سنن بیہقی	″ ″ ۱۳۴۴ھ	ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی	۴۵۸ھ
۳۶	جامع المسانید	″ ″ ۱۳۳۲ھ	محمد بن محمود خوارزمی (مؤلف)	۶۶۵ھ
۳۷	مشکوٰۃ المصابیح	اصح المطابع	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب	۷۴۰ھ
۳۸	کشف الغمہ	مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۳۷۰ھ	شیخ ابوالمواہب عبدالوہاب	۹۷۳ھ
۳۹	کنز العمال	دائرۃ المعارف ۱۳۱۴ھ	علاؤالدین علی متقی ہندی	۹۷۵ھ



نمبر شمار	کتاب	مطبع سن طباعت	مصنف	سن وفات

کتب شروح حدیث

نمبر شمار	کتاب	مطبع سن طباعت	مصنف	سن وفات
۴۰	المنہاج (شرح مسلم)	اصح المطابع ۱۳۴۹ھ	ابوزکریا یحییٰ بن اشرف نووی شافعی۔	۶۷۶ھ
۴۱	نصب الرایہ	مجلس علمی ۱۳۵۸ھ	جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی۔	۷۶۲ھ
۴۲	الکوکب الدراری	بہیہ مصر ۱۳۵۴ھ	شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی۔	۷۸۶ھ
۴۳	فتح الباری	بہیہ مصر ۱۳۵۸ھ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی۔	۸۵۲ھ
۴۴	عمدۃ القاری	دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۳۰۸ھ۔	ابو محمد بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی۔	۸۵۵ھ
۴۵	تیسیر القاری	علوی لکھنؤ ۱۲۹۸ھ	شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق اکبرآبادی۔	۱۰۷۳ھ
۴۶	مرقاۃ	امدادیہ ملتان ۱۳۷۸ھ	ملا علی بن سلطان محمد قاری	۱۰۱۴ھ
۴۷	اشعۃ اللمعات	نولکشور لکھنؤ ۱۳۵۴ھ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۴۸	شرح سفر السعادۃ	" " ۱۸۸۵ھ	" " "	"
۴۹	مسوّیٰ	رحیمیہ دھلی	شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم محدث دھلوی	۱۱۷۹ھ

نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن اشاعت	مصنف	سن وصال
۵۰	مصفّٰی	رحیمیہ دھلی	شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم محدث دہلوی۔	۱۱۷۹ھ
۵۱	فیض الباری	مجلس علمی ڈابھیل سورت الہند ۱۳۵۷ھ	مولانا محمد انور شاہ کشمیری	۱۳۵۲ھ
۵۲	عون المعبود	دار الکتب العربیہ بیروت	محمد اشرف بن امیر صدیقی عظیم آبادی۔	
۵۳	مظاہر حق	منشی نول کشور ۱۹۲۳ء	مولوی قطب الدین شاہجہان آبادی	

کتب احادیث موضوعہ

نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن اشاعت	مصنف	سن وصال
۵۴	موضوعات ابن جوزی	مکتبہ سلفیہ ۱۳۸۶ھ	علامہ عبد الرحمٰن بن علی جوزی	۵۹۷ھ
۵۵	اللآلی المصنوعہ	حسینیہ مصر ازہر	امام جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی	۹۱۱ھ
۵۶	تذکرۃ الموضوعات	الطباعۃ النیریہ ۱۳۴۳ھ	شیخ محمد طاہر بن علی ہندی الفتنی۔	۹۸۶ھ
۵۷	الفوائد المجموعہ	السنۃ المحمدیہ مصر ۱۳۸۰ھ	محمد بن علی شوکانی	۱۲۵۰ھ

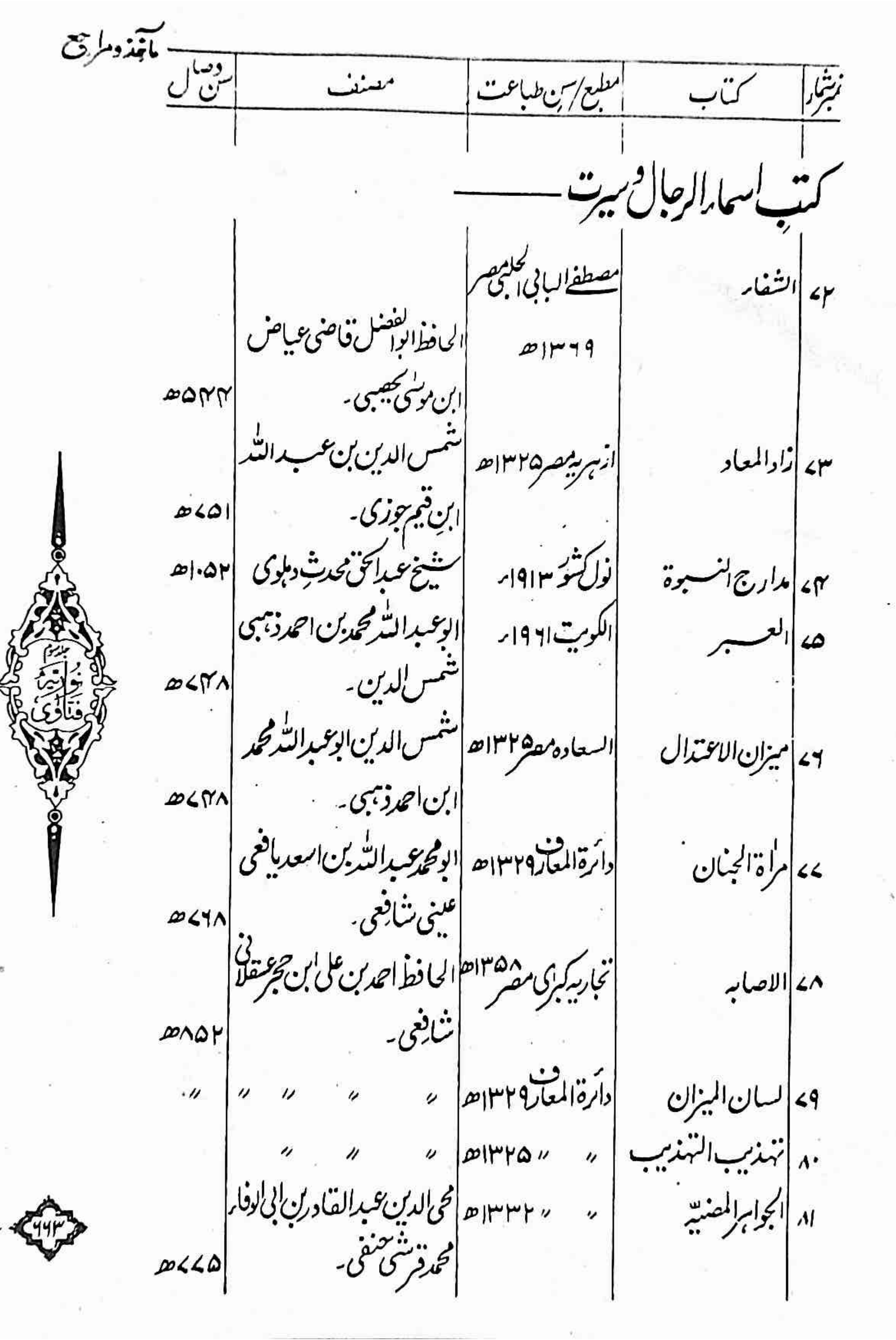
کتب لغات ومشکل الحدیث

نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن اشاعت	مصنف	سن وصال
۵۸	صحاح	دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۷۷ھ	ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری فارابی۔	۳۹۳ھ
۵۹	فقہ اللغہ	مصطفٰے البابی الحلبی مصر ۱۳۵۷ھ	ابو منصور عبد الملک بن محمد ثعالبی	۴۲۹ھ ۴۳۰

نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن طباعت	مصنف	سن وصال
٦٠	النہایہ	خیریہ مصر ١٣٠٦ھ	مجد الدین مبارک بن محمد جزری ابن اثیر۔	٦٠٦ھ
٦١	المغرب	دائرۃ المعارف ١٣٢٨ھ	ابو الفتح ناصر بن عبد السید بن علی مطرزی حنفی۔	٦١٦ھ
٦٢	صراح	احمدی کانپور ١٣١٠ھ	ابو الفضل محمد بن عمر جمال قرشی	٦٨١ھ تکمیل کتاب
٦٣	لسان العرب	دار صادر بیروت ١٣٧٥ھ	جمال الدین محمد بن مکرم مصری	٧١١ھ
٦٤	قاموس	〃 〃 ١٣٨٦ھ	مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی۔	٨١١ھ
٦٥	منتہی الارب	اسلامیہ لاہور ١٣٢٤ھ	شیخ عبد الرحمٰن بن عبد السلام صفوری۔	٨٨٤ھ
٦٦	الدر النثیر	خیریہ مصر ١٣٠٦ھ	علامہ جلال الدین سیوطی صدیقی	٩١١ھ
٦٧	مجمع البحار	کشوری ١٣١٤ھ	محمد طاہر بن علی الفتنی ہندی	٩٨٦ھ
٦٨	منتخب اللغات	مجیدی کانپور ١٣٤٧ھ	عبد الرشید بن مصطفی جونپوری	١٠٨٣ھ
٦٩	غیاث اللغات	〃 〃 〃	محمد غیاث الدین بن جلال الدین مصطفےٰ آبادی۔	تکمیل ١٢٤٢ھ
٧٠	تاج العروس	دار صادر بیروت ١٣٨٦ھ	محب الدین محمد بن سید مرتضیٰ زبیدی۔	١٢٠٥ھ
٧١	منجد	الکاثولیکیہ بیروت ١٩٢٧ء	لوئیس معلوف یسوعی۔	







کتب اسماء الرجال و سیرت

نمبر شمار	کتاب	مطبع/سن طباعت	مصنف	سن وصال
۷۲	الشفاء	مصطفےٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۶۹ھ	الحافظ ابو الفضل قاضی عیاض ابن موسیٰ یحصبی۔	۵۴۴ھ
۷۳	زاد المعاد	ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ	شمس الدین بن عبد اللہ ابنِ قیم جوزی۔	۷۵۱ھ
۷۴	مدارج النبوۃ	نول کشور ۱۹۱۳ء	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۷۵	العبر	الکویت ۱۹۶۱ء	ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی شمس الدین۔	۷۴۸ھ
۷۶	میزان الاعتدال	السعادہ مصر ۱۳۲۵ھ	شمس الدین ابو عبد اللہ محمد ابن احمد ذہبی۔	۷۴۸ھ
۷۷	مرآۃ الجنان	دائرۃ المعارف ۱۳۲۹ھ	ابو محمد عبد اللہ بن اسعد یافعی عینی شافعی۔	۷۶۸ھ
۷۸	الاصابہ	تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۸ھ	الحافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی۔	۸۵۲ھ
۷۹	لسان المیزان	دائرۃ المعارف ۱۳۲۹ھ	" " " " "	"
۸۰	تہذیب التہذیب	" " ۱۳۲۵ھ	" " "	
۸۱	الجواہر المضیۃ	" " ۱۳۳۲ھ	محی الدین عبد القادر بن ابی الوفاء محمد قرشی حنفی۔	۷۷۵ھ

نمبر شمار	کتاب	مطبع سن اشاعت	مصنف	سن وصال
۸۲	کشف الظنون	اسلامیہ طہران ۱۳۷۰ھ	حاجی خلیفہ مصطفی بن عبد اللہ کاتب چلپی۔	۱۰۶۷ھ
۸۳	الفوائد البهيه	ندوة المعارف ۱۹۶۷ء	ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی	۱۳۰۴ھ

کتب فقہ

نمبر شمار	کتاب	مطبع سن اشاعت	مصنف	سن وصال
۸۴	کافی	السعادہ مصر ۱۳۳۱ھ	حضرت حاکم الشہید محمد بن محمد حنفی۔	۳۳۴ھ
۸۵	مبسوط سرخسی	" "	محمد بن احمد بن ابو سہل سرخسی	۴۸۳ھ
۸۶	قدوری	اصح المطابع کراچی	ابو الحسین احمد بن محمد قدوری بغدادی۔	۴۲۸ھ
۸۷	جوہرہ نیرہ	محمود بک باب عالی ۱۳۰۱ھ	ابو بکر بن علی المعروف حدادی عبادی۔	۸۰۰ھ تقریباً
۸۸	حاشیہ قدوری	اصح المطابع کراچی	مولوی ابو سعید غلام مصطفیٰ سندھی قاسمی۔	
۸۹	بدائع صنائع	جمالیہ مصر ۱۳۲۸ھ	ملک العلماء علاؤ الدین ابو بکر ابن مسعود کاشانی۔	۵۸۷ھ
۹۰	ہدایہ	میمنہ مصر ۱۳۰۷ھ مجتبائی دہلی ۱۳۵۰ھ امین کمپنی دہلی ۱۳۵۸ھ	برہان الدین علی بن ابو بکر فرغانی مرغینانی	۵۹۳ھ

نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن طباعت	مصنف	سن وصال
۹۱	کفایہ	میمنہ مصر ۱۳۰۷ھ	مولانا جلال الدین خوارزمی	۷۱۱ھ
۹۲	عنایہ	" " "	محمد بن محمود بابرتی۔	۷۸۱ھ
۹۳	بنایہ	نولکشور ۱۲۹۳ھ	علامہ بدر الدین محمود عینی	۸۵۵ھ
۹۴	فتح القدیر	میمنہ مصر ۱۳۰۷ھ	کمال الدین محمد بن عبد الحمید ابن الہمام۔	۸۶۱ھ
۹۵	کنز الدقائق	دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۳۳ھ	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی	۷۱۰ھ
۹۶	تبیین الحقائق	امیریہ مصر ۱۳۱۳ھ	فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی	۷۴۳ھ
۹۷	حاشیہ شلبی	" "	شہاب الدین احمد شلبی	
۹۸	البحر الرائق	دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۳۳ھ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری۔	۹۷۰ھ
۹۹	تکملۃ البحر	" " " "	محمد بن حسین طوری	۱۱۳۸ھ
۱۰۰	منحۃ الخالق	" " " "	علامہ سید ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۱۰۱	رمز الحقائق	حیدری بمبی ۱۲۹۴ھ	بدر الدین محمود عینی	۸۵۵ھ
۱۰۲	دقایہ	مجتبائی، مجیدی	عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ	۷۴۷ھ
۱۰۳	شرح دقایہ	سعید اینڈ کمپنی کراچی	" " " "	"
۱۰۴	ذخیرۃ العقبٰی	نولکشور لکھنؤ ۱۳۲۶ھ	یوسف بن جنید المعروف اخی چلپی۔	۹۰۵ھ
۱۰۵	عمدۃ الرعایہ	سعید اینڈ کمپنی کراچی	مولانا عبد الحی لکھنوی	۱۳۰۴ھ

نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن طباعت	مصنف	سن وصال
۱۰۶	جامع الرموز	نولکشور لکھنؤ ۱۳۰۹ھ	شمس الدین محمد بن خراسانی قہستانی۔	۹۶۲ھ
۱۰۷	غرر الاحکام	در السعادۃ مصر ۱۳۲۹ھ	منلا خسرو محمد بن فراموز	۸۸۵ھ
۱۰۸	درر الحکام	〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃	〃
۱۰۹	غنیۃ ذوی الحکام	〃 〃 〃	حسن بن عمار وفائی شرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۱۰	منیۃ المصلی		سدید الدین محمد بن محمد کاشغری	۷۰۵ھ
۱۱۱	غنیۃ المستملی	مجتبائی دہلی ۱۳۳۳ھ	شیخ ابراہیم بن محمد حلبی	۹۵۶ھ
۱۱۲	صغیری	〃 〃 ۱۳۲۵ھ	〃 〃 〃 〃	〃
۱۱۳	ملتقی الابحر	دار الطباعہ عامرہ مصر ۱۳۱۶ھ	〃 〃 〃 〃	〃
۱۱۴	در المنتقی	〃 〃 〃	علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی	۱۰۸۸ھ
۱۱۵	تنویر الابصار	در السعادہ مصر ۱۳۲۴ھ	محمد بن عبد اللہ تمرتاشی غزی	۱۰۰۴ھ
۱۱۶	در المختار	〃 〃 〃	علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی	۱۰۸۸ھ
۱۱۷	طحطاوی علی الدر	دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۲۵۲ھ	سید احمد بن محمد طحطاوی	۱۲۳۱ھ ۱۲۳۷
۱۱۸	رد المحتار	در السعادہ مصر ۱۳۲۴ھ	سید محمد امین ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۱۱۹	التحریر المختار	کبری امیریہ مصر ۱۳۲۳ھ	شیخ عبد القادر رافعی فاروقی	۱۳۲۳ھ
۱۲۰	غایۃ الاوطار	نولکشور لکھنؤ ۱۳۱۰ھ	مولوی خرم علی	۱۲۷۱ھ
۱۲۱	مراقی الفلاح	عیسی البابی الحلبی مصر ۱۳۵۶ھ	حسن بن عمار وفائی شرنبلالی	۱۰۶۹ھ
۱۲۲	خلاصۃ الفتاوی	ایکسپورٹ للیتھو لاہور	طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری	۵۴۲ھ



نمبر شمار	کتاب	مطبع/سن طباعت	مصنف	سن وصال
۱۲۳	فتاوی قاضی خاں	نولکشور ۱۹۲۱ء ،		
		کبری امیریہ مصر ۱۳۱۰ھ	فقیہ النفس حسن بن منصور اوزجندی۔	۵۹۲ھ
۱۲۴	فتاوی سراجیہ	نولکشور ۱۳۴۴ھ	سراج الدین علی بن عثمان اوشی فرغانی۔	تکمیل ۵۶۹ھ
۱۲۵	فتاوی بزازیہ	کبری امیریہ مصر ۱۳۱۰ھ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز کردری۔	۸۲۸ھ
۱۲۶	فتاوی غزیہ	اہلسنت والجماعت بریلی ۱۳۳۲ھ	محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی	۱۰۰۴ھ
۱۲۷	فتاوی خیریہ	دار السعادۃ ۱۳۱۱ھ	خیر الدین بن احمد رملی	۱۰۸۱ھ
۱۲۸	فتاوی برہنہ	نولکشور کانپور ۱۹۱۴ء	نصیر الدین مینائی	۱۰ویں صدی
۱۲۹	فتاوی ہندیہ	مجیدی کانپور ۱۳۵۰ھ		
		کبری امیریہ مصر ۱۳۱۰ھ	ملا نظام الدین برہانپوری (مرتب)	۱۱۰۴ھ
۱۳۰	عقود الدریہ	میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ	سید محمد امین بن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۱۳۱	فتاوی مولانا عبد الحی	یوسفی فرنگی محل ۱۹۶۲ء	مولانا عبد الحی بن عبد الحلیم لکھنوی۔	۱۳۰۴ھ
۱۳۲	فتاوے رضویہ		مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ
۱۳۳	دفع زیغ زاغ	" "	" "	"
۱۳۴	الزبدۃ الزکیہ	" "	" "	"
۱۳۵	النحبۃ الفائحہ	" "	" "	"

نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن طباعت	مصنف	سن وصال
۱۳۶	رسالہ طرق اثبات الہلال		مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی	۱۳۴۰ھ
۱۳۷	بہار شریعت	رفاہ عامہ آگرہ	مولانا محمد امجد علی اعظمی	۱۳۶۷ھ
۱۳۸	فتاویٰ نوریہ		حضرت فقیہ اعظم ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی محدث بصیر پوری	۱۴۰۳ھ
۱۳۹	حرمت زاغ		" " " " "	"
۱۴۰	رسالہ الافتار فی جواز			
۱۴۱	تعلیم الکتابۃ للنساء۔		" " " " "	"
۱۴۲	رسالہ مکبر الصوت		" " " " "	"
۱۴۳	تکملہ سلطان الفقہ		مولانا محمد نظام الدین ملتانی	
۱۴۴	انواع بارک اللہ	نولکشور لاہور ۱۳۲۴ھ		
۱۴۵	مجلہ نور الحبیب			
۱۴۶	رضوان (ہفت روزہ)			
۱۴۷	درود و سلام قبل اذان		مولانا ابو الانعام محمد رمضان المحقق النوری۔	۱۴۰۹ھ
۱۴۸	مجموعہ قوانین اسلام	ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان	جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن	
۱۴۹	فتاویٰ رشیدیہ	برقی پریس دہلی ۱۳۵۲ھ	مولوی رشید احمد گنگوہی	

کتب اصول فقہ

نمبر شمار	کتاب	مطبع / سن طباعت	مصنف	سن وصال
۱۵۰	تنقیح الاصول	قصہ خوانی پشاور	عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ	۷۴۷ھ



نمبر شمار	کتاب	مطبع/سن طباعت	مصنف	سن وصال
۱۵۱	التوضیح فی حل غوامض التنقیح۔	قصہ خوانی پشاور	عبیداللہ بن مسعود تاج الشریعۃ	۷۴۷ھ
۱۵۲	التلویح الی کشف حقائق التنقیح۔	" " "	سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۱۵۳	المنار	سعید ایم ایچ کراچی ۱۳۷۹ھ	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی	۷۱۰ھ
۱۵۴	نورالانوار	" " "	شیخ احمد ملا جیون صدیقی	۱۱۳۰ھ
۱۵۵	الاشباہ والنظائر	نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۵ء	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری	۹۷۰ھ
۱۵۶	غمزالعیون	" " "	شہاب الدین سید احمد بن محمد حموی مصری	۱۰۹۸ھ
۱۵۷	اصول الشاشی	رحیمیہ	نظام الدین اسحاق بن ابراہیم شاشی۔	۳۲۵ھ
۱۵۸	ثلاثین شامی	دارالسعادہ مصر ۱۳۱۵ھ	علامہ ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ

فقہ المذاہب

نمبر شمار	کتاب	مطبع/سن طباعت	مصنف	سن وصال
۱۵۹	المدونۃ الکبریٰ	خیریہ مصر ۱۳۲۴ھ	ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن قاسم مالکی۔	۱۹۱ھ
۱۶۰	رحمۃ الامہ	مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۳۵۴ھ	شیخ محمد عبدالرحمٰن دمشقی شافعی	تکمیل ۷۸۰ھ
۱۶۱	میزان شعرانی	" "	سیدی عبدالوہاب بن احمد شعرانی	۹۷۳ھ
۱۶۲	کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ	وزارۃ اوقاف مصر ۱۳۲۹ھ	علامہ عبدالرحمٰن جزیری۔	تکمیل ۱۹۲۴ء
۱۶۳	فتاوٰی حدیثیہ	المعاہد قاہرہ ۱۳۵۳ھ	احمد بن محمد ابن حجر ہیتمی مکی	۹۷۳ھ



نمبر شمار	کتاب	مطبع/سن طباعت	مصنف	سن وصال

متفرقات

نمبر شمار	کتاب	مطبع/سن طباعت	مصنف	سن وصال
۱۶۴	الاتقان	اظہریہ مصر ۱۳۴۳ھ	علامہ جلال الدین سیوطی صدیقی	۹۱۱ھ
۱۶۵	شرح عقائد		سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ
۱۶۶	فتوحاتِ مکیہ	دار الکتب العربیہ مصر	ابو عبد اللہ محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸ھ
۱۶۷	مکتوباتِ شیخِ محقق	مجتبائی دہلی ۱۳۳۶ھ	شیخ عبد الحق محدثِ دہلوی محقق حقی۔	۱۰۵۲ھ
۱۶۸	مفتاح السعادۃ	دائرۃ المعارف ۱۳۵۶ھ	مولےٰ احمد بن مصطفےٰ طاش کبری زادہ۔	۹۶۶ھ / ۹۶۸
۱۶۹	دستور العلماء	″ ۱۳۲۹ھ	قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری۔	تکمیل ۱۱۷۳ھ





تمہیدِ احسن الخالقین
۱۴۰۳ھ

نسخۂ اکسیر فتاویٰ نوریہ حصہ سوم

۱۹۸۳ھ

ازقلم حقیقت رقم
۱۴۰۳ھ

شخصیت بے مثال
۱۹۸۳ء

عالم دانا فقیہ اعظم
۱۴۰۳ھ

حضرت گرامی قدر
۱۹۸۳ء

مسیحا نفس محمد نور اللہ دامت برکاتہم العالیہ
۱۹۸۳ھ



حضرت بوالخیر نور اللہ نعیمی باوقار
جن کے دم سے ہے گلستانِ محبت پُر بہار

قافلہ سالارِ مردانِ خداوندِ کریم
عرصۂ عرفان و حکمت کے وہ مردِ شہسوار

رہنمائے گمرہانِ منزلِ عرفانیت
صدرِ اربابِ بصیرت، مفتیٔ ذی اقتدار

ہیں فدا اُن کی فقاہت پر سبھی اہلِ نظر
رفعتِ افکار بھی جن کے قلم پر ہے نثار

جن کا موضوعِ سخن ہے شرحِ قرآن و حدیث
گفتگو سے ہے نمایاں "عظمتِ شب زندہ دار"
۱۹۸۳ء

ماشاء اللہ اُن کی تحقیقاتِ علمی خوب ہیں
جو کہ ہیں اُن کے کمالِ علم کی آئینہ دار

مخلصانہ ہے دعائے خیر کہ اُن پر رہے
تا قیامت سایہ افگن رحمتِ پروردگار

اِن فتاویٰ کی طباعت قوم پر احسان ہے
ایک "گمگشتہ حقیقت" ہو گئی ہے آشکار
۱۴۰۳ھ

ملتِ خیر الانام اِس سے سدا پائے گی فیض
۱۴۰۳ھ
بالیقیں ہے یہ علومِ دیں کا بحرِ بیکنار

ہے محبُ اللہ نوری کی یہ ترتیبِ جمیل
کاوشِ پیہم ہے ان کی باعثِ صد افتخار

ہے یہ "اظہارِ خیال صاحبِ اقبال"، آج
۱۹۸۳ھ
ہر نظر جس کے نظارے کے لیے ہے بیقرار

علم و حکمت کا ہے یہ "مہرِ درخشاں بے مثال"
۱۹۸۳ء
جس کی ضو سے محفلِ فکر و نظر ہے تابدار

اِس کی "تاریخِ اشاعت" ہے قمر "بُستانِ فیض"
۱۹۸۳ء ۱۴۰۳ء
جس سے اہلِ علم و دانش دل سے رکھتے ہیں پیار

جمعۃ المبارکہ
۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ
۱۸ فروری ۱۹۸۳ء

نتیجۂ افکار المخلص قمر یزدانی
۱۹۸۳ھ



کامل چھ جلدیں

فقیہ اعظم کے فقہی قلم کا عظیم شہکار

سات ہزار جدید و قدیم مسائل کا بے مثال حل

۳۵۰۰ صفحات پر مشتمل شرعی دائرۃ المعارف

علماء و مشائخ وقت کا محبوب و پسندیدہ

آفسٹ کتابت، اعلیٰ طباعت، عمدہ سفید کاغذ، خوبصورت جلد

ہدیہ مکمل سیٹ -/۱۵۰۰ روپے

ملنے کا پتا

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور